ترجمان دارالعلوم

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نمبر

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند نئی دہلی ۲۵

Courtsy: Farhat Ehsas

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

ترجمان دارالعلوم جدید

جلد: ۱۰	جون۔ اگست ۲۰۰۲ء ربیع الثانی۔ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ	شمارہ ۱-۳

مدیر مسئول

مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی

مدیر تحریر

وارث مظہری قاسمی

مدیر انتظامی

فرید الزماں کیرانوی

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نمبر

اس شمارہ کی قیمت
تیس روپے

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتا:
TARJUMAN-E- DARUL ULOOM (Jadid)
276/5,Zakir Nagar, New Delhi -110025 Ph.: 6327535 Ph./Fax: 6925204

کمپوزنگ: [illegible] 176/5، ذاکر نگر، نئی دہلی-25

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاکی و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی ، اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل ، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب ، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو ، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل و پاک باز

(اقبال)

ترتیب

اے کہ تو مجموعۂ خوبی...

نوائے شکستہ (منظومات)

حرف آغاز

''مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نمبر'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے ''ترجمان دارالعلوم'' کی اس خصوصی اشاعت کو حتی الامکان بہتر سے بہتر شکل میں لانے اور مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جیسا کہ قارئین اندازہ کرسکتے ہیں، یہ نمبر انتہائی کم وقت میں، عجلت کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ اس لئے اس میں شاید وہ جامعیت، تنوع اور ہمہ گیری پیدا نہ ہوسکی ہو جسکی قارئین بجا طور پر ہم سے توقع کرسکتے تھے۔ اور حضرت قاضی صاحب کی بلند و بالا شخصیت جسکی متقاضی تھی... البتہ ہم سے یہ سوال ضرور کیا جاسکتا ہے کہ آخر اس عجلت کی وجہ کیا تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس نمبر کا جو خاکہ مرتب کیا تھا اس میں خود یہ بات شامل تھی کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کم وقت میں جو کچھ ممکن ہوسکے اسے ہدیۂ ناظرین کردیا جائے۔ اس فیصلے کی بنیاد اس سوچ پر تھی کہ قاضی صاحبؒ کے فیض یافتگان اہل علم وقلم بڑی تعداد میں ملک کے طول وعرض میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بہرصورت حضرت قاضی صاحب پر مختلف کتابوں اور رسائل وجرائد کی خصوصی اشاعتوں کے ذریعہ، خوب سے خوب تر اور وقیع مواد پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ خود دہلی میں قاضی صاحب کے قائم کردہ ایسے ادارے موجود ہیں جو اس کام کو اعلی سے اعلی پیمانے پر کرنے کے لئے پرتول رہے ہیں اور وہ ضرور اس میں کامیاب ہوں گے۔ اس لئے کہ ان کے پاس وسائل وافراد کی کمی نہیں ہے۔

لیکن اسے قاضی صاحب کی شخصیت کی کشش اور مقبولیت ہی کہی جائے گی کہ اصحاب قلم نے ہماری توقع سے بہت زیادہ آگے بڑھ کر اس نمبر میں دلچسپی دکھائی۔ اور اس طرح ہمارے پاس تھوڑے ہی دنوں میں بڑی تعداد میں مضامین اکٹھا ہوگئے۔ اگر ہم ان تمام مضامین کو شامل کرتے تو اس نمبر کا حجم یقیناً بہت زیادہ بڑھ جاتا۔ اس لئے ہم نے خاص طور پر ایسے مضامین کو ترجیح دی جو علمی اور تجزیاتی رنگ میں لکھے گئے ہیں اور جن کے ذریعہ قاضی صاحب کی شخصیت، فکر اور عملی خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ کسی بڑی شخصیت پر نمبر نکالنے کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ صرف اس کے لیے مدح وتوصیف کے وہ کلمات دہرادئے جائیں جو ہر بڑی شخصیت کے انتقال پر ادا کئے جاتے

ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کے خط و خال اور افکار وخیالات کے نقوش اس طرح ابھر کر سامنے آجائیں کہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے وہ چراغ راہ ثابت ہوں۔

بلاشبہ قاضی صاحبؒ ان نابغہائے روزگار شخصیتوں میں سے ایک تھے، جنھوں نے ایک عہد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا اور ایک زمانے کو اپنے افکار و خدمات سے متاثر کیا۔ ملت کے لئے ان کے اندر جو سوز واخلاص، جو جذبہ اور اس جذبے کو روبہ عمل لانے کے لئے جس عزم اور عمل پیہم کی خو پائی جاتی تھی۔ اس کی نظیریں دور جدید میں خال خال ہی پائی جاتی ہیں۔

تنظیم ابنائے قدیم کے ساتھ قاضی صاحب اس کے آغاز سے ہی نہایت گہرا اور والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ تنظیم کی مجلس عاملہ کے رکن ہونے کے ساتھ ان کی حیثیت تنظیم کے لئے کسی بھی طرح ایک سرپرست سے کم نہ تھی۔ ہمارے لئے یہ انتہائی فخر وخوشی کی بات تھی کہ قاضی صاحبؒ ''ترجمان دارالعلوم'' کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور از اول تا آخر اسے پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

اس نمبر کے لئے ہم نے کئی چیزوں کا التزام کیا تھا۔ جس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس میں صرف غیر مطبوعہ مضامین ہی شامل ہوں۔ نیز وہ زیادہ طویل بھی نہ ہوں تا کہ زیادہ سے زیادہ اہل قلم کو نمائندگی مل سکے، اس لئے کئی اچھے اور مفید مضامین کو مطبوعہ ہونے کی وجہ سے ہم زیر نظر اشاعت میں شامل کرنے سے قاصر رہے۔ البتہ دو ایک مضامین ایسے ضرور ہیں جو اصلاً ہماری ہی فرمائش اور مقررہ عنوان پر لکھے گئے لیکن وہ ''ترجمان دارالعلوم'' کے علاوہ دیگر پرچوں کو بھی ارسال کردئے گئے اور اس نمبر کی اشاعت سے قبل وہاں شائع ہوگئے۔ اگر چہ ایسا ہماری اس استدعا کے باوجود کیا گیا، کہ ''براہ کرم یہ مضمون ترجمان کے علاوہ کہیں اور بغرض اشاعت ارسال نہ کیا جائے'' پھر بھی ہم نے ان مضامین کو بھی بوجوہ اس میں شامل کرلیا ہے... اسی طرح طوالت یا تکرار سے بچنے کے لئے ہمیں بعض مقالات کے کچھ حصوں کو مجبوراً حذف کرنا پڑا ہے۔ جس کے لئے ہم اپنے مقالہ نگاروں سے معذرت خواہ ہیں۔

اخیر میں ہم تمام اہل قلم اور معاونین کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ تصور کرتے ہیں جن کے تعاون اور مشوروں کی بدولت ''ترجمان دارالعلوم'' کا یہ خصوصی نمبر موجودہ شکل میں منظر عام پر آسکا۔

مدیر تحریر

مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

فقیہ وقت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی رحلت

گدڑی میں لال

زندگی میں دو تین ایسے آدمی دیکھے جو شکل و شباہت میں معمولی، وضع قطع میں ضرورت سے زیادہ سادہ تھے۔ اس لئے انہیں دیکھ کر یقین ہی نہیں ہوا کہ کوئی قابل توجہ ہستی ہوگی مگر جب ان کے علم و فن یا ان کی صلاحیت و قابلیت نے اپنا تعارف کرایا تو آنکھیں کھلی رہ گئیں اور دل رعب و مسرت سے لبریز ہوگیا ایسی ہستی مولانا محمد عثمان فارقلیط کی تھی جن کے آتش بار قلم نے الجمعیۃ کے صفحات پر انگریزی سامراج کے پتلے جلا دیے اور عدالتیں ان کا قلم نہ پکڑ سکیں۔ جب پہلی مرتبہ مولانا سید احمد ہاشمی صاحب مرحوم نے مجھے بتایا کہ یہی فارقلیط صاحب ہیں تو میں الجمیعۃ کے دفتر میں حاضر ہوکر سلام کر آیا اور آج تک ان کی نگاہوں اور قلم سے مرعوب ہوں۔ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بے داڑھی مونچھ کے ظاہری طور پر ایک غیر مؤثر شخصیت تھے ان کی صدری اور تہہ بند ایک معمولی انسان کی شباہت پیش کرتے تھے۔ مگر ان کی مرصع تقریر اور ان کا رواں قلم، فقہی سیمیناروں کی بحثوں میں اصل موقف پر ان کا نقطۂ نظر، فقہ کے مختلف گوشوں کو مربوط کرنے کا ان کا سلیقہ انہیں ہزاروں میں ممتاز کر دیتا تھا۔ اکابر علماء اس پر عش عش کر کے رہ جاتے تھے۔ دانشور حضرات کہتے تھے کہ ہم نے ایسا عالم نہیں دیکھا جو عصری زبان و اسلوب میں موجودہ مسائل کو حل کرنے پر اتنی قدرت اور ایسی مہارت اور اس قدر زوردار لب ولہجہ کا مالک ہو۔

انتظامی صلاحیت

مجاہد الاسلام قاسمی صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ برسوں تک انہوں نے خانقاہ رحمانی مونگیر میں تدریس کی خدمت انجام دی پھر مولانا منت اللہ رحمانی نے ان کو امارت شرعیہ کی تنظیم و ترتیب کا مشکل کام سپرد کر دیا اور وہ اس میں ڈوبتے چلے گئے پھر جب کئی سال کے بعد ابھرے تو بہار واڑیسہ میں جگہ جگہ امارت شرعیہ کی شاخ قائم تھی قاضی موجود تھے فصل مقدمات کا

سلسلہ جاری تھا اور اس طرح جاری تھا جس طرح بانی امارت شرعیہ مولانا سجادؒ چاہتے تھے اس میں قاضی صاحب کا علم ہی نہیں بلکہ ان کی انتظامی صلاحیت بھی ابھر کر سامنے آئی۔ان کی بے پناہ جدو جہد نے امارت شرعیہ کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔

تربیتی ماحول

قاضی صاحب سے میری پہلی ملاقات دیو بند میں ہوئی جب وہ طالب علم تھے اور میں ایک مدرسے میں پڑھا رہا تھا۔ اس وقت وہاں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا درس حدیث، ان کی سیاسی سرگرمیاں، اصلاح معاشرہ کی جدو جہد اور ان کی ذرہ نوازیاں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ علامہ ابراہیم بلیاوی کا درس حکمت وفلسفہ جاری تھا۔ان کے علمی چٹکلے اور حاضر جوابی کے جملے ضرب المثل تھے، حضرت مولانا اعزاز علیؒ کے ادب اور فقہ کا شہرہ تھا۔حضرت قاری طیب صاحبؒ کی تقریریں، حجۃ اللہ البالغۃ کے ان کے اسباق ان کی سنجیدگی، نظافت اور دلنشیں گفتگو سے ہر شخص متاثر تھا۔اس وقت کا دارالعلوم عالم میں انتخاب تھا۔ایسے ماحول میں میرا اور قاضی صاحب کا زمانہ آگے پیچھے تھا اس لئے ہم دارالعلوم سے نکلے تو بے لاگ قلم، بے باک زبان اور بے پناہ جدو جہد کا شوق لے کر نکلے۔اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے تعلیم، تربیت، سیاست، تنظیم، انشاء اور نظم ونثر کے جس میدان میں بھی قدم رکھا کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، ہم نے ہر بات کو سمجھنے کی کوشش کی اور ہر غلط بات کی تردید کی ضرورت پر کمر بستہ ہوئے اور بحمد اللہ اپنی کوئی پرواہ نہیں کی۔

عزائم

ایسے ماحول کا بے نظیر نمائندہ مجاہد الاسلام تھا جو آگے چل کر عالم و فاضل حتی کے فقیہ اور قاضی کہلایا۔ہم نے دیکھا کہ مسلم قیادت جب منتشر ہونے لگی تو اس جیالے مجاہد الاسلام نے آواز دی اور علماء دانشور اور بہت سے لیڈروں کو جمع کر کے ملی کونسل قائم کردی اور اس کے آواز کو پورے ملک میں پھیلا دیا۔پھر قاضی صاحب یہیں نہیں رکے بلکہ اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کر کے اس کے پلیٹ فارم سے ملک کے تمام مسلکوں کے علماء وفضلاء اور مفتیان کرام کو دعوت دے کر موضوع بحث دیا اور پوری حاضر دماغی اور جدت پسندی سے اس بحث کو کنٹرول کیا اور ایک فیصلہ کن انداز میں اسے پیش کردیا اس کے لئے سیمینار کی رودادیں گواہ ہیں۔

کارکنوں کی حوصلہ افزائی

اس سلسلہ میں ان کے ساتھیوں سے اور دوسرے شرکاء سے مختلف طبقات کے لوگوں کو شکایت ہوئی مگر قاضی صاحب نے کام بند کرنے کے بجائے اصلاح حال کی کوشش کی اور برابر کرتے رہے اس سلسلہ میں میری ان سے خط وکتابت بھی ہوئی مگر وہ کہنے لگے کہ تم سیمینار کی شرکت نہ چھوڑو ضرور آیا کرو اور بہت سی چیزوں کی اصلاح بھی کی تاکہ وہ سب کا نمائندہ سیمینار کرسکیں اور مجھے ان کے خلوص پر اتنا اعتماد تھا کہ اختلاف رائے کے باوجود حاضر ہو جاتا تھا۔ ان سیمیناروں میں کسی مسئلہ پر جب رائیں اور دلیلیں آئیں تو ظاہر ہے کہ ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا نہ سب کو مانا جاسکتا ہے اس لئے درمیان سے کوئی راستہ نکالنا تھا ایسے تمام مواقع پر قاضی صاحب قیمتی، سنجیدہ، سلجھی ہوئی اور عالمانہ تقریر کیا کرتے۔ یہ ان کا علم اور شخصیت کی گہرائی تھی افسوس کہ وہ گم ہوگئی اب سیمیناروں کو کون کنٹرول کرے گا اور جچی تلی تقریر کرکے شرکاء کو کون مطمئن کرے گا یہ ایک بڑا سوال ہے۔

قاضی صاحب سے آخری ملاقات

تنظیم ابنائے قدیم کی میٹنگ تھی اس میں رابطہ مدارس کا موضوع تمام جماعتوں کے لئے دلچسپ تھا اور چونکہ مختلف جماعتی ذمہ داروں کی میٹنگ تھی اس لئے اس میں مختلف جماعتوں کے عہدہ اران موجود تھے۔ جب طے کیا جانے لگا کہ رابطہ مدارس کے کام کو پھیلا کر کرنا ہے تو سوال پیدا ہوا کہ اس میں تمام جماعتوں اور اداروں کی نمائندگی ضروری ہے۔ چنانچہ مسلم پرسنل لاء بورڈ، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کا نام آیا تو سب کی رائے ہوئی کہ سب سے پہلے مسلم پرسنل لاء کے ذمہ داروں سے بات کی جائے اور ہم لوگ پھر بلا تاخیر فون کرکے ان کے پاس پہنچ گئے۔ حسب عادت کھلے دل ودماغ سے ملے انہوں نے فرمایا کہ رابطہ مدارس کے لئے ہم بھی ایک کمیٹی بنانا چاہتے ہیں پھر فرمایا تمہارا کنوینر کون ہے بتایا گیا مولانا عمید الزماں کیرانوی ہیں تو فرمانے لگے کہ جب اس میں تمام جماعتیں شامل ہیں تو اسی کمیٹی کو کام کے لئے منتخب کرلیا جائے اور مولانا عمید الزماں صاحب ہی اس سے متعلق سارے کام انجام دیں پھر فرمایا کہ ہمارے پاس جگہ کی کمی ہے اس لئے اگر آپ لوگ اپنے دفتر میں ہی رابطہ کا دفتر رکھ لیں تو کام میں سہولت ہوگی ہم آپ سے پورا تعاون کریں گے مالی تعاون بھی۔ اس خوشگوار ماحول نے بتایا کہ قاضی صاحب میں کس قدر وسیع النظری، وسیع الظرفی اور کام کی امنگیں تھیں اور یہی ان کی وہ خوبی تھی جس نے ان کو مقبول بنا دیا تھا اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی جدوجہد کے اس سلسلہ کو ملت اسلامیہ کے لئے قبول فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر مسائل کو حل کرسکیں۔ ☆☆☆

مولانا سید نظام الدین☆

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی

کے ساتھ میری ۴۷ سالہ رفاقت

مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی قاضی شریعت سے پہلی ملاقات ۱۹۵۸ء میں جامعہ رحمانی مونگیر میں ہوئی، وہاں وہ دو سال سے تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اس وقت وہ دبلے پتلے، چھریرے بدن کے ایک نوجوان تھے اور دیکھنے میں ایک طالب علم معلوم ہوتے تھے۔ لیکن اس وقت بھی ان کا شمار جامعہ رحمانی کے ممتاز اساتذہ میں ہوتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ان کو جامعہ میں لے آئے وہ ان کے ساتھ کافی شفقت کا برتاؤ کرتے، اسی زمانہ میں آزاد مدارس کا بورڈ قائم ہوا اور قاضی صاحب اس کے روح رواں بنائے گئے، اس کی ایک میٹنگ میں، میں مونگیر حاضر ہوا، اس کے جلسہ میں میری ایک تقریر مجمع کو پسند آئی۔ دوسری ملاقات ۱۹۶۰ء میں اس وقت ہوئی جب کہ جامعہ رحمانی مونگیر میں امارت شرعیہ کی طرف سے تربیت قضاء کا انعقاد ہوا تھا، علماء میں قضا کے فن کو معروف کرنے اور عملی طور پر اس کے اصولوں کو انجام دینے اور توسیع دارالقضاء کے لئے قضاۃ تیار کرنے کے لئے یہ اجتماع بلایا گیا تھا، جو بڑی حد تک کامیاب رہا، اس کے بعد ہی صوبہ کے مختلف علاقوں میں امارت شرعیہ کی طرف سے دارالقضاء قائم ہوئے، اس عرصہ میں قاضی صاحب کی فقہی صلاحیت اور فن قضاء سے مناسبت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور وہ بھی مجھ سے بہت مانوس رہے، بالآخر ان کی تحریک پر امیر شریعت رابعؒ نے مجھ سے عہدۂ نظامت کو سنبھالنے کی فرمائش کی، مگر میں اس وقت مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن (بہار) میں صدر مدرس تھا، اور بہت سے اچھے لڑکے زیر تعلیم تھے اس لئے فوری طور پر وعدہ نہ کر سکا، مدرسہ کے بانی مولانا ریاض احمد صاحب (متوفی ۱۹۶۱ء) مجھ پر بہت شفیق تھے اور چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، لیکن اللہ کی طرف سے یہ انتظام ہوا کہ میرے بہت سے شاگرد دارالعلوم

☆امیر شریعت امارت شرعیہ پٹنہ

دیوبند سے فارغ ہوکر مدرسہ میں آگئے، اور میں نے ان کو نظم ونسق اور تدریس کا کام سپرد کردیا اور ایک سال رہ کران کو تربیت دی پھر ۱۹۶۲ء میں گھر چلا گیا، اس درمیان امارت شرعیہ کے قدیم ناظم مولانا قاضی احمد حسین صاحب (ممبر پارلیمنٹ) کا انتقال ہوگیا اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری عہدہ قضاء سے الگ ہوگئے، اس فوری ضرورت کو دیکھتے ہوئے اور قاضی صاحب کی صلاحیت پر پورا اعتماد کرتے ہوئے ان سے امیر شریعت رابعؒ نے پوچھا کہ آپ امارت جاسکتے ہیں، انھوں نے آمادگی ظاہر کردی اور ۱۹۶۲ء میں ناظم اور قاضی کے عہدہ پر قاضی صاحب امارت شرعیہ آئے، اور میں نے مدرسہ رشید العلوم چترا میں صدر مدرس کی خدمت اختیار کرلی، دو سال کے بعد ۱۹۶۴ء کے آخر میں امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ اور مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے اصرار پر امارت شرعیہ کے قافلہ میں شامل ہوگیا پھر حضرت امیر شریعتؒ نے قضاء کے عہدہ پر قاضی صاحب کو باقی رکھا اور نظامت کا عہدہ میرے سپرد کردیا۔

اس وقت سے ہم دونوں نے ساتھ مل کر اپنے عہدوں کا فرق کئے بغیر امارت شرعیہ کے سارے کام کو انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے عوام میں اتحاد کو بحال کرنا اس کے لئے تنظیمی علاقوں کا دورہ کرنا، اور تمام شعبوں کی ترقی کے لئے مالی استحکام کا نظم کرنا تھا ہم دونوں نے اس وقت کے کارکنان اور مبلغوں کو ساتھ لے کر پوری لگن کے ساتھ اس کام کو انجام دیا اور اللہ کا شکر ہے کہ ہر مرحلہ میں کامیاب رہے۔ اس طرح ۱۹۶۴ء سے ۲۰۰۲ء یعنی ۳۷ سال تک وہ ہر کام میں ساتھ رہے، یہ بات ضرور تھی کہ ہمارے منصوبوں کی کامیابی قاضی صاحب کی ذہانت، ان کی اقدامی صلاحیت، ارادے کی پختگی، راستہ کی صعوبتوں کو جھیلنے اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی پوری صلاحیت کی رہین منت تھی اور اس سے ہمیں اپنے دوروں کو کامیاب بنانے میں مدد ملتی رہی، وہ جس کام کو شروع کرتے پورے جوش ولگن کے ساتھ کرتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی لگاتے، اس طرح امارت شرعیہ کا اول دور ۵۷ء سے ۶۶-۱۹۶۵ء تک، شدید مالی بحران کا دور تھا، افراد کی کمی تھی، معاونین ومخلصین انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، اکثر ہم لوگ دفتر کے مالی حالت کو دیکھ کر باہر نکل جاتے، بڑی مشقتوں کے بعد کچھ کر کے لاتے تو اس سے کام چلتا تھا، ۱۹۶۵ء میں ہندوستان اور پاکستان کی پہلی جنگ ہوئی تو اس میں امارت شرعیہ نے جو معتدل موقف اختیار کیا اس میں امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اور مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی حکمت عملی کو بڑا دخل تھا،

۶/ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیل نے مصر، اردن اور شام پر حملہ کر کے اس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا، اس سے پوری دنیا میں اسرائیل کے خلاف غم وغصہ کی شدید لہر دوڑ گئی اور ان کی بے بسی پر امت مسلمہ میں ان کے تئیں ایک خاص ہمدردی پیدا ہوئی، اس موقعہ پر امارت شرعیہ کی طرف سے ان تینوں ممالک کو امداد پہونچانے کی اپیل کردی گئی، یہ اپیل ۲۵/جون کو جاری ہوئی اور ۶/ اگست کو فلسطین کے مسئلہ پر ایک اجتماع کا اعلان کردیا گیا جو انجمن اسلامیہ پٹنہ میں منعقد ہوئی۔ اس کا بڑا زبردست اثر ہوا، شام کے سفیر عمر ابوریشہ، مصر کے نمائندہ سفیر منعام المصری شریک ہوئے، انجمن اسلامیہ میں جلسہ ہوا، عمر ابوریشہ نے عربی میں پُر جوش تقریر کی، ہلکی بارش ہورہی تھی، مجمع بھیگ رہا تھا لیکن بالکل پُرسکون تھا، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کا جوہر اس وقت نمایاں ہوا جب انہوں نے عمر ابوریشہ کی تقریر کا اردو میں ترجمہ کیا پورا میدان داد تحسین سے گونج اٹھا، جب تقریر ختم ہوئی تو ابوریشہ نے کھڑے ہو کر قاضی صاحب سے معانقہ کیا اور کہا کہ میری باتوں کو آپ نے مجھ سے بہتر انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ اجلاس حضرت امیر شریعت رابع کی صدارت میں منعقد ہوا اس اجلاس میں قاضی صاحب کی شہرۂ آفاق تقریر نے اچانک امارت شرعیہ کو پستی سے بلندی کے رخ پر ڈال دیا اور کہنا چاہیے کہ یہ اجلاس امارت شرعیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہوا اسی موقعہ پر جناب کلیم عاجز صاحب نے جو بہار کے ممتاز شاعر ہیں بڑا معرکۃ الآراء مضمون لکھا، جس کو نقیب اور دیگر اخبارات نے شائع کیا، اس اجلاس میں بہار کے مسلمانوں کی طرف سے تینوں ممالک کو ۷۵ ہزار روپے پیش کئے گئے اور پھر اس طرح سے ۲۱/ اگست کو دہلی میں سیمینار کر کے وہاں اردن کے سفیر کو بلایا گیا جو پٹنہ نہیں آسکے تھے اور ان کی خدمت میں ۲۵ ہزار پیش کئے گئے، اس طرح ایک لاکھ دیا گیا۔ اسرائیل کی ظالمانہ رویہ کی مذمت کی گئی، اسی ۱۹۶۷ء میں ۲۲/ اگست کو فرقہ وارانہ فساد ہوا جس میں مجھ کو جانا پڑا قاضی صاحب نے دفتر نظامت کو سنبھالا اور میں جتنی اطلاعات بھیجتا تھا اس سے وہ پورے ہندوستان کو باخبر کرتے تھے، اس طرح رانچی، سیتامڑھی، گریڈیہہ وغیرہ کے فسادات میں امارت نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس میں قاضی صاحب کی حکمت عملی کو بڑا دخل تھا اس طرح کے واقعات سے وہ ملک بھر کے لوگوں کو باخبر کرتے تھے، اس طرح رقم اور سامان آتا گیا اور ہمارے کارکن حضرت مولانا عبداللہ مرحوم اور مولانا صدر عالم سیتامڑھی نے ان علاقوں میں کام کیا، اس سے امارت شرعیہ کے کاموں اور شعبہ جات کی کارکردگی میں اضافہ ہوا اور اس

کے بعض اہم شعبہ جات کو ترقی دینے کے لئے مالی ترقی پیدا ہوئی، نقیب میں شاہد رام نگری کو ایڈیٹر کے طور پر بلایا گیا اور وہ تقریباً ۱۶ سال تک نقیب سے منسلک رہے، ان کے اداریے اور سیاسی تبصرے بہت پسند کئے جاتے۔ اور اخبارات میں شائع ہوتے تھے۔ اس کے وفود کے دوروں کا ہر سال مسلسل پروگرام ہوتا رہا جس میں قاضی صاحب اور میں پیدل بیل گاڑی سے سفر کرتے تھے اور گاؤں گاؤں جاتے تھے، اکثر دوروں میں امیر شریعت رابع بھی شریک ہوتے تھے، امارت شرعیہ میں سب سے پہلی رجسٹری دارالقضاء کے مکان کے لئے ہوئی، اسی سال پانی اور بجلی کا مناسب انتظام ہوا۔

فرقہ وارانہ فساد کے موقعہ پر اور دوسرے ملی مسائل کے سلسلہ میں بہار کے ذمہ داروں سے ملنے کا سلسلہ رہا، اسی طرح ریاستی حکومت نے بھی امارت شرعیہ کے اثر کو قبول کیا۔ اسی قدیم دفتر میں شوریٰ کا اجلاس بھی ہونے لگا، بعض ہنگامی اجلاس بھی ہوئے اور وزراء کی آمد کا سلسلہ بھی رہتا، اس میں ایک وزیر آئے اور انھوں نے امیر شریعت سے کہا کہ اتنا بڑا کام ہو رہا ہے اور یہاں تک پہونچنا مشکل ہے کوئی اور جگہ خریدیئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے انگریزوں سے تو نہیں مانگا، پتہ نہیں آپ دیں گے یا نہیں، انھوں نے کہا سرکار کی زمین ہوگی تو دیں گے، جناب سراج احمد دفتر بیت المال میں تھے جو کاغذات سمجھتے تھے ان کے حوالہ یہ کام کیا گیا اور آج جہاں یہ دفتر قائم ہے اور جو P.W.D کی زمین ہے اس کے متعلق ۱۹۷۳ء میں جب کہ عبدالغفور صاحب وزیر اعلیٰ تھے پہلی درخواست دی گئی، آٹھ سال تک کارروائی چلتی رہی، بالآخر عبدالغفور صاحب نے استعفیٰ دے دیا اس زمانے میں جناب اخلاق الرحمٰن صاحب قدوائی گورنر ہو کر آئے ہم لوگوں نے دفتر امارت شرعیہ آنے کی دعوت دی، انھوں نے اسے قبول کیا، ہمارے پاس جگہ نہیں تھی، شیش محل میں بلایا، انھوں نے دفتر کے تمام شعبوں کا معائنہ کیا، بہت خوش ہوئے، جب ان سے کشادہ زمین کی ضرورت کی بات کہی اور کہا گیا کہ درخواست دی ہوئی ہے تب انھوں نے کہا کہ آپ اپنی درخواست مجھے بھیج دیجئے، وہ درخواست ان تک پہونچی، وہ ایڈوائزری کمیٹی کو سپرد کر دی گئی، اس نے سفارش کی کہ ایک ایکڑ زمین امارت شرعیہ کو دی جائے اسی درمیان جگن ناتھ مشرا کی سرکار آگئی یہ مسئلہ گورنمنٹ میں پیش ہوا، ۶/دسمبر ۱۹۸۰ء کو لیز پر یہ زمین امارت شرعیہ کو دی گئی۔ ۲۰/فروری ۱۹۸۱ء کو زمین کی رجسٹری ہوئی، جناب سراج احمد صاحب کا ۲/فروری کو انتقال ہو گیا اگر وہ زندہ ہوتے تو سب سے زیادہ خوشی ان کو ہوتی، بڑی مشکلوں سے ۲۰/اپریل ۱۹۸۱ء کو

زمین پر قبضہ ملا، مولانا احمد حسین صاحب نائب ناظم اس مسئلہ میں آگے آگے تھے، ان کی حکمت عملی اور اقدام سے بہت سی منزلیں آسان ہوئیں، مگر قاضی صاحب کی دوراندیشی نے بہت اہم کام کیا۔ زمین کی دوبارہ پیمائش کرائی گئی اور اس کے لئے قاضی صاحب خود کھڑے رہے۔ اور جو عجلت میں کم ناپ دی گئی تھی اس کو پورا کرایا اور پورے ایک ایکڑ پر نشان لگا دیا گیا، اس وقت پولس افسر اور سب سے بڑھ کر ناپنے والے امین سے نمٹنا، نقشہ کو سمجھنا اور کاغذات پر پورا عبور رکھنا یہ قاضی صاحب کی اس خداداد صلاحیت سے ہوا کہ اس فن میں بھی اللہ نے انہیں بڑی صلاحیت عطا کی تھی۔

زمین حاصل ہو جانے کے بعد میں نے جناب فہیم الدین مرحوم کے مشورے سے ۳۷۰ فٹ کی چہار دیواری ۷؍مئی سے ۲۰؍مئی تک کی مدت میں کھڑی کروادی جس میں ۸۰ ہزار اینٹ خرچ ہوئی، مگر پوری زمین محفوظ ہوگئی، اس کے بعد یہ زمین بالکل تالاب کی شکل میں تھی جس میں کہیں دس فٹ اور کہیں پندرہ فٹ پانی بھرا ہوا تھا اس کے بھروانے میں کافی وقت لگا۔ لیکن کام مسلسل جاری رہا، بالآخر ۲۲؍مئی ۱۹۸۱ء کو سنگ بنیاد کے اجلاس کا اعلان ہوا جس میں جناب عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی بھی شریک ہوئے، وزیر اعلیٰ بہار جگن ناتھ مشرا اور شہر کے دوسرے مقررین پہونچے، اور حضرت امیر شریعت نے اس کی بنیاد رکھی۔ اس اجلاس میں حاضرین سے قاضی صاحب نے اپنے خاص انداز میں خطاب کیا، اس کے بعد حضرت امیر شریعت نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ کمرے کی تعمیر کا بار اٹھا لیجئے تو دس منٹ میں ۵؍لاکھ ۴۰ ہزار کی پیشکش آگئی جس نے اسٹیج پر بیٹھے وزراء اور پٹنہ کے دانشوروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس وقت لوگوں نے امارت کے اثر کو جانا، اس کے بعد اس رقم کی وصولی کے لئے وفود کی تشکیل اور دوروں کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت قاضی صاحب کے کارناموں کو نمایاں طور پر لکھا جاسکتا ہے، انھوں نے دسمبر سے مارچ تک وفود کے دوروں کا نقشہ بنایا اور پورے جنوب و مشرق کا دورہ کیا اس میں قاضی صاحب پر جو جوش کا غلبہ تھا اور دیہاتیوں کے سامنے جو تقریر کرتے تھے اور نقشہ کار جس طرح دکھلاتے تھے یہ انھیں کا حصہ تھا، پوری بات لوگوں کو سمجھ میں آجاتی تھی اور اس کے زیر اثر دیہات کے بچے اور عورتیں بھی تعمیر میں چندہ دینے سے گریز نہیں کرتی تھیں اس طرح وہ رقم چند ماہ میں حاصل ہوگئی۔

پھر اس کے بعد مئی ۱۹۸۲ء سے کام شروع ہوا اور الحمدللہ دارالامارۃ ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوگیا، اور قدیم مکان سے منتقل ہوا اور پھر نومبر میں بڑے عظیم الشان پیمانے پر اس جدید عمارت کا افتتاح ہوا اس

میں قاضی صاحب نے معرکۃ الآراء تقریر جس جوش وخروش کے عالم میں کی اور امارت کے مستقبل کے خاکوں کو جس انداز میں پیش کیا، وہ انھیں کا حصہ تھا، اس کے بعد حضرت امیر شریعت رابع کے مشورہ سے اسپتال کی پہلی منزل کا کام شروع ہوا، اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد ۲۰ ر نومبر ۱۹۸۸ء میں افتتاح ہوا اس اسپتال کی تعمیر میں بھی جناب حاجی واجد علی صاحب جو حضرت قاضی صاحب سے بے حد متاثر تھے ان کا گرانقدر عطیہ بھی ان کی کوششوں سے حاصل ہوا۔ اس کے بعد اسپتال کی دوسری منزل کی تعمیر حضرت امیر شریعت رابع کے وصال کے بعد وزیر اعلیٰ بہار لالو پرشاد یادو کے ہاتھوں ہوئی۔ میٹرنیٹی کا شعبہ قائم کیا گیا، پھر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد بھی رکھی گئی، اور اس کی تعمیر بھی ہوئی، اس کا افتتاح بھی بڑے شاندار طریقہ پر ہوا، دارالامارۃ کی دوسری منزل بھی قاضی صاحب کی کوششوں اور تحریک سے تکمیل تک پہونچی، امیر شریعت رابع کے زمانہ میں ہی اس کا بھی افتتاح ہوا، طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ قاضی صاحب کے مشورہ سے منصوبہ تیار ہوتا اور سب لوگ اس کی تکمیل میں لگ جاتے، اس طرح اسپتال کی تیسری منزل، الٹرا ساؤنڈ (روم) وغیرہ کی تعمیر ہوگئی۔ پھر آہستہ آہستہ المعہد العالی کی عالی شان عمارت اور قاضی مسجد کی تعمیر بھی عمل میں آئی، قاضی صاحب کا ذہن تعمیری تھا اور برابر کوئی نہ کوئی تعمیری منصوبہ ان کے ذہن میں رہتا۔ پورنیہ اور دربھنگہ میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان کی زندگی میں امارت شرعیہ میں بڑے پیمانے پر جلسے ہوئے، سیمینار ہوئے۔ بہار کے دوسرے شہروں میں بھی کانفرنسیں منعقد ہوئیں ان میں وہ برابر شریک رہتے۔

اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام، ممبئی کنونشن اور پھر اس کے تمام جلسوں میں ان کا بہت اہم رول رہا۔ ان جلسوں میں ان کی معرکۃ الآرا تقریروں کا چرچا بہت دنوں تک جاری رہتا تھا۔ وہ مسئلہ امارت، مسلم پرسنل لا بورڈ اور حقوق انسانی کے بہترین وکیل تھے، اپنی بات مؤثر طور پر دلائل کے ساتھ کہتے اور مخاطب کو مطمئن کر دینا ان کی خاص خوبی تھی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر ہونے سے پہلے تقریباً ۲۷ ر سال تک بغیر کسی عہدہ کے کام کیا، ہم لوگ۔ ان کے ساتھ کام کرتے تھے۔

۵/ سال پہلے بیمار ہوئے جانچ کے بعد مہلک مرض ثابت ہوا، مگر پھر اللہ نے ایک حد تک شفایاب کیا اور ملک و بیرون ملک کا سفر بھی کرتے رہے۔ اسی درمیان حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

جو بورڈ کے صدر تھے ان کا وصال ہوگیا تو آپ کو ۲۳/ اپریل ۲۰۰۲ء میں ارکان بورڈ نے اتفاق رائے سے بورڈ کا صدر منتخب کیا اور آپ نے بورڈ کے استحکام کے لئے ہر جہت سے جدو جہد کی، بنگلور کا سفر کیا، بنگلور میں بورڈ کا کامیاب اجلاس ہوا، اس کے بعد طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی، مگر ان کا علمی سفر جاری رہا، اسی درمیان ''مجموعہ قوانین'' اسلامی کو نظر ثانی کے بعد طبع کرایا۔ طبیعت دن بدن خراب ہونے لگی دوا وعلاج جاری تھا کہ وقت موعود آپہونچا اور وہ ۴/ اپریل ۲۰۰۲ء کو اللہ کے پیارے ہوگئے۔ فرحمة الله رحمة واسعة. افسوس کہ ہم ایک ۶۷ سالہ رفیق اور ملت اسلامیہ کے سالار سے محروم ہوگئے، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔

❖❖❖❖❖

ذمہ داران مدارس متوجہ ہوں

مدارس اسلامیہ کے خلاف حکومت کے موجودہ خطرناک رویے اور ریشہ دوانیوں کے پیش نظر کل جماعتی کمیٹی برائے رابطہ مدارس تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند (جس کو تقریباً تمام جماعتوں اور تنظیموں کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے) نے، اسے مصلحت وقت کا تقاضہ سمجھتے ہوئے علماء، قانون دانوں اور دانشوروں کے مشورے سے مہتممین و منتظمین مدارس کے لئے کچھ ضروری معروضات وسفارشات تیار کی ہیں۔ مدارس کے قیام اور ان کے انتظام و انصرام کے دوران ان معروضات وسفارشات کا خیال رکھنا مدارس اور ان کے منتظمین کے لئے از حد مفید اور ضروری ہے۔

معروضات وسفارشات تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے دفتر میں مطبوعہ صورت میں موجود ہیں اور ڈاک وغیرہ کے اخراجات کے لئے مبلغ دس روپے ارسال کر کے طلب کی جاسکتی ہیں۔

کنوینر

کل جماعتی کمیٹی برائے رابطہ مدارس

مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی

کچھ یادیں۔ کچھ باتیں

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ ایک باکمال پہلودار علمی شخصیت کے مالک تھے۔ ان جیسے عبقری صفت علماء دور حاضر میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ علوم شریعت میں جامعیت، جو ہمارے اکابر علماء کا طرۂ امتیاز رہا ہے، اس میں نمایاں نظر آنے کے ساتھ ہی فقہ اسلامی پر کامل دست گاہ ان کا خصوصی امتیاز تھا۔ یہی ان کا میدان تخصص تھا۔ اور زندگی کے بیشتر حصہ میں یہی علم ان کی اصل سرگرمیوں کا مرکز ومحور بنا رہا۔

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ (پھلواری شریف پٹنہ، بہار) سے اپنی طویل وابستگی کے دوران بحیثیت قاضی اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے نتیجہ میں ان کے فقہی ذوق کو نکھار، اور علم میں رسوخ حاصل ہوا۔ وہ فتوی نویسی میں ید طولی رکھنے والے مفتی بھی تھے لیکن ان کے فرض منصبی کی جو خاص نوعیت تھی، اس کے باعث جو وصف ان کے علم وعمل کی صحیح معنی میں عکاسی کرتا ہے وہ ''قاضی شریعت'' ہی ہے، جو بجا طور پر ان کے نام کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔

وہ بحیثیت مفتی و قاضی مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کے شرعی حل کے ماہر ہونے کے ساتھ تحقیق وتصنیف، خطابت اور تدریس میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے۔ ان کی بہت سی کتابیں ان کے علم کی گہرائی اور ذوق تحقیق کی منہ بولتی شہادت ہیں۔ علم وتحقیق کے میدان میں سرگرم رہنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے افراد سازی پر بھی خاص توجہ دی۔ فقہ وفتاوی اور قضا کے میدان میں نئی نسل کے بہت سے علماء کو وہ اپنے فیض تربیت سے آراستہ کر گئے۔ امارت شرعیہ کے المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کو بھی انہوں نے اس کام کا ذریعہ بنایا۔ نئے حالات وجدید مسائل سے آگہی اور عصری تقاضوں کا صحیح ادراک حضرت قاضی صاحب کا

ایک ایسا امتیاز تھا جس میں معاصرین میں سے بادی النظر میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا۔ اپنے اس امتیاز کو انہوں نے اپنے تربیت یافتہ علماء میں بھی منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ مرحوم کے لگائے ہوئے یہ پودے شجر ہائے سایہ دار ثابت ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو عصری تقاضوں کے مطابق اپنے دین کی خدمت کی توفیق سے نوازے گا۔

تصنیف و تالیف اور علم و تحقیق کے لئے مکمل یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن حضرت قاضی صاحب کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ وہ اپنے علم و تحقیق کے کام کو برابر جاری رکھتے تھے، ان کی عوامی مصروفیات اس میں حارج نہیں ہوتی تھیں۔ ان کی یہ مصروفیات اس وقت بھی تھیں جب وہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں مقیم تھے، اور پچھلے دس بارہ سال کے دوران نائب امیر شریعت، فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل اور دور آخر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر کی حیثیت میں ملی خدمات کے سلسلہ میں ان کی عوامی مصروفیات میں بے پناہ اضافہ ہوگیا تھا۔ ان کی مستقل علالت اور گرتی ہوئی صحت اس پر مستزاد تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود آخر وقت تک قلم وقرطاس ان کے ساتھ لازم وملزوم کی طرح رہے، اور وہ مطالعہ و تحقیق کے کام میں برابر لگے رہے۔

حضرت قاضی صاحب کی علمی و تحقیقی اور ملی خدمات کا احاطہ تو کجا ان پر سرسری روشنی ڈالنا بھی ایک مشکل کام ہے۔ مرحوم کی شخصیت سے متعلق اپنے ان جملوں کے بعد یہاں پر یہ بتانا اپنے لئے باعث شرف سمجھتا ہوں کہ موصوف سے احقر کا تعلق بہت قدیم ہے۔ اور اس تعلق کی دو اہم کڑیاں ہیں۔ تاریخی ترتیب کے اعتبار سے اس سلسلہ کی پہلی کڑی برادر محترم مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ اور دوسری کڑی امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت قاضی صاحبؒ ۱۹۵۱ء ــــ ۱۹۵۵ء کے دوران دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے جبکہ میرے برادر مرحوم کا سن فراغت ۱۹۵۳ء ہے۔ زمانہ تعلیم کی یہ زمالت و رفاقت دارالعلوم دیوبند کے ان دونوں ہونہار فرزندوں کے درمیان مضبوط رشتہ کی شکل میں باقی رہی، دونوں ایک دوسرے کے قدرداں اور صلاحیتوں کے معترف تھے۔ ترجمان دارلعلوم کے مولانا وحید الزماں کیرانویؒ نمبر (۱۹۹۴ء) میں حضرت قاضی صاحب مرحوم نے اپنے مادر علمی کے رفیق کے بارے میں جن خیالات

واحساسات کا اظہار کیا ہے وہ ان دونوں صاحبین کے درمیان تعلق اور اخلاص ومودت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اس طرح اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت قاضی صاحب سے میرا رشتہ نصف صدی قبل ہی قائم ہوگیا تھا، وہ میرے بڑے بھائی کی طرح تھے، وہ عمر میں اپنے رفیق سے چھ سال چھوٹے اور مجھ سے چار سال بڑے تھے، لیکن پہلی بار ان سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ غالباً ۱۹۶۴ء میں دیوبند کے ایک سفر کے دوران اپنے دوست مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ سے ملنے کے لئے ان کے کمرہ پر تشریف لائے۔ میں نے ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ شعبہ تبلیغ میں کام کیا تھا اور ان دنوں دارالعلوم کے تحت قرآن سے متعلق تفسیر وتحقیق اور اکابر دیوبند کی منتخب کتابوں کے عربی ترجمہ کے لئے قائم کئے گئے ادارہ ''اکیڈمی قرآن عظیم'' سے وابستہ تھا اور معوذتین سے متعلق اسرار ورموز کی تفسیر پر مشتمل (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ کے) ایک رسالہ کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کررہا تھا۔

میں نے اپریل ۱۹۶۵ء میں جمعیۃ علماء ہند میں اس کے شعبہ عربی امور کے ذمہ دار کی حیثیت سے کام شروع کیا اور جولائی ۱۹۶۷ء میں جب میں وہاں سے مستعفی ہوا تو جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کو ختم ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ یہ مسئلہ اخبارات کا موضوع بھی بنا ہوا تھا اور مسلمانوں اور برادران وطن کے سیکولر اور انصاف پسند عناصر کی طرف سے فلسطینیوں اور عربوں کی حمایت میں جلسے ہورہے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک عظیم اجلاس حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی ہدایت پر پٹنہ میں منعقد کیا گیا تھا اس اجلاس میں دہلی سے کچھ عرب سفراء بھی شرکت کے لئے گئے تھے، اس کے بعد حضرت امیر شریعت کی جب دہلی میں بعض عرب سفراء سے ملاقاتیں ہوئیں تو میں بھی بحیثیت ترجمان ساتھ رہا، انہوں نے ملاقات کے دوران جس تپاک وگرم جوشی کا اظہار کیا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس عظیم اجلاس میں شرکت کرنے والے عرب سفراء خود تو متاثر تھے ہی انہوں نے دوسرے عرب سفراء سے بھی اپنے تاثرات کا کچھ اس طرح اظہار کیا تھا کہ ان کے دل بھی حضرت امیر کے لئے احترام وممنونیت سے معمور نظر آتے تھے۔ اسی دوران حضرت امیر شریعت نے اس احقر کو اپنے حسن سلوک اور خرد نوازی سے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ یہ قدرشناسی اور حوصلہ افزائی ہی تھی کہ حضرت نے یہ تجویز رکھی کہ میں یا تو جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریس کی خدمت

اختیار کرلوں یا پھر دہلی میں رہتے ہوئے ہی جامعہ کے نمائندے کی حیثیت سے عربی زبان میں متعلقہ کاموں کی ذمہ داری انجام دوں۔ حضرت مولانا قاضی سجاد حسین مرحوم صدر مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری (جہاں میں نے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں) کے مشورہ سے میں نے دوسری صورت کو ترجیح دی اور اس طرح حضرت امیر شریعت کے ساتھ باضابطہ طور پر وابستگی کی ایک شکل بن گئی۔ اسی دوران حضرت امیر شریعت کی بارہا دہلی تشریف آوری ہوئی، قیام اکثر ناز ہوٹل (جامع مسجد) میں ہوتا۔ ایک بار مسجد فتحپوری کے صدر دروازہ پر واقع کمرہ (احقر کی اس وقت کی رہائش گاہ) پر بھی قیام فرمایا۔

کئی بار حضرت امیر شریعت کے سفر دہلی کے دوران رفقاء سفر میں مولانا مجاہدالاسلام قاسمی بھی شامل رہے۔ جس کے نتیجہ میں مکمل تعارف ایک دوسرے کو سمجھنے اور مجھے ان سے قربت کا موقع ملا۔ اسی وجہ سے میں نے حضرت امیر شریعت رابع کو ان سے تعلق کی دوسری اہم کڑی سے تعبیر کیا ہے۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کی عمر ان دنوں ۳۱ ــــــ ۳۲ سال کی رہی ہوگی حالانکہ وہ امارت شرعیہ میں قاضی شریعت کے عہدہ پر فائز ہوگئے تھے لیکن پھر بھی اس وقت وہ اس حیثیت و مقام سے بہت دور تھے جو اللہ نے ان کو آخری سالوں میں عطا فرمایا تھا۔ دوسری طرف احقر کی صلاحیت سے متعلق خوش فہمیوں بلکہ غلط فہمیوں کا پس منظر یہ تھا کہ میں مولانا وحید الزماں کیرانوی کا برادر خرد تھا اور زمانۂ طالب علمی کے دوران ہی میں نے طلبہ کی طرف سے مطبوعہ شکل میں پہلا عربی جریدہ ''الیقظہ'' کے نام سے نکالا تھا۔ فراغت کے فوراً بعد دارالعلوم کے ''شعبۂ تبلیغ'' اور ''اکیڈمی قرآن عظیم'' میں خدمت اور جمعیۃ علماء ہند میں کام کرنے کا موقع مل چکا تھا اور پھر حضرت امیر شریعت کی ذرہ نوازیوں اور ان کے حسن معاملہ نے احقر کی حیثیت کو ان کے بعض خردوں سمیت کچھ لوگوں کی نظر میں خاصا اہم بنا دیا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے درمیان جس طرح کے تعلق کا آغاز ہوا وہ نیاز مندی کا نہیں بلکہ (فرق مراتب کے ساتھ) بے تکلفی اور عمر کے کم فرق والے چھوٹے بڑے بھائیوں جیسا مساویانہ انداز کا تھا۔ ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہوا کہ جب میں قیام گاہ پر پہنچا تو مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کو وہاں پایا اور معلوم ہوا کہ حضرت امیر شریعت کسی سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں یا وہ استراحت فرما رہے ہیں ایسی صورت میں ہماری دوسرے رفقاء کے ساتھ الگ نشست ہوتی اور بے تکلفی کے ماحول میں مختلف

امور پر تبصرہ اور تبادلہ خیال ہوتا۔

اس مضمون میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے قدرے تفصیل سے ذکر کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ انہی کے توسط سے احقر کو مولانا مجاہد الاسلام قاسمی سے صحیح معنی میں تعارف و تقارب کا موقع ملا اس کے علاوہ دوسری وجہ میرا یہ احساس ہے کہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کے عروج و ترقی درجات کا کوئی بھی تذکرہ اگر حضرت امیر شریعت کے ذکر سے خالی ہو اور اس کی وجہ ناواقفیت نہ ہو تو اس کو تجاہل عارفانہ اور صحیح معنی میں احسان ناشناسی کے علاوہ کوئی اور عنوان نہیں دیا جا سکتا۔

کسی انسان کی ترقی و عروج کے لئے عام طور پر ضروری ہوتا ہے کہ خود اس کے اندر ضروری صلاحیت ہو، قسمت ساتھ دے حالات سازگار ہوں اور مواقع ملیں۔ مواقع کی فراہمی میں کسی قدر شناس اور محسن شخصیت کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اس کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک شکل یہ ہے کہ کوئی بڑا اپنے کسی خرد کی صلاحیت کا اندازہ لگا کر کسی اہم کام پر لگا دے۔ زندگی کے اس موڑ پر کچھ لوگ تو ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جن کو اپنی طبعی انکساری کے باعث اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ ہی نہیں ہوتا، وہ اپنے بڑوں کے فیصلوں پر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں لیکن جب تعمیل حکم کے لئے محنت سے کام میں لگ جاتے ہیں تو خود اپنی صلاحیت کا انکشاف ہوتا ہے اور بڑوں کی نگاہ جوہر شناس کی داد دینی پڑتی ہے۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے ایسے ہی محسن اور مربی تھے۔ انہوں نے مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کو ان کی فطری صلاحیت و استعداد کے مطابق مناسب کام پر لگایا۔ (اللہ تعالیٰ دونوں کو جنت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ عطا فرمائے)

عزت و شہرت کے بعض مناصب ایسے بھی ہیں جہاں پہنچنے کے لیے مواقع کی فراہمی حالات کی سازگاری اور قسمت کی یاوری کے ساتھ معمولی صلاحیت سے بھی کام چل جاتا ہے لیکن حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ جس بلند علمی مقام پر پہنچے تھے اس تک پہنچنا غیر معمولی صلاحیت کے بغیر ممکن نہیں، علم و آگہی کی یہ وہ مسند بلند و بالا تھی جس تک اگر کوئی کم صلاحیت والا حالات کی ستم ظریفی سے پہنچ بھی جائے تو اس پر برقرار رہنا ممکن نہیں۔ بلاشبہ اللہ نے ان کو بلا کی ذکاوت، علم کی گہرائی و گیرائی اور فراست مومنانہ کی نعمتوں سے نوازا تھا جن کی بنا پر انہوں نے اپنے فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ سے اس وابستگی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی عرب لیگ کے نئی دہلی مشن میں مجھے سروس مل گئی تھی، اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک میں حضرت امیر شریعت کے مفوضہ کام انجام دیتا رہا لیکن بعد میں کچھ میرے بڑھتے ہوئے مشاغل وغیرہ کے باعث وابستگی کی یہ رسمی نوعیت زیادہ طویل عرصہ تک باقی نہ رہ سکی۔ دارالعلوم میں پیش آمدہ ناخوشگوار واقعات سمیت کچھ ایسی صورت حال بنی کہ حضرت امیر شریعت کی دہلی میں آمد کی یا تو اطلاع ہی نہ ہوتی اور اگر ہوتی تو کبھی حجاب وتکلف اور کبھی عدیم الفرصتی شرف نیاز حاصل کرنے میں حارج ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود نہ تو میرے دل میں کبھی حضرت امیر کے لئے جذبۂ احترام میں کمی آئی اور نہ ہی میرے لئے ان کے حسن سلوک میں چنانچہ، جب کبھی کسی اجلاس یا کانفرنس وغیرہ کے موقع پر اتفاق سے ملاقات ہوتی تو وہ اقدااماً اس طرح گرم جوشی سے معانقہ فرماتے کہ میں اپنی کوتاہی پر شرمندگی اور ان کے مشفقانہ اخلاق سے اپنے دل میں اُمڈتے ہوئے جذبۂ احترام وانسیت کی ملی جلی عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا اور پہلے کی طرح بے تکلف گفتگو کے لیے ضروری ہمت مجتمع نہ کر پاتا۔ بہر حال مختلف ظروف واحوال کے نتیجہ میں جو غیر ضروری دوری سی پیدا ہوگئی تھی، جس کی ذمہ داری کافی حد تک مجھ پر یا ملاقاتوں سے گریز کی میری افتادِ طبع پر ہی تھی، اس کا نقصان یہ بھی ہوا کہ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی سے ملاقاتوں کے جو مواقع میسر آتے تھے وہ ختم ہوگئے۔ اس طرح مولانا موصوف اور برادر محترم کے درمیان زمانۂ تعلیم کی رفاقت پر مبنی جس قدیم رشتۂ اخوت کی تجدید ہوئی تھی اس کی آبیاری کا عمل شروع ہی میں رک گیا اور یہ قدیم رشتہ دوبارہ یخ بستگی کا شکار ہوگیا۔

دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کا کوئی مشترکہ پلیٹ فارم ہو، اس کی ضرورت بار بار محسوس ہی نہیں کی گئی، بلکہ اس جہت میں کچھ ٹھوس قدم بھی اٹھائے گئے اور تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل بھی عمل میں آئی، لیکن مختلف اسباب وجوہ کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کا سلسلۂ عمل ایک عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور اس کی ضرورت کا احساس پھر کیا جانے لگا۔

۱۹۹۰ء میں کچھ ایسی صورت حال بنی کہ اس ضرورت کے احساس میں شدت آگئی، اور دارالعلوم دیوبند کے کچھ مخلص فضلاء نے جن میں نئی نسل کے علماء کے علاوہ معمر حضرات بھی شامل تھے

اس بابت مشورے کئے اسی سلسلہ کی ایک میٹنگ بٹلا ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی کے ایک مکان میں ہوئی، جس میں صاحب مکان نے خاص طور پر حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو مدعو کیا۔ میں بھی اس میٹنگ میں شریک تھا۔ مولانا سے میری ملاقات بہت طویل عرصہ کے بعد ہوئی تھی۔ ان کے اندر بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ مختلف امراض کے نتیجہ میں ان کی صحت کافی گرچکی تھی لیکن علمی طور پر ان کی سطح بہت بلند ہوچکی تھی۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے اخلاق کریمانہ نے جس توقع کا عادی بنادیا تھا اس کے پیش نظر مجھے ان کے انداز ملاقات میں زیادہ گرم جوشی کا احساس تو نہیں ہوا (جس کے شاید وہ بہت عادی بھی نہیں تھے) لیکن اس محفل میں کئی باران کا روئے سخن احقر کی طرف ضرور ہوا، جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے رفیق مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے ساتھ ناانصافی اور دارالعلوم دیوبند (جس کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا اور بہت کچھ کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے اپنا سب کچھ حتی کہ صحت تک قربان کردی تھی) سے جبری سبکدوشی کا تکلیف دہ واقعہ بالکل تازہ تھا۔

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے قیام کی بات چلی، مولانا نے اس کی تائید فرمائی۔ میں اس میٹنگ کے داعیان یا محرکین میں سے نہیں تھا، بلکہ شرکت کرنے والوں میں سے ایک تھا، اس لیے گفتگو میں زیادہ حصہ نہیں لے رہا تھا۔ شرکاء میں سے کسی نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ اس کی صدارت قبول فرمالیں۔ مولانا نے معذرت فرمائی تو درخواست کی گئی کہ وہ اس کی سرپرستی ہی قبول فرمالیں، اس پر موصوف نے تھوڑے توقف کے ساتھ فرمایا کہ اگر چند سرپرست بنائے جائیں اور ان میں سے میرا بھی ایک نام ہوتو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مولانا مرحوم نے تنظیم کے اغراض ومقاصد اور اس کے قیام کی ضرورت پر مکمل شرح صدر کے ساتھ اتفاق کا اظہار ہی نہیں فرمایا بلکہ پورے طور پر اس کی تائید وحمایت کا یقین بھی دلایا، جس پر وہ قائم بھی رہے، لیکن صدارت یا دوسرے کسی عہدہ کے قبول کرنے سے معذرت کے ضمن میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ فقہ ان کا خاص میدان علم وعمل رہا ہے، اور اس سلسلہ میں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، جس کے لئے ان کے ذہن میں مختلف منصوبے ہیں اور اس سلسلہ کا کچھ کام شروع بھی ہوچکا ہے انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ کام اپنے ذوق اور طویل تجربہ کی بنیاد پر میں جس خوبی سے بتوفیق الٰہی انجام دے سکتا ہوں، اوروں کے لیے شاید وہ بہ آسانی ممکن نہ ہو جبکہ ہماری مجوزہ

تنظیم کی قیادت کے لیے موزوں حضرات اور بھی ہیں۔

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا برملا اظہار غیر مناسب ہوتا ہے میرے خیال میں مولانا کے اس سلسلہ میں تامل و ''تحفظ'' (Reseravtion) کا جہاں ایک سبب یہ سوال رہا ہوگا کہ جب فضلاء دارالعلوم کی تنظیم سے متعلق ماضی میں بڑی بڑی مسلمہ شخصیات واکابر کی کوششوں کے ثمرات بہت زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئے تو ان اصاغر کی کوششوں کے ثمرات کو کتنا ثبات و دوام حاصل ہوگا؟ وہیں اس کی ایک وجہ، بلکہ اہم ترین وجہ یہ بھی رہی ہوگی کہ میٹنگ کے شرکاء میں ایک بڑی تعداد ان فضلاء دیوبند کی تھی جو مولانا وحید الزماں صاحبؒ کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی سے سخت بےچینی و کرب میں مبتلا تھے، اور تنظیم کے قیام کے بعد دارالعلوم کی انتظامیہ یا اس پر کنٹرول کرنے والی طاقت اور اصحاب تنظیم کے درمیان ''جدل ومشاجرہ'' کے امکانات موجود تھے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی جس علمی منصوبہ پر کام کر رہے تھے اور آئندہ کے ان کے جو عزائم تھے اس کے لیے یہ امکانات واحتمالات خطرناک تھے۔ اس لیے انہوں نے بروقت جو فیصلہ کیا وہ بڑا متوازن اور دانشمندانہ تھا۔ ہندوستان میں خاص طور پر ہمارے ملی ودینی حلقوں میں اگر کوئی شخص تعمیری قسم کا کوئی علمی ودینی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یکسوئی تو ضروری ہے ہی جو اسی کے ساتھ انتہائی احتیاط سے بری نظروں سے بچتے ہوئے چلنا بھی ضروری ہے۔ پھر اگر اس کام کے نتیجہ میں کام کرنے والے کی شخصیت کے ابھرنے اور دینی حلقوں کی طرف سے اس کو بنظر استحسان وستائش دیکھے جانے کا امکان بھی ہو تو ایک ''طاقتور خیمے'' کے تیوروں کا خیال رکھنا اور اس کی غیر ضروری طور پر مخالفت مول لینے سے بچنا بھی ضروری ہے۔

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ عثمانی کا ایک حکیمانہ جملہ یاد آتا ہے کہ حق کا اظہار اسی وقت اچھا ہوتا ہے جب اس کی ضرورت ہو ہر حق بات کا موقع بے موقع اظہار بسا اوقات حماقت ہوتی ہے۔ جو لوگ کوئی اہم دینی وملی کام کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں اگر وہ حق کے سلسلہ میں سینہ سپر ہو کر مظلوم کو انصاف نہیں دلا سکتے۔ اگر وہ ایک ایسے معاشرے میں رہ رہے ہیں جہاں حق گوئی معدوم ہوتی جا رہی ہو جہاں ارادت وعقیدت کے دبیز پردوں میں چھپ کر عقلیں مفلوج ہوگئی ہوں، جہاں چھوٹی چھوٹی مصلحتوں نے ضمیروں کو مردہ کر دیا ہو، جہاں اسلاف کے نام بھاری بھرکم القاب و

آداب کے ساتھ تو لیے جاتے ہوں، لیکن تقوی، اخلاص، ایثار اور جرأت و بیبا کی کے نمونوں سے بھری ان کی زندگیوں کو فراموش کر دیا گیا ہو، وہاں اگر کسی ذاتی مفاد کے تحفظ کے لئے نہیں بلکہ ایک نافع کام کے لیے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے بلکہ اسے حکمت و دانائی ہی کہا جائے گا۔ البتہ جو لوگ اپنی ذاتی مصلحتوں کی وجہ سے انتہائی پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں اور اللہ کے بجائے مادی طور پر اس کے کچھ طاقتور بندوں کے ڈر سے حق کی تائید وحمایت سے ہمیشہ گریزاں رہتے ہیں ان کا یہ عمل حکمت عملی نہیں بلکہ بزدلی کا نتیجہ ہوتا ہے حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے جو روش اختیار کی اس میں انہوں نے دین وملت کے وسیع تر مفاد میں انتہائی احتیاط اور حکمت عملی بلکہ فراست مؤمنانہ سے کام لیا اور وہ اللہ کے فضل سے کامیاب وکامراں رہے۔

جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں حضرت مولانا نے قیام تنظیم کے وقت مشورہ کے دوران اپنی تائید وحمایت کا یقین دلایا تھا اور وہ اس پر کاربند بھی رہے، چنانچہ تنظیم کی تشکیل عمل میں آنے کے بعد جب اس کے کارگزار جنرل سکریٹری مولانا مزمل الحق الحسینی صدر تنظیم حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی دامت برکاتہم کا خط لے کر مولانا کی خدمت، میں دہلی میں ان کی قیام گاہ پر پہنچے جہاں وہ اس وقت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے ساتھ مقیم تھے، اور یہ خط پیش کرتے ہوئے ان سے عرض کیا کہ ان کو تنظیم کی مجلس عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا ہے، تو انہوں نے اس کو اپنے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے بہی خواہ فضلاء کی تنظیم کی رکنیت تو بڑی چیز ہے اگر دارالعلوم میں جھاڑو لگانے کی خدمت بھی تفویض کی جائے تو اس کو بھی اپنے لیے باعث سعادت سمجھوں گا۔ بلاشبہ ان کو دارالعلوم سے بے پناہ تعلق تھا ان کے یہ جملے اپنے مادر علمی سے ان کی شیفتگی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں۔

ایک مرتبہ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں شرکت کے بعد مولانا نے کافی دیر تک دفتر میں قیام فرمایا، مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے۔ طبیعت بہت ہشاش بشاش تھی۔ حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی صدر تنظیم اور مولانا صدرالدین انصاری نائب صدر مرکزی جمعیۃ علماء ہند سے اپنا کلام سنانے کی فرمائش کی اور اس طرح علم وفکر اور شعر وادب کی یہ محفل رات دیر گئے تک جمی رہی۔

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ''الامام محمد قاسم نانوتوی سیمینار'' کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت قاضی صاحب کی طرف سے مفید مشورے اس میں برابر شامل رہے۔ اس سیمینار (منعقدہ ۲۰، ۲۱، ۲۲/مئی ۲۰۰۰ء، بمقام تالکٹورا اسٹیڈیم وکنونشن ہال جامعہ ہمدرد) کے افتتاحی اجلاس کی صدارت دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن، امیر شریعت، بہار واڑیسہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے فرمائی تھی اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اور حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری اس کے اہم مقررین میں سے تھے جبکہ پروگرام کے مطابق کلیدی خطبہ حضرت قاضی صاحبؒ کو دینا تھا لیکن بیرون ہند سفر کے دوران ایک مقام پر قیام کی مدت خلاف توقع طویل ہو جانے کی وجہ سے وہ اس میں شرکت نہ فرما سکے جس پر موصوف نے بارہا اپنے افسوس کا اظہار کیا۔

سیمینار کے سلسلہ میں جب تیاریاں آخری مراحل سے گزر رہی تھیں، ایک روز تنظیم کے وفد نے جس میں حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمی صدر تنظیم اور مولانا قاضی زین الساجدین جنرل سکریٹری کے علاوہ میں بھی موجود تھا، مختلف سرکردہ شخصیات سے ملاقاتیں کیں: جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر جناب سراج حسین صاحب سے ملاقات کے بعد ہم لوگ حضرت قاضی صاحب سے ملے۔ سیمینار کے افتتاحی اجلاس کی صدارت کے سلسلہ میں مولانا سے مشورہ کیا گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے علاوہ کچھ دوسرے نام جو آپ حضرات کے ذہن میں ہوں وہ بتائیں میں نے اس سلسلہ میں وفد کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت مولانا نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا نام لیا تو انہوں نے نہ صرف اس کی تائید کی بلکہ حضرت مولانا سے بات کرنے کے لیے اسی وقت فون ملانے کے لیے کہا لیکن مولانا مدظلہ اس وقت فون پر نہ مل سکے۔ البتہ میں نے مولانا کی مجوزہ صدارت کے سلسلہ میں وجوہ ترجیح بیان کرتے ہوئے جو بات کہی اس کے کسی نقطہ سے عدم اتفاق کرتے ہوئے جب وہ میری طرف مخاطب ہوئے تو مجھے ''میرے عزیز'' اور ''تم'' کے الفاظ سے خطاب کیا، یہ تخاطب اگرچہ میرے اس ''نفس'' کے لئے بالکل نامانوس تھا جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا عبدالوہاب آروی، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی رحمہم اللہ کے اکرام اصاغر کو ملحوظ رکھنے والے طرز تخاطب اور سعودی سفارت خانہ میں ملازمت کے دوران

متعدد سفراء کے غیر معمولی عزت واحترام کے طرزِ عمل کا عادی بن چکا تھا، مگر اس کو میں نے اسی برادرانہ رشتہ پر محمول کیا جس کی بنیاد میں صاحبین (حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی اور حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانوی رحمہما اللہ) کی رفاقت پر رکھتا ہوں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں فقہی سیمینار منعقدہ ۱۳ تا ۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء بمقام جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد میں شرکت کے لئے مجھے دعوت نامہ ملا میں نے اس میں شرکت کے لئے سفر کیا اور ایک شب کے علاوہ زیادہ تر میرا قیام مولانا اجتبا صاحب ندوی کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ ہی میں رہا۔ وہاں حضرت مولانا سید محمد رابع الحسنی ندوی کے علاوہ دوسرے متعدد ذمہ داران واساتذہ ندوہ کے اخلاق حسنہ سے بے حد متاثر ہوا۔

کٹولی میں جب حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا: ''میرے قریب رہیے گا!'' چونکہ افتتاحی اجلاس کا وقت قریب ہو رہا تھا اور اس میں کچھ عرب شخصیات موجود تھیں اس لئے مجھے اس غیر واضح جملہ میں خطرہ کی بو محسوس ہوئی۔ مجھے لگا کہ شاید وہ مجھ سے ترجمانی کا کام لیں گے جس سے میں بہت بیزار ہوں، اس حد تک کہ میں نے کئی سفیروں سے اپنی ملازمت خطرے میں ڈالکر اس کام سے معذرت کرلی تھی۔ مجھے اس کام سے اس لئے چڑ سی ہے کہ جتنے بڑے آدمی کی ترجمانی کرنا ہوتی ہے ترجمان کی اتنی ہی زیادہ بے قدری و بے وقعتی ہوتی ہے۔ میں نے محترم مولانا عتیق احمد بستوی صاحب سے قاضی صاحب کے اس جملہ کے حوالہ سے اپنی تشویش کا اظہار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ غالباً ان کے ذہن میں نظامت وغیرہ کا مسئلہ رہا ہوگا اور پھر بتایا کہ وہ پہلے ہی ان سے بتا چکے ہیں کہ میں اسٹیج وغیرہ سے ذرا دور ہی رہتا ہوں۔ ان کی یہ بات چونکہ بہت حد تک درست بھی تھی اور میرے لئے قدرے اطمینان بخش بھی اس لئے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن ترجمانی کی خدمت کے امکانی خطرہ کی طرف سے پھر بھی مکمل اطمینان نہیں ہوا تو میں حضرت قاضی صاحب کے پاس گیا، اوران کے مذکورہ جملہ کے جواب میں کہا کہ آپ کے ساتھ رہنا تو میرے لیے موجب سعادت ہوگا لیکن میں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں نے حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے بعد ترجمانی کا کام بند کردیا تھا اور یہ کام مجھ پر بہت شاق گزرتا ہے، اس پر انہوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ: آپ لوگ عربی میں کام کا طویل تجربہ رکھتے

ہیں، میں اس لیے آپ کو قریب رہنے کے لیے کہہ رہا تھا کہ اگر بروقت عربی میں کسی تجویز وغیرہ کی تصحیح کے سلسلہ میں ضرورت پیش آئے تو اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔''

کٹولی کے واقعہ کے بعد جس میں میں نے غیر ضروری طور پر صاف گوئی سے کام لیا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ان کو میرا یہ انداز ناگوار ہوا ہوگا اور آئندہ دنوں میں بجائے قربت کے دوری ہی بڑھے گی لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس۔ وہ ذہین طباع اور مزاج شناس تو تھے ہی ایسا لگا کہ شاید انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیت اور زندگی کے جھمیلوں کے باوجود کسی وقت میرے بارے میں کچھ سوچا اور ان کو میرے ساتھ حسب مزاج طرز عمل اختیار کرنے کے سلسلہ میں تنبہ ہوا۔ بہر حال یہ ان کی انتہائی عالی ظرفی تھی کہ اس کے بعد ان کا انداز بہتر سے بہتر ہوتا چلا گیا اور ان سے میرا تعلق خاطر بڑھنے لگا۔

اواخر اپریل ۲۰۰۱ء میں برادرم محترم مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی نئی ضخیم ڈکشنری ''القاموس الوحید'' (عربی اردو) کی رسم اجراء کا فیصلہ کیا گیا۔ کچھ لوگوں کی رائے ہوئی کہ یہ کام حضرت قاضی صاحب کے ہاتھوں سے انجام پائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ برادر خرد عزیزم فرید الزماں اور برادر زادے عزیزم بدرالزماں اور مولانا محمد مزمل الحق صاحب نے ان سے ملکر جیسے ہی عرض مدعا کیا، انہوں نے اپنی علالت کے باوجود نہ صرف اس درخواست کو انتہائی خندہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ قبول کیا بلکہ اس کو اتنی اہمیت دی کہ انہوں نے از خود ہی کٹولی کے سیمینار میں آئے ہوئے بعض عرب علماء کو بھی مدعو کر لیا۔ رسم اجراء کا پروگرام دیوبند میں ڈکشنری کے ناشر کتب خانہ حسینیہ کی طرف سے اتنی جلدی میں بنایا گیا تھا کہ بہت سے قریبی لوگوں کو بھی مدعو کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور میں نے تو اس کے نظم سے پورے طور پر اپنے آپ کو دور رکھا تھا تا کہ کسی کو شکوہ نہ ہو لیکن بر بنائے تعلق پھر بھی بہت سے مخلصین کو بجا طور پر شکوہ ہوا۔ قاضی صاحب سے عرض کیا گیا کہ پروگرام چونکہ محدود پیمانہ پر ہی رہے گا جو شاید عرب مہمانوں کے شایان شان بھی نہ ہو اس لئے بہتر ہوگا کہ ان کو مدعو نہ کیا جائے چنانچہ مرحوم نے کسی تدبیر سے ان کا پروگرام کینسل کرایا۔

حضرت قاضی صاحب کے لئے اس پروگرام میں شرکت کے لئے دوہری کشش تھی پہلی تو یہ کہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ان کو دارالعلوم دیوبند سے بے پناہ تعلق تھا وہاں حاضری کے لیے وہ کسی بھی موقع کو غنیمت جان کر کھونا نہیں چاہتے تھے، کاش وہ دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن بنائے

جاتے جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے۔ دوسری کشش یہ تھی کہ جس معجم کی رسم اجراء انجام دینی تھی اس کے مؤلف بھی ان کے محض رفیق ہی نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کا دیوانہ وار عاشق تھے۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ حضرت قاضی صاحب ہی کے ہاتھوں اس سے پہلے ''ترجمان دارالعلوم'' کے مولانا وحید الزماں کیرانوی نمبر کی رسم اجراء بھی ایوان غالب نئی دہلی میں انجام پائی تھی۔

حضرت قاضی صاحب نے قاموس کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے جہاں قاموس کی کچھ خوبیاں بیان کیں وہیں میرے تحریر کردہ طویل مقدمہ کو بھی سراہا اور اچانک ایک ایسی بات کہی کہ میں ہکا بکا رہ گیا۔ انہوں نے اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اس بات کے لئے مکلف کیا کہ میں اتنی ہی ضخامت کی ایک بڑی اردو عربی ڈکشنری تیار کروں تاکہ ''القاموس الجدید'' کی طرح ''القاموس الوحید'' کا بھی سیٹ بن سکے اور طالبان علم وادب کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع مل سکے۔ انہوں نے بھرے مجمع میں فرمایا کہ ان کے پاس بہت سی قوامیس موجود ہیں جن کو میں (راقم الحروف) جب چاہوں ان سے لے سکتا ہوں۔

یہ بات انہوں نے سرسری طور پر نہیں کہی تھی بلکہ وہ اس کا متابعہ کرتے رہے، وہ مسلسل براہ راست اور بالواسطہ طور پر مجھے اس کام کے لیے ابھارتے رہے اور آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے حتی کہ میں ایک بار ان سے اپولو ہسپتال میں ملنے گیا تب بھی انہوں نے مجھے اسی کام کی طرف توجہ دلائی۔ اب جب ان کے انداز میں وہ اپنائیت اور گرم جوشی پیدا ہوگئی تھی جس کی میں نے اپنی کچھ ملاقاتوں کے دوران کمی محسوس کی تھی تو ان کے مذکورہ مخلصانہ اصرار کی بنا پر میں ان سے ملنے سے کترانے لگا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ان سے اس وقت ملوں جب کام کا آغاز ہو جائے۔

وفات سے تقریباً دو ماہ قبل تنظیم کے دفتر میں کمیٹی برائے رابطہ مدارس دینیہ کی ایک میٹنگ ہوئی شرکائے میٹنگ کی رائے ہوئی کہ مدارس کے سلسلہ میں ایک بڑا کنونشن منعقد کیا جائے، اور اس کے لیے حضرت قاضی صاحب سے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ تعاون حاصل کیا جائے۔ چنانچہ تمام حضرات نے ایک وفد کی شکل میں حضرت قاضی صاحب سے ذاکر باغ میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ اس وفد کے شرکاء میں حضرت مولانا محمد افضال الحق قاسمی، حضرت مولانا عبداللہ مغیثی، حضرت مولانا احمد علی قاسمی، مولانا اسرار الحق قاسمی، مولانا عبدالوہاب

خلجی، مولانا فضیل احمد قاسمی، مولانا آس محمد گلزار قاسمی اور مولانا مزمل الحق وغیرہ شامل تھے۔ حضرت قاضی صاحب سے آمد کی غرض وغایت بتائی گئی۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے کنونشن کے انعقاد کی تجویز سے اتفاق کیا اور خود ہی فرمایا کہ یہ کنونشن تنظیم کی کمیٹی برائے رابطہ مدارس کے اشتراک سے ہوگا اور تنظیم کا دفتر ہی اس کی مجلس استقبالیہ کا دفتر رہے گا۔ چونکہ احقر (راقم الحروف) مذکورہ کمیٹی کا کنوینر ہے اس لئے فرمایا کہ ''آپ ہی اس کنونشن کے کنوینر رہیں گے''۔ میں نے معذرت چاہی جب وہ قبول نہیں ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ مولانا مزمل الحق صاحب کو اس کنونشن کا معاون کنوینر بنایا جانا ضروری ہے تو انہوں نے دوسرے شرکاء کے ساتھ اس سے بھی اتفاق فرمالیا ابھی ہم اس کی تیاری کا ذہنی خاکہ ہی بنارہے تھے۔ لیٹر ہیڈ وغیرہ چھپوانا تھا لیکن اس سے پہلے حضرت قاضی صاحب سے مشورہ ضروری تھا کہ موصوف ہسپتال میں ایڈمٹ ہوگئے اور بیماری کا سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ اس سلسلہ میں پھر کوئی بات ان سے کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بنیادی طور پر ایک ممتاز عالم دین اور بلند پایہ فقیہ تھے، لیکن ان کو دینی وفقہی امور میں بصیرت کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت بھی حاصل تھی وہ مسلم معاشرہ کی برائیوں اور خرابیوں سے واقف تھے مسلمانوں کے ملی مسائل کا پورا ادراک رکھتے تھے اور ملت کی خدمت کا بے پناہ کا جذبہ بھی۔ ان کی زندگی کے آخری دس گیارہ سال علمی وملی خدمات کے سلسلہ میں بیحد مصروفیت کے گزرے قاضی القضاۃ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، نائب امیر شریعت، آل انڈیا ملی کونسل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل کی حیثیت میں ذمہ داریوں کے ساتھ ان کی مصروفیت میں اسوقت اور بھی اضافہ ہوگیا جب وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ یہی زمانہ انکی شہرت وعزت کے بام عروج پر پہنچنے کا بھی ہے۔

بلاشبہ ان کی وفات پوری ملت اسلامیہ کے لئے نہ صرف ایک عظیم سانحہ بلکہ ناقابل تلافی نقصان ہے، ان کی وفات میرے لیے ذاتی طور پر اس لیے بھی عظیم خسارہ ہے کہ اگر موصوف چند سال بقید حیات رہتے تو شاید وہ مجھ سے اردو عربی جامع ڈکشنری تیار کراہی کے

چھوڑتے چونکہ بغیر کسی دباؤ کے میرے لئے عام حالات میں چھوٹا سا کام کرنا بھی مشکل ہوتا ہے،اس لئے کسی بڑے مخلص کے اصرار کی عدم موجودگی میں اتنا بڑا کام انجام دینا تقریبا ناممکن سا لگتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب کی حیات مستعار میں اگرابھی کچھ اورعرصہ کی مہلت ہوتی تو اس نازک دور میں جب ان کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی ملی قیادت کا کام تو حسب معمول انجام پاتا ہی ،اسی کے ساتھ میرے تئیں ان کے بدلے ہوئے انداز اورحسن سلوک سے آنے والے دنوں میں ان سے میری قربت میں بتدریج اضافہ اورایک قدیم رشتہ میں نئی جان پڑنے کے بعد چونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ استحکام کے آثارنمایاں ہوگئے تھے،اس لئے کیا عجب تھا کہ مجھ جیسے تہی دامن انسان کوبھی کسی چھوٹے موٹے علمی یا کسی غیر علمی نافع کام کی توفیق بہ مشیت خداوندی ہوجاتی۔

یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح خون کا رشتہ اٹوٹ اور ناقابل تنسیخ ہوتا ہے اسی طرح کسی شخصیت سے قدیم تعلق،رفاقت یاوابستگی کی بھی خوداپنی جگہ پرایک اہمیت ہوتی ہے۔مختلف ظروف و عوامل کے باعث بعض اوقات دوریاں بھی ہوتی ہیں،اور بسا اوقات اختلافات تک ہوجاتے ہیں، پھر بھی قدیم تعلق کی کسک دبی ہوئی چنگاری کی طرح باقی رہتی ہے اوراس کو سابقہ پوزیشن میں آنے کے لیے صرف ذراسی تحریک کی ضروت ہوتی ہے۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ سے میرے قدیم تعلق کی یہ بےہنگم سی داستان بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صبر جمیل کے ساتھ مرحوم کا بدل یانعم البدل عطافرمائے (وما ذلک علی اللہ بعزیز)۔

وتغمده بغفرانه وأسكنه فسيح جنانه وأمطر عليه شآبيب رحمته.

○○○○

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی: روشن فکر عالم وفقیہ

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ضلع دربھنگہ (بہار) کے ایک گاؤں جالہ میں ۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا عبدالاحد قاسمی بھی دارالعلوم کے فاضل تھے اور انہیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ مولانا عبدالاحد اپنے علاقے کے ممتاز عالم دین سمجھے جاتے تھے۔

مولانا مجاہد صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اسکے بعد مدرسہ اسلامیہ محمود العلوم (دملہ) پھر مدرسہ امدادیہ (دربھنگہ) اور مفتاح العلوم (مئوناتھ بھنجن) میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ۱۹۵۵ء میں بخاری شریف پڑھی اور دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کر کے فاضل دیوبند کی سند حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے عربی آنرز کا امتحان فرسٹ کلاس سے پاس کیا۔ اس کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں شعبۂ عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ اور ابتدائی کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث تک ہر فن کی کتابیں انہیں پڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۹۶۰ء میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قاضی مقرر ہوئے اور آخر دم تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ ۶۰ سال کے اس طویل تجربے میں ان کی فقہی صلاحیتیں خوب اچھی طرح نکھریں اور قاضی ہونے کی وجہ سے معاملات اور سماجی رجحانات اور لوگوں کے مختلف مسائل اور مشکلات کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

بڑا فرق ہوتا علمی اور عملی زندگی میں۔ علمی طور پر ایک بات کا سمجھنا سمجھانا ایک نظری بات ہے اور جب براہ راست واسطہ پڑتا ہے تو عملی زندگی کے مختلف گوشے سامنے آتے ہیں۔ اور درحقیقت اسی وقت فقہی بصیرت اور معاملات کو حل کرنے کی صلاحیت کا امتحان ہوتا ہے امام ابوحنیفہ

کی فقہی بصیرت میں ان کی عملی تجارتی زندگی کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے۔

ایک دفعہ قاضی صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ بہار میں جب تاڑی کا سیزن ہوتا ہے تو یہ تاڑی کا سیزن اپنے ساتھ طلاقوں کا موسم بھی لیکر آتا ہے اور بہار میں ''تھوک'' کے حساب سے طلاقیں ہوتی ہیں۔ اب اندازہ لگایئے کہ جب ان کے پاس طلاق کے بیشمار مقدمات آتے ہوں گے اور وہ دیکھتے ہوں گے کہ لوگوں کی کیا سماجی مشکلات ہیں تو بات اتنا کہنے سے ختم نہیں ہوتی کہ طلاق سکران (نشے کی طلاق) کا حکم بطور تنبیہ رکھا گیا ہے۔

اس مسئلے کولیکر قاضی صاحب پر بہت کچھ لے دے ہوئی ہے۔ رائے کا اختلاف اپنی جگہ ہے اس کا احترام کرنا چاہیے اور مخالف کی رائے کو بھی سننا چاہیے۔ اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں میں امام ابوحنیفہؒ بطور تنبیہ کے وقوع طلاق کے حق میں ہیں لیکن قاضی صاحبؒ کے سامنے اگر سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں طلاق کے ایسے معاملات آرہے ہیں اور صاف نظر آرہا ہے کہ یہ مسئلہ سماج کے ایک بڑے حصہ کو بکھیرنے کا سبب بن رہا ہے۔ جبکہ اس ملک میں نشہ کرنے والے کو شرعی سزا بھی نہیں دی جاسکتی۔ غریب علاقے کے جاہل مزدور ہیں نشہ کرتے ہیں، اور دھڑا دھڑ طلاقیں دیتے ہیں تو کیا صرف تنبیہ کی بات ان حالات میں کافی ہوسکتی ہے۔

یہ بدگمانی کی بات ہے کہ مجاہد صاحب اپنے بزرگوں کی ڈگر سے ہٹ کر دوسری طرف مائل ہو گئے تھے۔ کم سے کم میں اپنے پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے بزرگوں اور استادوں کا جتنا ادب واحترام وہ کرتے تھے ایسا میں نے کم ہی لوگوں میں دیکھا ہے۔ دوایک مرتبہ دارالسلام کے ایسے مضامین پر انہوں نے بڑی کھل کر تنقید کی اور اسکو بحث ونظر میں شائع کیا جس میں ذرا بھی کوئی بات احترام اورادب کے پہلو سے ہٹی ہوئی نظر آئی۔

بلکہ اسکو اگر یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ فکرونظر کی وسعت، اصول سے جزئیات کے استنباط کی صلاحیت اور حالات وواقعات پر نظر رکھتے ہوئے اس پر فقہی احکام کا انطباق۔ یہ خاص صلاحیت ان میں اپنے ان بہترین اساتذہ کی تعلیم اور تربیت کا نتیجہ تھا، جو اللہ نے ان کو میسر کی تھی۔

مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ اور مجاہد الاسلام قاسمی یہ کہتے اور لکھتے تھے کہ ہر وہ حالت جس میں زوجین میں موافقت کی صورت نہ رہے۔ اس میں نکاح فسخ کرنا جبکہ شوہر طلاق

کے لیے تیار نہ ہو بالکل درست ہے۔ جبکہ ہمارے عام فقہاء اس معاملے میں خاصے تنگ معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً عنین (قوت مردمی سے محروم شخص) کے بارے میں فقہاء کہتے کہ اگر وہ ایک بار بھی صحبت کرنے پر قادر ہو جائے تو پھر زوجہ کو تفریق کا حق نہیں ہے اور اسی طرح دوسری بعض صورتیں کہ جن میں بہت مشکل سے فسخ نکاح یا تفریق بین الزوجین کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن جو بات مولانا منت اللہ صاحب یا قاضی مجاہد صاحب نے اپنے فیصلوں میں کی اور ہر وہ صورت جس میں زوجین میں موافقت کی صورت نہ ہو اس میں تفریق کی اجازت دی۔ یہی بات میں نے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول اور میرے جدامجد مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (۱۲۷۵ھ ۱۳۴۷ھ) کے فتاویٰ میں پائی۔

کچھ اسی نوعیت کا معاملہ ایک مرتبہ میرے پاس آیا اور میں تلاش میں تھا کہ اپنے اکابر کے فتاویٰ میں اس طرح کی کوئی مثال سامنے آجائے تو اس سے بڑی تقویت حاصل ہو جائیگی۔

اچانک میری نظر فتاویٰ دارالعلوم کی جلد ہشتم کے صفحے ۲۴۰ پر پڑی۔ اس میں مالیر کوٹلہ سے متعلق ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال کرنے والے مالیر کوٹلہ کے سابق مفتی مولانا صدیق احمد ہیں معاملہ یہ ہے کہ زوجین میں عدم موافقت ہے اور دونوں میں مودت کی وہ صورت نہیں ہے جو اسلام میں نکاح کا اصل منشا اور مقصد ہے اسکا جواب مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے ان الفاظ میں دیا ہے:

> ''اگر مفتی کی رائے میں قرائن و حالات سے یہ راجح معلوم ہوتا ہو کہ بحالت موجود زوجین میں موافقت نہ ہوگی اور فسخ کا حکم نہ کرنا دیگر فتن کا باعث ہوگا جیسا کہ مظنون ہے اور دلیل عسیٰ ان تعجر عن المقام معه کا چسپاں ہونا زیادہ قریب الوقوع معلوم ہوتا ہے۔ تو قول امام ابو یوسف کو اختیار کرنا بھی مؤید بالروایات ہے (فتاوی دارالعلوم جلد: ۸ ص: ۲۴۰ بجواب سوال مکرر متعلقہ ۱۲۰۰ مندرجہ ص: ۲۳۸)''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مفتی صاحب کی نظر مقصد نکاح پر ہے اگر نکاح اپنے مقصد میں ناکام ہے تو اللہ کی حدود کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے نکاح کا توڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔

اس فتوے سے مجھے بڑی قوت ملی اور اس کے حوالے سے میں نے جواب لکھ کر دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی نظام الدینؒ کی تائید بھی حاصل کی اور معاملے کا فیصلہ کر دیا۔

یہی بات مولانا منت اللہ رحمانی صاحب اور قاضی مجاہد الاسلام میں مجھے نظر آئی کہ وہ عملی طور

پر معاملے کو دیکھ کر فقہی اصول کو اس پر منطبق کرتے تھے۔ جس سے الدین یسر (دین آسان ہے) اور یسروا ولا تعسروا (آسانی پیدا کرو اور مشکل پیدا مت کرو) کی صحیح تصویر سامنے آتی تھی۔ اب اگر اسکو کوئی اباحت پسندی اور مقلدیت سے گریز وغیرہ کہہ کر طنز وطعن کرے تو اس کو کیا کہا جائے۔

فقہی بصیرت کوئی معمولی بات نہیں ہے آخر حدیث شریف میں اس بات کو اتنی اہمیت کے ساتھ یونہی تو بیان نہیں کیا گیا۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ دین کی سمجھ اور حکمت و دانائی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ فرمایا: من یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جس کو حکمت ودانائی دی گئی اسے بہت سی بھلائیاں دیدی گئیں۔

مولانا مجاہد الاسلام صاحبؒ بلاشبہ ذہین آدمی تھے اس کا اندازہ ان کی طالبعلمی کے زمانے سے ہی ہونے لگا تھا۔ میری فراغت دارالعلوم سے ۱۳۷۶ (مطابق ۱۹۵۶ء) میں ہوئی اور مجاہد صاحب مجھ سے ایک سال پہلے ۱۳۷۵ھ بمطابق (۱۹۵۵ء) میں فارغ ہوئے۔

درس کے زمانے کی ان کی لکھی ہوئی تقریریں ان کے ''ورثہ'' کے طور پر ہمارے ہاتھ لگیں اور ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ درس مسلم کی تقریر جو حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کی تھی اس کو میں نے نقل بھی کرالیا تھا۔ اور جب میں نے شرح مسلم'' تفہیم المسلم '' کے نام سے مرتب کرنی شروع کی تو وہ تقریر بھی میرے پیش نظر رہی اور اس کے حوالے بھی تفہیم المسلم میں موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مولانا مجاہد الاسلام کا شمار دارالعلوم کے ذہین طلباء میں ہوتا تھا اور اسی ذہانت سے صحیح کام لے کر انہوں نے علم دین کی خدمت کی۔

فقہ اکیڈمی کا قیام

۱۹۸۹ء میں مجمع الفقہ الاسلامی (فقہ اکیڈمی آف انڈیا) کا قیام مولانا مجاہد صاحب کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ فقہ اکیڈمی کے تحت اب تک تیرہ اجلاس ہو چکے ہیں۔ ایک مخصوص اجلاس بین الاقوامی پیمانے کا ''حقوق انسانی'' پر ہونے والا تھا جس کی تیاری کر لی گئی تھی اور میں نے بھی ایک مقالہ مولانا کی فرمائش پر لکھ کر بھیجدیا تھا مگر کسی وجہ سے یہ اجلاس ملتوی ہوتا رہا اور مولانا دنیا سے چلے گئے۔

فقہ اکیڈمی کے ذریعے کام کس طرح ہوتا تھا، اس کی تفصیلات ان حضرات کو معلوم ہیں، جو اس کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں، یا اس کی رودادیں ان کی نظر سے گزری ہیں۔

ہوتا یہ تھا کہ پہلے ایک دن سوال نامہ مرتب ہوتا تھا اور وہ مختلف علماء کو بھیجا جاتا تھا، ان سوالات کے جوابات پر مضامین مرتب ہوتے تھے، اور شروع میں یہ طریقہ رہا کہ سارے مضامین علماء کرام کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے وہ ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ پھر اجلاس کے موقعہ پر مقالات کا خلاصہ پڑھا جاتا تھا۔ اس پر اظہار رائے ہوتا تھا اور آخر میں بحث ومباحثہ کے بعد جو نتیجہ نکلتا تھا، اسے ایک تجویز کی صورت میں مرتب کیا جاتا تھا۔

ہندوستان کے علاوہ باہر کے اور خصوصاً عرب ملکوں کے علماء بھی فقہ اکیڈمی کے اجتماعات میں آتے رہے ہیں۔ پاکستان سے مفتی شفیعؒ کے صاحب زادے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی حیدرآباد کے اجتماع میں تشریف لائے تھے۔ عرب علماء کی رعایت سے مولانا مجاہد صاحب بلا تکلف عربی میں تقریر کیا کرتے تھے اردو کی طرح ان کی عربی بھی بڑی شستہ اور شگفتہ قسم کی ہوتی تھی۔ ان کا انداز خطاب بھی بڑا موثر، جامع اور ہر پہلو کو سمیٹنے والا ہوتا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان مجالس میں حنفی مسلک کے علاوہ دوسرے مسالک کے لوگ بھی شامل ہوتے تھے، جن میں شافعی اور اہل حدیث خاص طور پر ہوتے تھے، باہر کے علماء میں حنبلی اور مالکی بھی ہوتے تھے۔ اس طرح تمام مسلک کے لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا اور بحث ومذاکرہ کرنے کا بڑا اچھا موقعہ ملتا تھا۔ اور یہ چند روز جو ان جلسوں کے ہوتے تھے عجیب علمی مستی اور انہماک میں گزرتے تھے۔

البتہ بعض اوقات لوگوں کی رائے لینے کا جو انداز ہوتا تھا وہ علمی سطح کے مطابق نہیں ہوتا تھا میں نے مولانا مجاہد صاحب سے بے تکلف یہ بات ظاہر بھی کی کہ ان کی علمی مجلسوں کا رنگ آخر تک عالمانہ ہی رہنا چاہیے۔ یہ رائے لینے کے لیے ہاتھ اٹھوانے کا انداز ان مجلسوں کے شایان شان نہیں ہے۔ کیونکہ علمی مسائل میں سر گننے کی روایت کبھی نہیں رہی، یہاں تولا جاتا ہے گنا نہیں جاتا۔

بہر حال ان بعض قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود فقہ اکیڈمی کی افادیت اور اس کے شاندار کام سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مجلّہ ''بحث ونظر'' کی ضخیم جلدیں لوگوں کے سامنے ہیں اور کسی بھی لائبریری کے لیے قابل فخر ہوسکتی ہیں۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری جو مدینہ منورہ میں ایک عرصہ سے مقیم تھے اور ابھی پچھلے دنوں ان کا وصال ہوا ہے، وہ فقہ اکیڈمی سے کافی بدگمان تھے اور اس پر ان کے تنقیدی مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ماہنامہ دار السلام مالیر کوٹلہ کے اگست ۱۹۹۷ء کے شمارے میں ہم نے اس پر ایک تفصیلی مضمون لکھا اور ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔

اسی طرح مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے حلقوں میں بھی فقہ اکیڈمی کے تعلق سے بے اطمینانی پائی جاتی تھی اور ان کے رسالے ''المآثر'' میں اس کے تعلق سے مضامین چھپتے رہے ہیں۔

تنظیم ابنائے قدیم کے ہمارے صدر مولانا محمد افضال الحق جوہر صاحب نے بھی فقہ اکیڈمی کے ایک اجلاس پر منفی اظہار خیال فرمایا ہے، بلکہ ان کا ایک مضمون ''فقہ حنفی کا جنازہ'' کے عنوان سے کافی شدید پیرائے میں شائع ہوا۔ ابتدا میں دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی مولانا نظام الدین اعظمیؒ بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے میری ان سے گفتگو ہوئی، میں نے ان کو پوری صورت بتائی اور پھر مولانا مجاہد صاحب نے ان سے ملاقات کی اور پورا طریقہ کار ان کو بتایا، تو پھر مفتی صاحب نے بھی تحریری طور پر بعض مسائل میں اپنی رائے کا اظہار فرما کر فقہ اکیڈمی میں حصہ لیا۔ کیونکہ عمر کے اس حصے میں وہ معذور ہو چکے تھے اور خود شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ جدہ فقہ اکیڈمی کے بھی ممبر تھے مگر وہاں وہ کبھی نہ جا سکے۔ مفتی عبد القدوس رومی آگرہ اپنی بزرگی کے باوجود کھل کر میدان میں آتے رہے اور تنقید کرتے رہے۔ سید حامد علی صاحبؒ کے صاحب زادے ڈاکٹر خالد حامدی صاحب (مدیر اللہ کی پکار) تو آج تک پیچھے نہیں ہٹے۔

بہر حال مجموعی بات یہ کہ ان مخالفتوں کے باوجود فقہ اکیڈمی نے اپنا ایک مقام بنایا اور اس کے ذریعے مجاہد الاسلام صاحب کی فقہی مہارت اور مسائل شریعت پر ان کی بصیرت، مسائل کے حل میں حالات زمانہ کی رعایت، ان کی تمام صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں۔ امارت شرعیہ میں ان کی طویل خدمات اور فقہ اکیڈمی میں ان کے کام نے ان کو ''فقیہ الامت'' کہلانے کا بجا طور پر مستحق بنا دیا۔

نکاح نامہ کا معاملہ

مجاہد صاحب کے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر بننے کے بعد سب سے زیادہ متنازعہ معاملہ ''نکاح نامہ'' کا سامنے آیا۔ مشکل یہ تھی کہ ہمارے مولانا مجاہد الاسلام صاحب تمام تر اپنی عملی صلاحیتوں کے باوجود میڈیا سے قربت کا بھی خاصا رجحان رکھتے تھے اور میڈیا نے نکاح نامہ کے

معاملے کو ایسا اچھالا کہ اسے ہوا بنا کر سامنے رکھدیا۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی۔ اور اس پورے معاملے میں شروع سے آخر تک سوائے بنگلور کے اجلاس کے میں خود شامل رہا ہوں۔ کہ بمبئی کے تعلق سے خاص طور پر یہ بات سامنے آئی کہ چونکہ بمبئی میں لوگ روزگار کے لیے ملک مختلف حصوں سے آتے ہیں، ان کا قیام صرف روزگار کے لیے ہوتا ہے، وہاں وہ لوگ شادیاں کر لیتے ہیں، کچھ عرصہ ساتھ رہتے ہیں، پھر غائب ہو جاتے ہیں، یا پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لیتے ہیں اور پہلی بیوی اور اسکے بچے بے روزگار رہ جاتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جو بمبئی اور ہندوستان کے بڑے شہروں میں عام طور پر پیش آتے ہیں۔ بمبئی میں مولانا سالم صاحب قاسمی کی صاحب زادی عظمی ناہید اپنے شوہر سلمان منصور غازی صاحب کے ساتھ رہتی ہیں اور سوشل کاموں میں بھی کافی حصہ لیتی ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے دو ایک مرتبہ بمبئی میں سمینار بھی کیے، جس میں مولانا کے بھتیجے خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) جو الحمد اللہ معروف اور صاحب فکر ونظر عالم دین ہیں، مولانا سالم صاحب اور راقم الحروف شریک ہوتے رہے ہیں۔ ایک سمینار میں میرے اور مولانا سالم قاسمی صاحب کے علاوہ مشہور ماہر قانون ڈاکٹر طاہر محمود صاحب بھی شریک ہوئے۔ اور خواتین کے اس طرح کے مسائل سامنے آئے۔

اس کے نتیجہ میں یہ طے ہوا کہ جس طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس قسم کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی مشہور کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ایک مشروط کابین نامہ بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے، اسی پیٹرن پر نکاح کے موقعہ پر ایک اقرار نامہ موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس وقت بھی یہ بات کہی گئی تھی اور آج بھی کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اس طرح کے اقرارنامے اور کابین نامہ کو عام نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض مقامات پر حالات سے نمٹنے کے لیے اس طرح کی مخصوص صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ ایسے مخصوص نکاح نامے یا اقرار نامے نہ حضرت تھانویؒ کے زمانے میں عام ہوئے اور نہ آج ہو سکتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح باہمی اعتماد کے ماحول میں ہوتا ہے اور اس خوشگوار ماحول میں تفویض طلاق کی ہر صورت گراں محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ ان مجلسوں میں بھی میں نے اپنا یہ خیال اسی طرح ظاہر کیا۔ اور جو نکاح نامہ میں نے دارالسلام

اسلامی مرکز سے تیار کیا اور اس کو یہاں جاری کیا اس کی عبارت اس انداز کی رکھی کہ اس خوشگوار ماحول میں اس کو قبول وتسلیم کرنے میں جانبین میں سے کسی کو بھی کوئی گرانی محسوس نہ ہو۔ اس میں لکھا کہ:

''اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر اور مان کر ہم دونوں ناکح ومنکوحہ مذکورہ لڑکے کے ساتھ گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کرتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ اس نکاح کے نتیجہ میں عائد ہونے والی اپنی اپنی ذمہ داریوں کو شرعی حدود میں خوش اسلوبی اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کرنے کے پابند رہیں گے۔ کوتاہی کی صورت میں...(ادارے یا افراد کے نام)...کو معاملہ کی شنوائی اور اس پر شرعی فیصلہ کا پورا پورا اختیار ہے۔''

نکاح نامہ کی مذکورہ عبارت ایسی ہے جس کو کسی جگہ رائج کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا۔ لیکن ''تفویض طلاق'' (جس میں بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار شوہر کی طرف دیدیا جائے) کی صورتیں کچھ مخصوص علاقوں میں مخصوص حالات میں ہی چل سکتی تھیں۔ بمبئی کے اپنے خاص حالات میں اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی اس طرح کے مسئلے پریشانی کا باعث ہوسکتے ہیں۔

چنانچہ میں ایک دوبار عزیزہ عظمیٰ ناہید سلمہا کو لے کر مولانا مجاہد صاحب سے ان کے ہوٹل تامل ناڈو گیسٹ ہاؤس میں ملتا رہا اور یہ طے ہوا کہ پرسنل لاء بورڈ اس خاص مسئلے پر غور کرے اور کوئی تجویز پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے سامنے آئے تاکہ وہ مسلمانوں میں قابل اعتبار حیثیت اختیار کرسکے۔ پرسنل لاء بورڈ میں یہ مسئلہ آیا، اور اس کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کی طویل نشست ندوۃ العلماء لکھنو میں ہوئی، جس میں مولانا مجاہد صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عتیق احمد بستوی اور راقم الحروف شامل ہوئے اور ایک نکاح نامہ جس کو مشروط نکاح نامہ کہہ لیجئے تیار ہوا، اس کی ایک ایک دفعہ پر گفتگو کرکے اس کو آخری شکل دی گی۔ یہ کوئی بات نہیں تھی، نہ کوئی یہ ایٹم بم تھا جس سے در ودیوار ہل جائیں، حضرت تھانویؒ کی کتاب آج بھی موجود ہے۔ اس میں اس طرح کے کابین نامے ایک نہیں دودو چھپے ہوئے ہیں اور حضرت تھانویؒ نے اس کتاب میں جس احتیاط، عرق ریزی، ژرف نگاہی اور بصیرت کا ثبوت دیا ہے وہ واقعی ان کا قابل قدر کارنامہ ہے ایک آدمی نے ادارے کا کام کیا ہے۔ اور وقت کے اہم مسئلے کو حل کرکے ثابت کردیا ہے کہ شریعت

اسلامیہ ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی اور ان کو آسانی کے ساتھ حل کرنے کی ہر دور میں پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس کتاب میں ''مفقود الخبر ،، (لاپتہ شوہر) کے مسئلے پر بھی پوری طرح بحث کی ہے اور پھر امام مالکؒ کے مسلک پر فتوی دیا ہے۔ اسی طرح آج کی صنعتی دنیا میں طرح طرح کے حالات سامنے آرہے ہیں ان کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کو سراہنا چاہئے۔

لیکن جیسا میں نے عرض کیا کہ مولانا مجاہد صاحب کا میڈیائی ذوق وشوق بلا وجہ بات کا بتنگڑ بنا دیتا تھا۔ اعظم گڑھ میں فقہ اکیڈمی کا دوسرا اجلاس ہوا، اس میں بیمہ کا مسئلہ زیر بحث تھا، اسی میڈیائی شوق کی وجہ سے وہ مسئلہ اچھلا، بعد میں اس کی تردید وتاویل کی جاتی رہی مگر جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ میڈیا والوں کو کیا چاہیے کوئی شوشہ جسے وہ اچھال سکیں۔ اب یہ زمانے کا چلن ہے ہر بات اخبار اور ٹی وی پر آنی ضروری ہے، ہمارے علماء اسی لیے نمود وریا سے دور رہتے ہیں۔ انسان کی شخصیت میں خوبیوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی کمزور پہلو نظر آتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ مئی ۹۴ء میں پٹنہ میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز کے زیر اہتمام ایک سمینار تھا میرا بھی اس میں اجتہاد پر ایک مقالہ شامل تھا، ان ہی دنوں میں امارت شرعیہ کا تہتر واں یوم تاسیس منایا گیا جس میں بہار کے گورنر اخلاق الرحمٰن قدوائی مہمان خصوصی تھے۔ میرے پاس پیغام آیا مولانا نظام الدین ناظم امارت شرعیہ کی جانب سے کہ گاڑی آرہی ہے تیار رہنا تمہیں شامل ہونا ہے اور خطاب کرنا ہے گاڑی ہوٹل میں جہاں قیام تھا پہنچ گئی اور ہم پھلواری شریف پہنچ گئے اخلاق الرحمٰن صاحب آچکے تھے۔ مولانا مجاہد صاحب تقریر کررہے تھے۔ اخلاق الرحمٰن صاحب کو کہیں جانا تھا، جب تک گورنر صاحب رہے مجاہد الاسلام اپنا زور خطاب دکھاتے رہے، گورنر صاحب کے بعد جلسہ درہم برہم ہوگیا اور ہماری تقریر بس ہنگامہ سی ہو کر رہ گئی، اب بہار کے لیے نہ مجاہد صاحب نئے تھے اور نہ گورنر صاحب مگر ہوتا ہے ایک کمزور سا پہلو۔ آخر انسان ہی تو ہے بے عیب ذات اللہ ہی کی ہے۔

بہر حال علمی کاموں کا اپنا ایک انداز اور مزاج ہوتا ہے وہ سیاسی طرز کی عشوہ طرازیوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ بنگلور کے اجلاس میں پورا میڈیا متوجہ تھا اور لگتا تھا اب مجاہد صاحب بٹن دبائیں گے اور مشروط نکاح نامہ ایک بم کی صورت میں پھٹ پڑے گا مگر وہاں ایسا کچھ نہ ہوا، میڈیا والے مایوس ہوئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشہ نہ ہوا

حیرت کی بات یہ کہ بعد میں ایک صاحبہ سے ''اس مشروط نکاح نامہ'' ۔ کی فوٹو کاپی ملی تو یہ وہ نہ تھی جس پر میرے اور اراکین کمیٹی کے دستخط لیے گئے تھے ۔ بہر حال اللہ اللہ کر کے یہ معاملہ ٹھنڈا پڑا ۔

مولانا مجاہد صاحب اس میں شک نہیں کہ ذہین آدمی تھے اور اپنی ذہانت سے کام لے کر معاملہ کا رخ اپنے مقصد کے مطابق موڑنے کا فن جانتے تھے ۔ مولانا علی میاں کے انتقال کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر کے انتخاب کا معاملہ پیش آیا ، بالکل اسی طرح جیسے اب ۲۵/۲۰۰۲ء اپریل کو مولانا مجاہد صاحب کے انتقال کے بعد دہلی میں مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی ، اسی طرح مجلس عاملہ کی میٹنگ مولانا علی میاں کے انتقال کے بعد ندوہ میں ہوئی تھی ۔ ایک خیال یہ تھا کہ پورے بورڈ کا اجلاس ہونے تک کسی کو عارضی طور پر صدر مقرر کر دیا جائے اور بورڈ کی میٹنگ میں صدر کا انتخاب ہو مگر مولانا مجاہد صاحب نے عارضی صدر کے بجائے بورڈ میں اجلاس جلد بلانے کی تجویز منظور کرائی ۔

اس دوران میں یہ بات چل رہی تھی کہ بورڈ کا آنے والا صدر کون ہو ، ایک نام مولانا سالم قاسمی کا ، دوسرا نام مولانا رابع صاحب ندوی ، اور تیسرا مولانا مجاہد صاحب کا زیر گفتگو تھا ۔ انہوں نے بورڈ کے اجلاس کے موقعہ پر ایک انتخابی کمیٹی بنوائی جو صدر کے زیر تجویز ناموں پر غور کرے ۔ معلوم ہوا کہ اس کمیٹی میں سے ایک چھوٹی کمیٹی اور نکلی اور اس کمیٹی نے ان تین حضرات کو الگ کر کے یہ کہہ دیا کہ ان میں سے دو نے اپنا نام واپس لے لیا ہے ۔ اب یہ نام واپس لینے کی ایسی بات ہے کہ یہ حضرات اس مقام و مرتبہ کے تو ہیں نہیں کہ خود اپنا نام پیش کریں کنویسنگ اور کوشش کریں کہ ہمیں صدر بنا دیا جائے ، یہ تو دوسرے لوگوں نے تجویز کیا ، اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ صدر بننا چاہتے ہیں تو وہ خود کہیں گے نہیں کہ ہم بننا چاہتے ہیں بنانے والے چاہیں گے تو بن جائیں گے اور شائد قبول کر لیں گے ، اس طرح کچھ عجیب سا معاملہ رہا ، میں اس میٹنگ میں حاضر نہیں ہو سکا تھا مگر جو واقعات میں نے سنے اس سے اندازہ ہوا کہ کچھ لوگوں کو ہوائی جہاز کے ٹکٹ دیکر خاص طور پر بلوانا وغیرہ یہ سب کوئی معیاری اور شفافیت لئے ہوئے نہیں تھا ۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ مجاہد صاحب صدر کے اہل نہیں تھے بیشک وہ اہل تھے انکی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا

مگر بہر حال وہ اپنی ذہانت سے کام لیکر حالات کا رخ اپنی طرف کر لیتے تھے۔

مولانا منت اللہ رحمانی بورڈ کے جنرل سکریٹری تھے، انکے انتقال کے بعد انکے صاحب زادے مولانا ولی رحمانی کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں کہ ان کو جنرل سکریٹری بنایا جائے گا، لیکن مولانا مجاہد صاحب نہیں چاہتے تھے دونوں میں بڑے اختلافات تھے ندوہ کے مہمان خانے کے ایک کمرے میں مولانا ولی اور مولانا مجاہد کو بٹھا کر میں نے گفتگو کی۔ مجاہد صاحب مولانا نظام الدین کو آگے لے آئے تا کہ بورڈ کی باگ ڈور انکے ہاتھوں میں رہے اور یہاں بھی وہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے میں کامیاب رہے اس کے بعد انہوں نے ملی کونسل قائم کرلی۔ دونوں کا معاملہ بڑا خلط ملط رہا اکثر میڈیا مولانا مجاہد صاحب کو ملی کونسل کے بجائے پرسنل لاء بورڈ کا جنرل سکریٹری لکھدیتا تھا۔ دونوں کی میٹنگیں بھی ساتھ ساتھ رکھی جاتی تھیں۔ میں نے باقاعدہ ایک مرتبہ صدر بورڈ کو خط لکھا اور اس طرف متوجہ کیا، میرا وہ خط میٹنگ میں پڑھا گیا، اس کے بعد کچھ احتیاط برتی جانے لگی۔

مولانا مجاہد صاحب پرسنل لاء بورڈ کے صدر ہوئے تو اس کو ایک خاص رنگ دیا، اور فورا ہی میڈیا کی طرف سے اہمیت کے ساتھ ان کی صدارت کا اعلان ہوا، جبکہ ہم سب جانتے ہیں مسلم معاملات میں ہمارا قومی میڈیا کیا رویہ اختیار کرتا ہے مگر یہاں فورا ہی بڑی اہمیت کے ساتھ ٹی وی پر ان کی تصویر کے ساتھ ان کی صدارت کا اعلان ہوا۔ اس سے اندازہ ہوا کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اس کو خاص طور پر ابھارا ہے۔ ورنہ بورڈ میں کبھی یہ کوئی خاص مسئلہ نہیں رہا، نہ اس کے لیے کوئی لابی بنائی گئی، نہ کنویسنگ ہوئی، بلکہ عام رجحان جس شخصیت کی طرف ہوا اس کو صدر منتخب کرلیا گیا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد مولانا علی میاں متواتر صدر ہوئے، عارضی طور پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بھی ورکنگ صدر رہے، اور سادگی کے ساتھ انتخاب ہوتا رہا، ایسا پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ یہ کوئی بڑا مسئلہ ہے، جس سے اچنبھا ضرور ہوا مگر بہر حال یہ انتخاب ایک مناسب شخص کا تھا، طریقہ کار تھوڑا سا فرق لیے ہوا تھا۔ اس کے انتخاب پر ہم نے ماہنامہ دارالسلام مالیر کوٹلہ مئی ۲۰۰۰ء کے شمارے میں ایک مستقل مضمون اداریہ کے طور پر لکھا، ہمیں ایک تو خوشی یہ تھی کہ مولانا مجاہد صاحب ہمارے بے تکلف ساتھی ہیں، دوسرے یہ کہ بورڈ سے ہمارا تعلق

۸۰ ء سے ہے اس کے تاسیسی ممبر اور عاملہ کے رکن ہیں ظاہر ہے اس کے معاملات سے ہم اپنے کو الگ نہیں کر سکتے۔ اس اداریے میں ہم نے لکھا تھا:

الحمد للہ... قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (فاضل دیوبند) کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدر منتخب کر لیا گیا..... یہ انتخاب ہر اعتبار سے ''حسن انتخاب'' ہے۔ قاضی صاحبؒ بڑے ذی صلاحیت، بیدار مغز اور روشن فکر عالم دین ہیں۔ یہ نوتراشیدہ ہیرا اس انگشتری ملت میں بالکل فٹ نظر آرہا ہے... مولانا منت اللہ رحمانی کے زمانے سے ہی بورڈ کے معاملات میں ان کا دخل رہا ہے خداداد صلاحیت اور فکری بصیرت کی وجہ سے بورڈ کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہیں۔ باقی کچھ نہ کچھ کی کوتاہی ہر انسان میں ہوتی ہے۔ خاص طور پر یہ زیادہ جینیس اور ذہین قسم کے جو لوگ ہوتے ہیں ان کو کچھ عرصہ کسی محرم اسرار کے ساتھ گزارنے کی ضرورت ہوتی ہے، لاکھ صاحب فضل ہو تراش خراش کے لیے آہ سحر گاہی کے بغیر بات بنتی نہیں ہے اور رہنما بننے کے لیے بھی ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے.... ''صحبتے با اولیا'' کی تعبیر آپ کچھ بھی کر لیں مگر اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں... آخر تاثیر صحبت ہی تو ہے کہ صحابی کے بلند مرتبے کا مقابلہ بڑا سے بڑا ولی بھی نہیں کر سکتا.... مولانا عبدالماجد دریابادی اور سید سلیمان ندوی جیسی عبقری شخصیات کو اگر حضرت تھانویؒ نہ ملتے تو معلوم نہیں یہ لوگ کیا بن جاتے۔ حضرت قاضی صاحبؒ سے ہمارا تعلق طالب علمی کے زمانے سے رفاقت کا رہا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری طبیعت کو ان سے خاص مناسبت اور مخلصانہ تعلق ہے۔ اللہ نے ان کو غیر معمولی استعداد اور صلاحیت دی ہے۔ صاف صاف بات یہ ہے کہ اس رنگ سے ہی سارے رنگ نکھرتے ہیں... مولانا علی میاں کوئی استعداد و فکر کے انوکھے نہ تھے، دردمندی کے رنگ نے ان کے سارے رنگ اجاگر کر دیئے تھے دارالعلوم دیوبند جس کے تعلق سے قاضی صاحبؒ کو اور ہمیں بقدر ظرف حصہ ملا ہے، اس کی عظمت کا راز یہی نسبت والی بات ہے کہ وہاں کا دربان بھی کسی زمانے میں صاحب نسبت ہوتا تھا، ورنہ عمارتوں اور وسعتوں کے اعتبار سے تو آج بھی دارالعلوم پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ (ماہنامہ دارالسلام مالیر کوٹلہ مئی ۲۰۰۰ء)

اس میں شک نہیں کہ مولانا مجاہد صاحبؒ فعال و متحرک قسم کے انسان تھے۔ ان کے صدر بننے کے بعد بورڈ میں فعالیت صاف طور پر محسوس ہونے لگی تھی۔ انہوں نے بورڈ کے کاموں کو

آگے تک لیجانے کے لیے کئی پروگرام بنائے، خطبات جمعہ کے نام سے کتابچے مرتب کرنے کا پروگرام بنایا اس کا ایک سلسلہ شائع بھی ہوا، مجھ سے ہی انہوں نے ''مہر کی حیثیت اور اہمیت'' پر مضمون لکھوایا اور اس کو سلسلہ خطبات نمبر (۱) میں شائع کیا۔ اب وہ نہیں رہے تو پھر یہ مسئلہ درپیش ہے کہ ان کے بعد کون ہو---------؟

ملی کونسل کا قیام

مولانا مجاہد صاحبؒ نے بمبئی میں ایک کنونشن بلایا، اور اس میں مجھ سے ہی قرارداد پیش کرائی، جس کے ذریعہ ملی کونسل کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا علی میاں بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قرارداد پر بولتے ہوئے میں نے حضرت عمرؓ کا یہ قول دہرایا کہ

لا اسلام إلا بالجماعة، ولا جماعة إلا بالامير، ولا أمير إلا بالطاعة

مجلس کے بعد مجاہد صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے یہ اثر نقل کیا، کیا واقعی یہ حضرت عمرؓ کا اثر ہے اور ان کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے ــــ میں نے کہا ہاں یہ اثر مسند احمد بن حنبل میں موجود ہے۔

ملی کونسل کی ضرورت تھی یا نہیں ــــــــ یہ ایک الگ بحث ہے، مگر میں یہ سمجھتا تھا کہ مولانا مجاہد صاحب کو اس بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہیے تھا۔ ان کے لئے امارت شرعیہ، فقہ اکیڈمی، مسلم پرسنل لاء بورڈ یہی بہت کافی ہیں۔ اور میں نے کھل کر مجاہد صاحب سے اس مسئلہ پر بات کی کہ وہ اس طرح کی جماعت بنا کر مصروفیات میں غیر معمولی اضافہ نہ کریں، میری بات پر وہ ایک رفیق کے انداز میں دھیان دیتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس کے لیے آدمی تیار کرلوں گا، جو اس کو سنبھال سکیں گے اور خود مجھے اس کام کے لیے زیادہ مصروف ہونا نہیں پڑے گا۔

مشہور مقولہ ہے کہ: الدنیا بالوسائل لا بالفضائل دنیا کے کام کے لیے وسیلے اور ذریعے کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لیے صرف فضیلت کافی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہد صاحبؒ کو دونوں چیزیں دے دی تھیں فضیلت بھی اور وسیلہ بھی۔ شاہ بانو کیس کے موقعہ پر مالیر کوٹلہ میں ایک اجلاس ہوا، اس وقت وہ مولانا منت اللہ صاحب کے ساتھ مالیر کوٹلہ آئے تھے تو ان کے مالی معاملات بس ہم جیسے ہی شکستہ قسم کے تھے، پھر دیکھتے دیکھتے بہت جلد بدل گئے اور ان کو مالی وسائل میسر آگئے۔

بہر حال جہاں تک ان کی علمی اور فقہی صلاحیتوں کی بات ہے۔ اس کا اندازہ ان کی

بہترین تصانیف سے اور ان کے علمی کاموں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ایک بڑا کام دنیا سے جانے سے وہ پہلے یہ کر گئے کہ فقہی انسائیکلوپیڈیا جو چالیس جلدوں میں کویت سے شائع ہوئی ہے اس کو مختلف علماء کی خدمات حاصل کر کے عربی سے اردو میں منتقل کرادیا مجھ سے بھی انہوں نے اس کام میں حصہ لینے کے لیے کہا تھا، مگر یہاں کی مصروفیات وقت طلب ہیں اور مجھے علمی کاموں کے لیے رفقائے کار میسر نہیں اس لیے ان کے اس عظیم کام میں حصہ نہیں لے سکا مگر بذات خود ان کا کارنامہ انشاء اللہ ان کی حسنات میں بہترین اضافہ ہے۔

ایک بڑا نقصان قاضی صاحب کے اٹھنے سے یہ ہوا کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو مانوس کرنے میں ان کو کمال حاصل تھا، ان کو مطمئن کردیتے تھے، ان کی الجھنیں دور کردیتے تھے، کیونکہ قاضی صاحب زاہد خشک قسم کے آدمی نہ تھے خاصے بذلہ سنج اور خوش اخلاق تھے لیکن اب ہمیں اپنے حلقہ میں اس انداز کی شخصیت بظاہر نظر نہیں آرہی ہے۔

دارالسلام کے ذریعے میں قاضی صاحب کے اچھے کارناموں کی ہمیشہ تحسین کرتا رہا، انہوں نے بھی ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی میری کتابوں پر بڑی اچھی تحریریں لکھیں۔''معمار انسانیت'' پر ان کی تقریظ بہت عمدہ آئی ہے۔''اسلامی قانون'' مرتب کی اور مسلم پرسنل لاء کے بمبئی اجلاس میں مولانا علی میاں اور مولانا منت اللہ رحمانی نے اس کا اجراء کیا، قاضی صاحبؒ بہت خوش ہوئے۔کوئی کمزور بات نظر آئی تو ہم نے بلا تکلف قاضی صاحب سے کہدی۔۱۹۸۰ء سے لے کر اب تک پرسنل لاء بورڈ سے وابستگی چلی آرہی ہے، فقہ اکیڈمی، ملی کونسل میں شرکت ہوتی رہی اس لیے ان سے کافی تعلق رہا۔

وہ تھے تو ملنے کا مزا بھی آتا تھا اور الجھنے کا بھی اب کس سے الجھیں کس سے ملیں، اب تو وہیں جا کر ملنا ہوگا جہاں سب کو ایک دن جمع ہونا ہے۔ایک عالم دنیا سے اٹھتا ہے اور دنیا تاریک ہوجاتی ہے(۱)

(۱) ادارتی نوٹ: حضرت قاضی صاحبؒ فاضل مضمون نگار کے معاصر ہیں اور ان کے بعض ریمارکس ان کی ذاتی رائے پر مبنی ہیں جن کے اظہار کا ان کو حق حاصل ہے''ترجمان دارالعلوم'' کا کسی بھی مضمون نگار کی ایسی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے جو کچھ'انفرادیت' کے ساتھ نقد یا اعتراض کا پہلو رکھتی ہوں۔

مولانا نور عالم خلیل امینی ☆

چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا، میرے بعد
مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی...

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کو سب سے پہلے میں نے اپنی ۶-۷ سال کی عمر میں اپنے گاؤں راپور ضلع مظفر پور (حال سیتامڑھی) بہار میں دیکھا۔ دن اور تاریخ تو یاد نہیں، لیکن چودھویں صدی ہجری کی، آٹھویں دہائی کے، کسی سال کی، کسی تاریخ کو وہ اپنے قصبہ ''جالہ'' ضلع دربھنگہ، بہار سے (جو ہمارے گاؤں سے مشرق میں ۸-۹ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے) ہمارے گاؤں میں، اپنے دوست مولانا محمد اویس القاسمی راپوری متوفی بہ روز جمعہ ۳/۶/۱۴۱۹ھ = ۲۵/۹/۱۹۹۸ء کی دارالعلوم سے فراغت کے جلسۂ جشن کے اصل مقرر اور معزز مہمان کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ جشن کی یہ تقریب ہمارے خاندان کے ایک عالم اور بزرگ مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے صاحب زادوں کی کھلیان کے لان میں سرِ شام منائی گئی تھی۔ اس وقت کی ان کی کوئی شبیہ میرے خانۂ خیال میں موجود نہیں، اتنا یاد ہے کہ پورے گاؤں میں ہر ایک کی زبان پر عرصے تک اس کا چرچا رہا کہ بلا داڑھی والے ایک نوجوان مولانا نے اتنی خوب صورت، پیاری اور جادو انگیز تقریر کی کہ اس گاؤں والوں نے تو کیا پورے علاقے والوں نے ایسی تقریر ماضی میں شاید ہی کبھی سنی ہوگی۔

اس پر مسرت واقعے کے بعد دو تین سال کے دوران میرے عمر و شعور کا قافلہ خاصی منزلیں طے کر چکا تھا، میں اپنے گاؤں کے دیرینہ مکتب کے نیک سیرت و بابرکت ملا ابراہیم عرف مولوی ٹھکن کے پاس قرآن پاک ناظرہ اور ابتدائی اردو فارسی کی تعلیم کے بعد ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ متوفی ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء کے خطۂ مشرق کے منفرد خلیفہ حاجی شیخ منور علی نستوی دربھنگہ متوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۰۰ء کے قائم کردہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (تاسیس

☆ رئیس تحریر مجلہ ''الداعی'' (عربی) واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) میں مذکورہ مولانا محمد اویس القاسمی رائپوریؒ کی وساطت سے داخل ہو چکا تھا۔ گاؤں رائپور اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ دونوں جگہ جامعہ خانقاہ رحمانی مونگیر (احیائے نو ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۴ھ) کے شیریں زبان و تازہ علم وقادر الکلام مدرس اور افہام و تفہیم کے امام مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کا اتنی بار ذکر خیر سنا کہ وہ نہ صرف میرے اور میرے ہم قریہ رفقائے درس کے قلب و دماغ کا حصہ بن گئے، بلکہ وہ ہمارے ایک بزرگ فرد خاندان کی حیثیت اختیار کر گئے۔ مشکل تھا کہ مشرق کے اس وسیع تر خطے کا علم و آگہی کے حوالے سے کوئی تذکرہ ہو اور مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کا تذکرہ نہ آئے۔ مدرسہ امدادیہ چوں کہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی متوفی (۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء) کی سرپرستی میں تھا۔ اس لئے ان کے ممتاز مدرسہ جامعہ خانقاہ رحمانی مونگیر کے نوعمر اور ذہین مدرس مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کا تذکرہ امیر شریعت کے ہر تذکرے کے ساتھ ناگزیر تھا۔ یہ دونوں ہی سال میں تین مرتبہ دربھنگے ضرور آتے، نیز خطے میں ہونے والی کسی بھی اسلامی سرگرمی کی سرپرستی کے لیے وارد ہوتے، تو یہاں ضرور تشریف لاتے۔ دربھنگہ ویسے بھی مولانا مجاہد کا وطن ثانی تھا کہ دربھنگہ شہر کے محلّہ قلعہ گھاٹ کی جامع مسجد کے مغرب میں بہنے والی ندی کے پچھم جانب متصلاً واقع ''مہدولی'' میں مولانا کا سسرال تھا۔ عجیب اتفاق کہ موت کے بعد یہی ''مہدولی'' گاؤں ان کی آخری آرام گاہ بھی بنا۔

ہمارے بچپن میں ہمارے علاقے کے دارالعلوم دیوبند کے تین فضلاء کی صنعت علم میں ان کی غیر معمولی استعداد کا آوازہ بلند تھا۔ نوعمری اور ناسمجھی کے اس دور میں بھی ہم لوگوں نے ان کی عظمت کی جو دھوم مچی ہوئی دیکھی، جس طرح ان کا غلغلہ بلند ہوتا ہوا دیکھا، اس کی وجہ سے ہماری نسل کے تمام لوگوں کی نظروں میں کوئی اور فاضل پہلے اور بعد کا اپنی فی الواقع بھرپور صلاحیتوں یا صلاحیتوں کو باور کرانے کی اپنی ''غیر معمولی صلاحیتوں'' کے باوجود، کسی طرح نہ جم سکا۔ ان تینوں سے میری مراد مجاہدالاسلام قاسمی جالوی دربھنگویؒ، مولانا اویس القاسمی رائپوریؒ اور مولانا محمد قاسم انگوا مادھوپوری مظفرپوری مدظلہ ہیں۔

دارالعلوم سے مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نے مولانا محمد اویس القاسمی سے دو سال قبل فراغت حاصل کی۔ وہ جامعہ رحمانیہ مونگیر کی مسند تدریس پر فائز ہوگئے۔ جب کہ مولانا محمد اویس

نے دار العلوم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور مولانا محمد قاسم نے مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ میں تدریسی ذمہ داری سنبھالی، اس زمانے میں مجھ جیسا خرد سال بچہ یعنی ذرۂ بے مقدار، مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور مولانا مجاہد الاسلام قاسمی جیسے آفتابِ علم وفضل تک رسائی اور ان سے ملاقات کرنے کی جرأت بھی نہ کرسکا، لیکن مدرسہ امدادیہ کی طالب علمی کے تین سالہ دورانیے میں بار بار ان کی دید وشنید سے مستفیض ہوتا رہا اور جامعہ رحمانی میں مولانا مجاہد کی تدریس وتفہیم کی جادوگری کا شہرہ، ہم بچوں کے کانوں میں بار بار پڑتا اور ان کی عقیدت ومحبت میں اضافہ کرتا رہا۔

مولانا منت اللہ رحمانی نہ صرف ایک جسور وغیور اور قائدانہ ذہانت وصلاحیت کے بے پناہ خزانے کے مالک تھے، بل کہ رجال شناس ورجال ساز مفکر ومدبر بھی تھے۔ انہوں نے جلد ہی اندازہ کرلیا کہ یہ نوجوان فاضل اور ان کے مدرسے کا آفتابِ عالم تاب کی طرح چڑھتا ہوا مدرس، خاص قسم کی غیر معمولی فقہی بصیرت، زرخیز ذہن، قائدانہ لیاقت اور علم وفن کے صدف کا آب دار اور بے مثال موتی ہے، چنانچہ جب امیر شریعت رابع کی حیثیت سے مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا انتخاب عمل میں آیا، تو انہوں نے امارتِ شرعیہ کے قاضی ومفتی کی حیثیت سے مولانا مجاہد کو پھلواری شریف پٹنہ بھیج دیا۔ انہوں نے امارت کے گیسوئے برہم کو اپنے رفقائے کار (جن میں بے لوث ومخلص عالم وانتظامی صلاحیت میں طاق اس وقت کے ناظم امارت شرعیہ حضرت مولانا نظام الدین مدظلہ سرِ فہرست ہیں) کے مخلصانہ اشتراک وتعاون سے اس طرح سنوارا کہ نہ صرف قضا اور فقہ وفتوی کے منصب کو چار چاند لگ گئے، بل کہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور جھارکھنڈ ان کے نام کا عنوان اور ان کی زندگی کا حصہ بن گیا۔ اور ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن نہ رہا۔ امارت کی جدت کاری اور ترقی کے عمل میں جس طرح انہوں نے اور ان کے رفقا نے خون پسینہ ایک کیا، بل کہ جگر کو خون کیا، جاں کاہی اور کوہ کنی کی زندگی بسر کی، ذہانت، فراست، بصیرت اور علم وآگہی کے خزانے کو جس طرح لٹایا، وسائل کی کمی، حالات کی سنگینی اور وقت کی جس بے التفاتی کا کاروانِ امارت کو اس زمانے میں سامنے رہا، وہ خود ایک مستقل تاریخ ہے اور خدام امارت شرعیہ کی عزیمت کا نشان امتیاز بھی۔ مولانا مجاہد صاحب قاسمیؒ نے کم وبیش ۳۵ سال تک

یہاں قضا وافتا کا جام اس طرح لنڈھایا کہ ''قاضی'' ان کے نام کا ہمیشہ کے لیے سابقہ بن گیا اور اب لوگ انہیں ''مولانا مجاہد الاسلام قاسمی'' کے بجائے ''قاضی مجاہد الاسلام قاسمی'' کہنے لگے۔ انہوں نے سیکڑوں معاملات کے اسلامی شریعت کی روشنی اور فقہ واجتہاد کے اصول کی بنیاد پر نہ صرف فیصلے کیے، بل کہ سیکولر اور غیر اسلامی ہندوستان میں امارت شرعیہ کے برپا ہونے کی صورت کو اجاگر کیا۔ اور عملی شکل میں مختلف صوبوں اور خطوں میں اس کے قیام کی بار آور کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے بوریہ نشیں قاضی مجاہد اور ان کے اخلاص پیشہ رفقا کی سعی کو قبولیت سے نوازا اور پھلواری شریف کی تنگ گلی کے دوایک تنگ کمروں سے نکل کر امارت شرعیہ کا مرکز پھلواری شریف کی شاہ راہ عام پر اپنے نئے، کشادہ اور حوصلہ بخش دفتروں میں آگیا اور اس کی خدمات بھی ہندی مسلمانوں کی متنوع ضروریات اور جذبات کا احاطہ کرنے لگیں، چنانچہ کئی عدد ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم ہوئے، سجاد ہاسپٹل بنا، **المعهد العالی للقضاء** کا قیام عمل میں آیا، دارالعلوم امارت شرعیہ کی بنیاد گزاری روبہ عمل آئی اور ملت کی تمناؤں کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی مختلف شکلیں پیدا کی گئیں، بہار کے مدارس کو ایک نظام کے تحت مربوط کیا گیا۔ ریلیف کا کام وسیع پیمانے پر استوار کیا گیا مکاتب کا جال پھیلایا گیا، امت کے نوع بہ نوع دکھ درد کی زود اثر اور اصلی دوائیں ایجاد کرنے کی طرح ڈالی گئی۔ اس طرح امارت کا نام نہ صرف مسلمانوں بل کہ کم از کم بہار کی سطح پر حکومتِ وقت کی نگاہ میں بھی معتبر بن گیا، مشکل تھا کہ ملت اسلامی کے حوالے سے بہار گورنمنٹ کوئی قدم اٹھائے اور امارت شرعیہ کے چشم وابرو کے اشارے سے صرف نظر کرلے۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کو اللہ تعالیٰ نے چند ایسی صفات سے نوازا تھا جو انھیں اپنے معاصر اور اقران سے بالکل ممتاز کرتی تھیں۔ انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں تحصیل علم میں کما حقہ محنت کی، خداداد فطانت اور حوصلہ مندی نے ان کا ساتھ دیا، توفیق الٰہی ہم رکاب رہی، اخاذ اور بیدار ذہن نے سونے پر سہاگا کا کام کیا۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے دینی، دعوتی فکری وثقافتی وجود کی سب سے بڑی علامت کی حیثیت رکھنے والے ادارے دارالعلوم دیوبند پہنچے، یہاں انہیں دیگر یگانہ روزگار اساتذہ کے ساتھ ساتھ، بطلِ حریت اور حقیقی معنی میں عالم باعمل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء

کے سامنے زانوے ادب تہ کرنے کا موقع ملا۔ دارالعلوم اس زمانے تک حضرت مولانا مدنیؒ قدس سرہ العزیز کے انفاس کی گرمی کے طفیل، اپنے دیرینہ و بابرکت طرز کہن پر گام زن تھا۔ دارالعلوم کے اکثر اساتذہ شب بیدار تھے، دربان اور ملازمین میں بھی عبادت و ریاضت کی سرمستی پائی جاتی تھی، خیر و برکت در و بام سے ابلتی تھی۔ چپے چپے پر ذکر الٰہی کا نقش نمایاں تھا، علوم شریعت کی جامع تلقین کے ساتھ ساتھ دل کی دنیا کی آبادی، بل کہ تاب ناکی اور عقل و خرد کی پاکیزگی اور دعوت الی اللہ کے ذوق و شوق کی دلوں میں آبیاری اور امت کے مسائل اور دکھ درد کے مد و جزر پر ہمہ وقت، ہمہ گیر اور گہری نظر رکھنے کی صلاحیت سازی کا اہتمام پایا جاتا تھا۔ مولانا مجاہدالاسلام حضرت مدنی کے فیض تعلیم و تربیت اور دارالعلوم کے اس روح پرور و مردم ساز ماحول کے طفیل خدا کی توفیق سے اعلیٰ پایے کے عالم بن کر نکلے۔ ان کے علم و فضل میں خیر و برکت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے دیگر عالی مرتبت اساتذہ کے ساتھ ساتھ، شیخ الاسلامؒ اور اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے لافانی و لاثانی عقیدت و محبت تھی۔ انہیں ان دونوں انتساب ہائے گرامی پر حد درجہ افتخار تھا، وہ جب بھی ان دونوں کا، یا دونوں میں سے کسی ایک کا تذکرہ کرتے، تو بے طرح مچلتے اور جھومتے اور ایسے وقت میں ان کے لہجے میں اس قدر شیرینی اور عشق کرشمہ سازی کی وارفتگی پائی جاتی کہ سننے والا بھی وجد کرنے لگتا، وہ دارالعلوم سے عشق اور شیخ الاسلام سے تلمذ کو مقدس ترین سرمایہ زندگی سمجھتے تھے۔ وہ دارالعلوم آتے، تو ان کے ہر رویے سے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے مچھلی خشکی کی اذیت سے پانی کی راحت میں آگئی ہے اور زندگی کی لذتوں سے دوبارہ ہم کنار ہوگئی ہے۔ ان کے تمام حرکات و سکنات سے ایسا لگتا کہ ایک عاشقِ محروم کو حقیقی وصال کی لذت اندوزیوں کا موقع مل گیا ہے۔ دارالحدیث فوقانی میں ان کی عرصہ ۱۷۔۱۸ سال پہلے کی تقریر کے یہ جملے میرے کانوں کو لگتا ہے کہ اب بھی محظوظ کر رہے ہیں:

''دوستو! میں یہاں بیٹھ کر آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں، کیوں کہ میرے کانوں میں شیخ الاسلامؒ کی آواز اس کونے سے اب بھی آرہی ہے، صاف و شفاف آواز، عشق رسولؐ کے آب زلال سے دھلی ہوئی زبان کی پرسوز آواز، حدیث رسولؐ کی تلاوت کی آواز، ان کا عربی لہجہ، ان کا مدنی طرزِ ادا، ان کی عالمانہ شان، ان کی مجاہدانہ آن

بان، ان کا منور و پاکیزہ چہرہ، یقین پرور اندازِ کلام، دلوں میں گھر کر جانے والا خلوص... میں کہاں سے الفاظ لاؤں اور کس طرح میں الفاظ کو معانی و حقائق کی صحیح صحیح تجسیم کی طاقت بخشوں کہ وہ ان احساسات و جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر سکیں جو دارالعلوم میں آنے کے بعد، میرے قلب کی پہنائیوں اور دل کی اتھاہ گہرائیوں میں موج زن ہو جاتے ہیں۔ میں جذبات کے طوفان کو زبان سے کانوں تک منتقل کرنے سے قاصر ہوں۔ یہاں کے چپے چپے پر مہر و وفا کی جلوہ گری ہے، عشق بے خطر کی دولت بے بہا کا جو دریا یہاں رواں ہے۔ مکتب کی جو واقعی کرامت اور فیضان نظر کا کرشمہ یہاں ہر آن نظر آتا ہے۔ علم و فضل کی بے پناہی کے پہلو بہ پہلو آدم سازی اور قلب کی صیقل گری کا جو کارخانہ یہاں مصروف کار ہے، دین وسط اور توازن و اعتدال کے ساتھ ساتھ تعمیر نو کا جو درس یہاں دیا جاتا ہے، میں ــــ سچی بات یہ ہے کہ ــــ اس کی تصویر کشی سے عاجز ہوں۔ یہاں آکر طالب علمانہ کھلا پن، طفلانہ معصومیت، حوصلہ مندانہ نوعمری، لاپرواہ کم سنی، خودرائی شعار نوجوانی، یادوں کی بارات، ماضی کے خوب صورت نقوش، اساتذہ کی شفقتیں، ان کی فیاضانہ ساقی گری، سبھی باتیں حافظے کے کینوس (Canvas) پر ابھر آتی ہیں...''

کہا جا سکتا ہے کہ علم کی صنعت پر مولانا مجاہد کو عبور تھا، وہ صرف ان کی محنت و خوئے جستجو یا ذوق طلب و شوق سفر ہی کا نتیجہ نہ تھا، بل کہ مذکورہ عشق و عقیدت کا بھرپور فیضان تھا۔ شجر سے وابستہ رہنے کی عادت حسنہ، بہار اور ان گنت نئے نئے برگ و بار کی ضامن ہوتی ہے۔ وابستگی کے تقدس پر ایمان، انسان کو اس انسان اور اس ادارے کا مثالی نمونہ بننے پر آمادہ کرتی رہتی ہے، جس سے وہ وابستہ ہوتا ہے۔ وابستگی کا منکر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتا ہے، جس کی کوئی منزل ہوتی ہے، نہ راہ، نہ کارواں۔ مولانا مجاہد کے علمی و فکری فتوحات کی بوقلمونیوں اور گل کاریوں میں مذکورہ فیضان ہر سطح پر نمایاں نظر آتا تھا۔

ان کا دوسرا امتیاز وصف یہ تھا کہ وہ غیر معمولی ذہین آدمی تھے۔ ان کی ذہانت محض کتابی اور مطالعہ و معلومات کی اسیر نہ تھی۔ وہ حالات، زمانہ، انسان، زندگی اور معاشرے کے بھی نبض شناس تھے اور ہر نازک اور پیچیدہ مرحلے میں ''صحیح ترجیح'' یا ''پسند'' کو اختیار کرنے کے حوالے سے

انہیں دیر نہیں لگتی تھی۔ ذہانت ہی کے طفیل سے وہ جوہر شناسی میں بھی طاق تھے۔ نیز ہر انسان سے اس کے پسندیدہ رویے کے مطابق پیش آنے اور اس کو اپنا بنا لینے اور اپنا بنائے رکھنے اور صلاحیت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا گر جانتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنے گرد با صلاحیت افراد کو اکٹھا کرلیا تھا۔ یہ اکٹھا ہو جانے والے متنوع الاستعداد افراد نہ کبھی ان کے کارواں سے ٹوٹے نہ کبھی خود ان سے روٹھے، نہ ان کے علم وعمل کے حرم سے بدگماں ہوئے۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ علم وعمل کی ان کی راہ مستقیم تھی ورنہ زندگی کا تجربہ بتاتا ہے کہ کج مج کردار کے حامل انسان سے، لوگ بدگماں ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور محض علم کا گھنیرا پن اس پیارے اور راحت بخش سایے کو وجود نہیں دے پاتا، جس میں آنے کا شوق لوگوں کو کھینچتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی آرزو مختلف الاقسام انسانوں کو اس سے مربوط رکھتی ہے۔ مولانا مجاہد سے اگر کوئی کبھی بدگماں ہوا، تو یقیناً، ان کی ذات یا صفات کی وجہ سے نہیں، بل کہ اردگرد کے بعض افراد اور مشیرانِ کار کے غلط بھاؤ کو بھی اس میں دخل ہو سکتا ہے۔ نیز یہ کہ مولانا مجاہد بہ ہر کیف ایک انسان تھے اور اپنے ماحول اور عصر ہی کی پیداوار تھے۔ انسان بہر کیف غلطی کرسکتا ہے، اس لیے کسی انسان کو اس کے مجموعی رویوں کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، اس لیے کہ صرف مولانا مجاہد اور ان کے قد کے لوگ یا ان سے کم تر لوگ انسان نہیں تھے، بلکہ ہم سبھی لوگ بھی انسان ہی ہیں اور ہم سبھوں کے اعمال وکردار صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی۔

ذہانت ہی کی وجہ سے انہوں نے اپنے کتابی علم کو نکھارا، اپنے مطالعے اور معلومات کو صیقل کیا اور آگہی کا دائرہ اتنا وسیع کرلیا کہ معاشرے کے ہر طبقے کے لوگ اور جدید وقدیم دونوں حلقوں کے افراد، حتی کہ مسلمان وغیر مسلم حضرات، ان سے مل کر ان کے افکار وخیالات سن کر یکساں طور پر نہ صرف مطمئن ہوتے تھے، بلکہ محظوظ ہوتے تھے۔

ان کو دوسروں سے یہ چیز بھی ممتاز کرتی تھی کہ ان کا ملنے اور آنے جانے والوں کا استقبال کرنے کا انداز البیلا تھا۔ وہ اس طرح مسکراتے ہوئے پیار سے ملتے اور ان کے مصافحے اور معانقے میں ایسی گرم جوشی اور اپنائیت ہوتی کہ بعض دفعہ آدمی ایک ہی ملاقات میں، ان ہی کا ہو کے رہ جاتا۔ ان کی شیریں گفتگو، عالمانہ تواضع، قدرتی انکسار، سادہ انداز، تصنع کی آمیزش سے مکمل طور پر منزہ اچھے، سچے اور کھرے انسان کی ادا، ہر ملنے والے کا دل موہ لیتی، چند منٹ کے لیے

جائیے لیکن ادائے دل نواز ان کے پاس سے ہٹنے کی اجازت نہ دیتی، الا یہ کہ آپ خود ان کی مشغولیت کو دیکھ کر واپسی کی اجازت لے لیں، لیکن اجازت لینے پر بسا اوقات آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھ کر بھینچ لیتے اور کہتے بھائی اور بیٹھو، ابھی جی نہیں بھرا، کیا جلدی ہے؟ کتنے دن بعد آئے ہو، جلدی جلدی ملا کرو، تم سے ملنے کو جی چاہتا رہتا ہے۔ مجھے کہنے دیجیے کہ علمائے مشاہیر میں، ان کی طرح دل میں سما جانے والا، اسیر کر لینے ولا، اپنوں سے زیادہ بن جانے والا اور اپنا بنانے والا، کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی خوش اخلاقی اور دل آویزی کے ساتھ ساتھ، ملنے والے کو ان کی ذہانت، علمی بے پناہی، فکر و فراست کا امتیاز اور امت کی مجبوری ورنجوری کی عالم گیر کیفیت کے ازالے کے لیے کارگر تدبیر تک رسائی کی ان کی کوشش پیہم کا استحضار، ان کی محبت کا ہمیشہ کے لیے اسیر کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ ملنے والے کا دل گواہی دیتا کہ گویا وہ اپنے سارے وجود کے ساتھ ان کے دل میں جگہ پا سکتا ہے اور دیگر ملاقاتیوں کے لیے بھی اس کی وسعتیں کم نہ ہوں گی۔

اس سلسلے میں ایک دو واقعات کا تذکرہ برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اوائل ربیع الاول ۱۴۰۰/ اواخر جنوری ۱۹۸۰ء کی بات ہے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں میری تدریس کے زمانے میں اچانک وارد ہوئے، اپنے اسی محبت بھرے لہجے میں دعا و سلام کے بعد فرمایا کہ میں ایک ضرورت سے یہاں لکھنؤ آیا تھا، پھر ندوہ آنا ناگزیر تھا۔ یہ خیال بھی یہاں لے آیا کہ میری عرصے سے ایک تمنا ہے کہ میں تم سے درخواست کروں کہ امارت شرعیہ کا اچھا سا تعارف، تم اپنی خوبصورت عربی میں لکھ دو۔ اور جلدی لکھ دو۔ میں کچھ عذر کرنا چاہتا تھا، لیکن انہوں نے کوئی جملہ ادا کرنے نہ دیا اور فرمایا: میں سمجھتا ہوں، تم مدرس ہو، پڑھانے کے علاوہ بہت سے لکھنے کے مشاغل ہیں، مولانا علی میاں صاحبؒ (متوفی ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء) کے تحریری کاموں میں بھی حصہ لینا رہتا ہے، لیکن تم کو اس کے لیے بہر صورت وقت نکالنا ہے۔ میں نے عرض کیا: حضرت! فلاں میرے دوست فلاں جگہ رہتے ہیں، جہاں آپ یقیناً زیادہ آتے جاتے ہیں، ان سے ربط کرنا بھی میری بہ نسبت زیادہ آسان ہوگا، آپ انہیں حکم فرمادیں، شاید کام اچھا ہو اور زیادہ جلدی۔ فرمایا: پھر تم نے بکواس شروع کر دی۔ بھائی میں تم سے ہی کام لینا چاہتا ہوں۔ ان کی محبت و شفقت کے سامنے میں بے بس ہو گیا اور کوئی عذر نہ کر سکا کہ ان کے پیار اور اپنائیت کے انداز کے سامنے اظہار عذر، گناہ سا معلوم ہوا،

یکم ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء بہ روز یک شنبہ کو میں مظفر پور سے پٹنہ آمد و رفت کے قدیم راستے یعنی ''پہلیجا گھاٹ'' سے اسٹیمر کے ذریعے، ان سے کیے ہوئے مذکورہ وعدے کو وفا کرنے کے لیے، زندگی میں پہلی بار پٹنہ اور وہاں سے بہ ذریعہ تانگا، پھلواری شریف پہنچا۔ میں وہاں تین دن رکا۔ امارت کا دفتر پھلواری شریف قصبے کے بالکل اندر تنگ گلی کے ایک دفتر میں واقع تھا۔ مولانا مجاہدؒ نے اتنی محبت دی، اپنائیت، خوش اخلاقی، مہمان داری اور خرد نوازی کا نمونہ پیش کیا کہ میرے الفاظ اس کی تصویر کشی سے قاصر ہیں، اکثر اوقات ساتھ ساتھ رہتے، دل لگاتے، چھوٹی سی مسجد میں پنج گانہ نماز میں ساتھ ہوتے، اکثر ساتھ ہی ناشتہ کرتے اور دوپہر کا کھانا کھاتے۔ ایک روز میرے ایک ندوی شاگرد یعنی مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری خانقاہ مجیبیہ والے کے بڑے صاحب زادے، جن کا نام غالباً نصر احمد تھا، دعوت دینے آئے کہ والد صاحب نے آج دوپہر کھانے پر مدعو کیا ہے اور رات کا قیام خانقاہ مجیبیہ ہی میں تجویز کیا ہے۔ مولانا مجاہدؒ بڑی مشکل سے رضامند ہوئے۔ عشا بعد خانقاہ کے لیے اپنی متبسمانہ ادا کے ساتھ ہاتھ کو ہاتھ میں لے لے، اس طرح رخصت کیا کہ جی چاہا کہ اپنے عزیز شاگرد سے معذرت کردوں کہ بھئی پھر دعوت کر لینا، اب کی بار تو مولانا کی صحبت سے محروم نہ کرو، لیکن مولانا مجاہد نے یہ کہکر میری مشکل آسان کردی کہ جاتے ہو تو جاؤ لیکن فجر کے بعد فوراً آجانا، ناشتہ میرے ساتھ کرنا ہے۔

شنبہ ۲۳/ رجب ۱۴۰۰ھ = ۳/ جون ۱۹۸۰ء کو میں امارت شرعیہ کے تعارف والے عربی کتابچے کا مسودہ مکمل شکل میں لے کر، صرف ایک روز کے لیے، اسی ''پہلیجا گھاٹ'' کے اسٹیمر والے راستے سے ''مہندرو گھاٹ'' پٹنہ اور وہاں سے بہ ذریعہ ٹیمپو پھلواری شریف پہنچا۔ مولانا مجاہدؒ اسی محبت اور گرم جوشی سے ملے، بلکہ عربی میں امارت کے تعارف والے کتابچے کو ''مال غنیمت'' سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر تین دنوں بعد ہی واپسی کی اجازت دی۔ بہت سی کتابوں اور منصوبوں کو عربی شکل دینے کے لیے رائے مشورہ کیا اور امارت کے قضا کے کاموں کی تفصیلات بتائیں۔ ان دنوں کو یاد کرتا ہوں تو دل بھر آتا ہے۔

سہ شنبہ ۱۷/ شعبان ۱۴۰۰ھ = ۱/ جولائی ۱۹۸۰ء کو میں اپنے وطن مظفر پور سے، لکھنؤ کے لیے روانہ ہوا۔ اس زمانے میں مظفر پور سے ''سونپور'' تک تو بڑی لائن بن چکی تھی، لیکن اس سے

آگے لکھنؤ تک چھوٹی لائن کو بڑی لائن میں تبدیل کرنے کا کام جاری تھا، اس لیے لکھنو جانے والے مسافر اکثر بس یا جیپ وغیرہ کے ذریعے سونپور پہنچ کر، وہاں سے بذریعہ ٹرین سفر شروع کرتے تھے۔ میں مظفر پور سرکاری بس اڈے کے باہر ایک جیپ والے سے سونپور کے لئے بات کررہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے کرتے کو کھینچتے ہوئے کہا نور عالم! میں نے جومڑ کے دیکھا تو مولانا مجاہد کو اچانک پا کر اتنی خوشی ہوئی جیسے اس شخص کو ہوتی ہوگی جسے عین مشکل کے وقت کوئی مخلص غم گسار مل جائے۔ فرمایا چلو ساتھ چلتے ہیں، سونپور تک ساتھ رہے گا۔ میں اسی جیپ سے ''پہلیجا'' چلا جاؤں گا ،تم سونپور میں اتر جانا۔ جیپ پر سوار ہونے کے بعد میں نے خیر خیریت دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا ابھی چند روز قبل گرامی نامہ ملا تھا، انہوں نے حکم فرمایا تھا کہ ۲۴۔۲۶/ جون ۱۹۸۰ء کی کسی تاریخ کو میں پٹنہ یا مونگیر حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں، لیکن خط تاخیر سے ملا، اس لیے میں اس سعادت سے محروم رہا۔ انہوں نے اپنے مکتوب میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ امارت شرعیہ پر تمہارا مقالہ'' خدمة دينية عظيمة '' مستقل کتابچے کی شکل میں چھپا ہوا عزیزی ولی سلمہ (مولانا سید شاہ ولی رحمانی) نے دیا۔ تحریر بہت بلند ہے۔ لیکن طباعت ناقص ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا مجاہدؒ نے اپنے بیگ سے کتابچے کا ایک نسخہ نکال کر مجھے عنایت کیا۔ میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ پھلواری شریف سے کب تشریف لائے؟ فرمایا میں ۱۸/ جون کو'' جالہ'' آیا تھا اور اس وقت وہیں سے پھلواری شریف جارہا ہوں۔ مولانا نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کے دسیوں سال سے ہم آپ سفر کر رہے ہیں، مگر کسی سفر میں ساتھ نہیں ہوا، حسنِ اتفاق کہ آج ساتھ ہوگیا۔ میں کتابچے کے مطالعہ میں لگ گیا اور مولاناؒ انگریزی اور اردو اخبارات پڑھنے میں منہمک ہوگئے۔

مظفر پور سے سات کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ جیپ والے نے یہ منحوس خبر سنائی کہ اس کی گاڑی کا انجن بیٹھ گیا ہے، اس لیے ہم لوگ کوئی دوسری سواری کی سوچیں۔ ہم لوگ بہت متفکر ہوئے کہ کیا کریں۔ اتنے میں ایک بڑا ٹرک آیا۔ جیپ کے دیگر مسافر اس پر کود کر بیٹھ گئے۔ مولانا، میں، ان کے رفیق سفر وہیں پڑے رہے۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک چائے کی دکان میں جیسے ہی پہنچے کہ چند سوٹ بوٹ والے نوجوان نمودار ہوئے، مولاناؒ کو دیکھتے ہی اچنبھا ہوئے، واقعہ کا علم ہوا، تو وہ معقول سواری کی تلاش میں لگ گئے، اتنے میں ایک پرائیوٹ بس آئی اور ان لوگوں نے

احترام کے جذبات کے ساتھ ہمیں اس پر سوار کر دیا اور ہمارے سارے سامان بھی ہاتھوں ہاتھ اس پر ڈال دیے۔ بس چل پڑی تو میں نے مولاناؒ سے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ مولاناؒ نے فرمایا: بھئی! میں بھی نہیں جانتا، لیکن میں نے ان سے یہ پوچھنا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ مروت کے خلاف سمجھا، وہ اپنے دل میں سوچتے کہ یہ کیسے مولانا ہیں کہ میں انہیں پہچانتا ہوں اور یہ مجھے نہیں پہچانتے؟ اندازہ یہ ہے کہ یہ لوگ ٹریننگ اسکول کے طلبہ ہیں کیوں کہ اس گاؤں کا نام "ترکی" ہے اور یہاں کا یہ اسکول بہت مشہور ہے۔

اس واقعے سے مولانا کی خوش خلقی، شرافت اور خوئے انسانیت عیاں ہے۔ اسی ہتھیار سے انہوں نے ہزاروں دلوں کو فتح کیا اور ہزاروں آنکھوں کو اپنے بعد اشک بار چھوڑ گئے۔ غیر معمولی علم وفراست اور فطانت وذہانت کے ساتھ ملنساری، خوش اخلاقی اور خندہ روئی کی اتنی بڑی دولت، کم لوگوں کو ہاتھ آتی ہے، لیکن جن لوگوں کو ہاتھ آتی ہے، خلق خدا کی بڑی تعداد، ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کے بعد، پھر اپنا ہاتھ کبھی نہیں کھینچتی، کہ دلوں کا فاتح، فاتح زمانہ ہوا کرتا ہے۔

۱۴۰۲/۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند آمد کے بعد مجھے متعدد مرتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اب امارت کے سارے دفاتر پھلواری شریف پٹنہ شاہ راہ عام پر کشادہ اور شان دار عمارتوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ مولاناؒ سے ہر مرتبہ مل کر نہ صرف جی خوش ہوتا، بل کہ ان کی اپنائیت اور شفقت میں اضافہ محسوس ہوتا۔ ایک آدھ مرتبہ بلا وقت بھی ان کی خدمت میں جا دھمکا۔ ایک مرتبہ مجھے اپنے بعض مسائل کے حل کے لیے بعض آزمودہ کار حضرات کے مشورے سے، مرحوم سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں انہیں ذاتی اور ناگزیر کام کے لیے زحمت دینے آیا تھا۔ وہ سابقہ تمام ملاقاتوں سے زیادہ خندہ پیشانی سے ملے۔ اسی وقت پٹنہ سرکاری دفاتر کے بعض شناسا اور متعلقہ افسران کو انگریزی میں خطوط لکھے اور نتیجے کا انتظار کرنے کی تلقین کے ساتھ، مجھے اسی دل داری کے ساتھ رخصت کیا اور فرمایا کہ بہ صورت دیگر مجھ سے دوبارہ ربط کرنا۔

دیوبند کے میرے اب تک کے ۲۰ سالہ دورانیۂ عمل میں، وہ کئی بار دیوبند تشریف لائے۔ وہ جب تشریف لاتے، فوراً کسی کے ذریعے جن لوگوں کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کا اہتمام

فرماتے ،ان میں راقم الحروف بھی ہوتا۔ایک بار مجھے دارالعلوم کے مہمان خانے میں تشریف آوری کے فوراً بعد بہ جلد حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ میں جیسے ہی حاضر ہوا علیک سلیک کے بعد مہمان خانے سے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے نیچے اترے۔ میں نے سمجھا کے شاید میری قیام گاہ افریقی منزل تشریف لیجانا چاہتے ہیں،لیکن وہ دارالعلوم کی مسجد قدیم والے چوراہے کی طرف مڑے اوراس کو میرا ہاتھ پکڑے ہوئے عبور کر گئے اور فوراً حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی کے مکان میں داخل ہو گئے۔ میں نے انہیں جب دیکھا کہ یہ حضرت میرے ساتھ ''ریڈلائن'' (Red Line) پار کررہے ہیں ـــــ کیوں کہ دونوں دارالعلوموں میں جو دوری ہے،اس کی وجہ سے ایک دارالعلوم کے اساتذہ کا دوسرے دارالعلوم کے اساتذہ سے ملنا عملاً تقریباً بند ہی ہے ـــ تو میں نے اپنا ہاتھ جھٹکنا چاہا۔مولانا نے جھٹ فرمایا:

چوں دردوستی مخلصم یافتی عنانم زصحبت چرا تافتی؟

اور فرمایا آؤ تو سہی مجھے تم سے ضروری کام ہے۔ حضرت مولانا سالم کی بیٹھک میں جیسے ہی ہم لوگ داخل ہوئے ، وہاں اخبار نویسوں کو دیکھا کہ وہ مولانا مجاہد سے انٹرویو کے لیے بیٹھے ہیں۔آدھے گھنٹے بعد واپس تشریف لائے اور سیدھے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے ملاقات کے بعد مہمان خانے واپس آئے۔فرمایا کہ عزیزم! میں نے کویت کی وزارتِ امور مذہبی واوقاف کی طرف سے شائع کردہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کا اردو ترجمہ کروانے کا پروگرام تشکیل دیا ہے۔اس سلسلے میں تم سے زیادہ امیدیں وابستہ ہیں، دیگر فضلا کا بھی انتخاب کرلیا ہے،لیکن تمہیں سب سے زیادہ زحمت دینی ہے یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک جلد کا آدھا حصہ میرے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ اتنے کا ترجمہ تو بہ جلد ہی کردو، میں دیوبند آمد کے دوایک سال کے بعد سے ہی مجموعۂ امراض سا ہوگیا ہوں، کارہائے مفوضہ کی انجام دہی کے بعد ، دیگر کوئی کام مشکل سے کرپاتا ہوں،لیکن محبت افشانی اور پیار پاشی کے ان کے انداز کو نظر انداز کی جرأت نہ کرسکا،مگر دوڈھائی سوصفحات کا ترجمہ بہ مشکل تمام ایک سال میں مکمل ہوسکا،جس کو فقہ اکیڈمی کے محسن عثمانی صاحب ندوی کے سپرد کرکے میں نے بڑی شرمندگی کے ساتھ،ان سے معذرت کرلی۔

وہ کئی مرتبہ از خود اور بعض دفعہ میری درخواست پر میری قیام گاہ افریقی منزل قدیم تشریف لائے۔ ایک بار تو خاص میری عیادت کو آئے، فرمایا سنا ہے کہ تمہیں تلوے میں اکثر زخم رہا کرتا ہے، دیکھیں کہاں ہے؟ میں نے زخم کھول کر دکھایا، تو پوچھنے لگے کہ تم کہاں علاج کراتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اکثر دیوبند ہی میں کسی ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہوں کہ یہ آسان ہے، جب زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو دہلی میں ''آشرم'' کے علاقے میں واقع ''جیون نرسنگ ہوم'' کا قصد کرتا ہوں کہ حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (متوفی ۱۴۱۵/ ۱۹۹۵ء)___ جوان دنوں حیات تھے___ اکثر اپنا علاج بھی وہیں کراتے ہیں۔ فرمایا: دیکھو یہ کوئی ادب اور زبان کا مسئلہ نہیں ہے کہ تم مولانا وحید الزماں کیرانوی کی اس سلسلے میں بھی تقلید کرتے ہو۔ تم ایک آدھ بار تو پٹنہ آؤ، ورنہ دہلی میں میری موجودگی میں کبھی آو، تمہارا علاج میں کسی اچھی جگہ کرانا چاہتا ہوں۔ میں آج کل کرتا اور سوچتا ہی رہا کہ مولاناؒ کے حکم کے مطابق دہلی میں ان کے توسط سے کوئی، کارگر علاج کسی موقع سے ضرور کراؤں گا کہ اتنے میں مولانا خود انتہائی بیمار اور لاچار، بلکہ رہینِ فراش اور آخرش بسترِ مرگ پر دراز ہوگئے۔ وقت، موقع اور حالات کس کا انتظار کرتا ہے کہ میرا یا مولانا مجاہدؒ کا کرے؟۔

دہلی کے طویل قیام کے دوران، متعدد مرتبہ عیادت اور ملاقات کے لیے حاضر ہوا، بیماری کے ساتھ ساتھ تصنیفی و تحقیقی مشاغل اور ملت کے ہمہ جہت مسائل کے حوالے سے ہمہ وقت متفکر رہنے کی وجہ سے، ان کا وقت انتہائی مصروف رہا کرتا تھا، مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کے بعد ان کی ذمہ داریاں دو چند ہوگئی تھیں، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی رفیق کار یا خادم نے ان سے یہ کہا ہو کہ دیوبند سے نور عالم آیا ہے اور انہوں نے اسی وقت اندر نہ بلا لیا ہو۔ جب بھی ملتا سراپا محبت و شفقت نظر آتے، مصافحہ کرتے وقت دیر تک ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے رہتے اور فرماتے تم ایسے چند مخلصوں سے مل کر زندگی پر اعتماد بحال ہو جاتا ہے۔ کبھی فرماتے اتنے دنوں بعد کیوں آئے ہو؟ اِدھر چند ہفتوں سے وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے تھے، لیکن خوش اخلاقی اور خندہ روئی کا خزانہ حسب سابق لٹاتے رہے۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کو، ان کے معاصرین واقران علما سے یہ بات بھی ممتاز کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی قدرت گویائی سے نوازا تھا۔ گویائی کے دعوے دار ہماری صف

میں بہت سے لوگ نکل آئیں گے، جو بے ہنگم طریقے سے شور مچانے اور بے تکان گھنٹوں سمع خراشی اور گلے کی مشق کی بلا کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن میری مراد یہ نہیں۔ مولانا بھرے مجمع میں تقریر کرتے، یا کسی مجلس میں کوئی گفتگو کرتے، تو متعلقہ موضوع کو ترتیب کے ساتھ، خوش اسلوبی کے ساتھ اور اس کے تمام ممکنہ گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے، اس طرح مدلل، منظم، باقاعدگی، خود اعتمادی اور ڈھنگ سے پیش کرتے کہ مخاطب نہ صرف متاثر ہوتا، بلکہ مرعوب ہو جاتا تھا۔ وہ الفاظ کے انتخاب میں بڑے ماہر تھے، تعبیر کی خوبیوں اور خرابیوں اور طرز ادا کے محاسن و معائب کو اچھی طرح جانتے تھے۔ موضوع خواہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا ہو، یا تازہ ترین حالات پر تبادلۂ خیال ہو، یا ہندی مسلمانوں کو درپیش چیلنج زیر غور ہو، یا اخبار نویسوں کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے مطمئن کرنا ہو، مولانا مجاہدؒ کی شگفتہ، شستہ، برجستہ، نپی تلی، بلیغ، موقع ومحل کے لیے موزوں، موتیوں کی طرح پروئی ہوئی، حشو وزوائد سے پاک اور حجت و برہان سے مستحکم گفتگو، مخاطب کو زبان حال اور بعض دفعہ حال اور قال دونوں سے یہ کہنے پر مجبور کر دیتی کہ۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

وہ قانونی پہلو والی پیچیدہ اور طویل گفتگو کو حیرت ناک طور پر، آسان زبان میں مختصر طور پر پیش کرنے میں طاق تھے۔ یعنی بہ وقت ضرورت کسی بھی موضوع کا خلاصہ یا اس کا جوہر نکال کر مخاطب کے سامنے رکھ دینے کی عجیب سی قدرت رکھتے تھے اور اگر کسی موضوع کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے، تو قطرے کو سمندر اور ذرے کو بیاباں بھی بنا دیتے۔ یعنی مقام اور موضوع کا جیسا تقاضا ہو، ویسا کرتے۔

پھر عجیب سی بات یہ تھی کہ مخاطبین خواہ علما ہوں، خواہ مفتیان کرام ہوں، مفکرین اسلام ہوں، دانش وران قوم ہوں، زعمائے وطن ہوں، سیاست داں ہوں، پھر یہ کہ صرف مسلمان کا مجمع ہو، یا صرف غیر مسلموں کا، یا دونوں فرقوں کا، مولانا مجاہد سبھوں سے اپنی چشم کشا اور بصیرت افروز گفتگو، اپنے خیالات کی سچائی اور نقطۂ نظر کی صحت کو منوا لینے میں فرد تھے۔ اس سلسلے میں ان کی ذہانت، علمی جامعیت، شیریں سخنی، موضوع پر قابو، مطالعے کی وسعت، حالات حاضرہ سے آگاہی

اور اردو عربی کے علاوہ انگریزی زبان پر دست رس بھی ان کا ساتھ دیتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کے بعد (جو دراصل حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی تحریک وفکر، مولانا مجاہد کی منصوبہ بندی اور ہندی مسلمانوں کے گوہر شب چراغ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب ؒ کی قیادت و سرپرستی میں معرض وجود میں آیا) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی اور مولانا مجاہد کی ملی خدمات کا قافلہ، جب بہار سے پورے ملک کے لیے سرگرم سفر ہوا اور محبان دین کو دونوں غازیانِ کردار وگفتار کے خلوص اور قائدانہ صلاحیت سے واقفیت ہوئی، تو اکثر لوگوں کو کہتے سنا کہ مولانا منت اللہ رحمانی اگر ملت کی گاڑی کا مضبوط انجن ہیں، تو مولانا مجاہد اس انجن کا پٹرول ہیں۔ یعنی اول الذکر کا دماغ ایک نقشہ بناتا ہے اور ثانی الذکر کا علم وفکر اس میں رنگ بھرتا ہے اور اپنے علم کی تازہ کاری اور فکر کی بالیدگی اور زبان وبیان کی شیرینی سے، ملی خدمات کے لیے نئے نئے علاقوں کو فتح کرتا ہے۔

مولانا مجاہد ؒ کی قادر الکلامی اور ذہانت وفطانت کی پروردہ بلاغت کے حوالے سے، ایک واقعے کا تذکرہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لکھنؤ میں چار باغ ریلوے اسٹیشن کے نزدیک مسافر خانہ نیا نیا بنا تھا اواخر جمادی الاولی ۱۳۹۸/ اوائل مئی ۱۹۷۸ء میں اسی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کی اہم میٹنگیں منعقد ہوئیں، جن میں بورڈ کے سکریٹری جنرل حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، اس وقت کے قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ؒ، اُس وقت امارت شرعیہ کے ناظم اور اس وقت امیر شریعت وسکریٹری جنرل بورڈ مولانا نظام الدین، ندوۃ المصنفین دہلی کے بانی و سرپرست اور ممتاز اسلامی قائد مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، (متوفی ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء) مفتی ضیاء الحق دہلوی، امیر جماعت اسلامی مولانا یوسف ؒ، سابق امیر جماعت مولانا ابو اللیث ندوی ؒ، آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر ابراہیم سلیمان سیٹھ اور اس کے اہم لیڈر غلام محمود بنات والا، نیز مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی ؒ اور عالم جلیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء)، لکھنؤ کے فرنگی محلی عالم مولانا ہاشم میاں ؒ، ندوہ کے شیخ التفسیر مولانا برہان الدین سنبھلی (لکھنؤ) اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وغیرہ نے شرکت کی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، حضرت مولانا علی میاں ندوی ؒ (جنہیں اعتراف حق کی غیر معمولی

توفیق سے خدائے بخشندہ نے نوازا تھا اور جو خود بے نظیر اور عالم میں انتخاب عالم ومفکر وادیب و خطیب تھے) جب بھی مذکورہ میٹنگ کی کسی نشست میں شرکت کے بعد، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں تشریف لاتے، جہاں ان کا لکھنؤ آمد کے وقت قیام ہوا کرتا تھا، تو وہ اس میں ہونے والی گفتگو اور مسائل پر ہونے والے تبادلۂ خیال سے زیادہ، والہانہ انداز میں اور بار بار مولانا مجاہدؒ کے حسن بیان، قانونی نزاکتوں اور فقہی نقطوں کی دیدہ ورانہ تشریح کا، منھ بھر بھر کے اور مزے لے لے کر تذکرہ کرتے اور فرماتے کہ مولانا مجاہدؒ ہندی مسلمانوں کا قیمتی سرمایہ ہیں، اللہ نے عجیب سی قدرت گفتار سے انہیں نوازا ہے جس بات کو دیگر علما گھنٹوں میں بیان نہیں کر سکتے، مولانا مجاہد نے منٹوں میں اس طرح بیان کر دیا کہ لوگ واہ واہ کرنے لگے۔ ضرورت ہے کہ انہیں آگے بڑھایا جائے اور ملک وملت کے مسائل کے حل کے لیے، ان کے تازہ وبھرپور علم، قادرالکلامی اور حیرت ناک ذہانت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

برصغیر کے علما میں وہ اس بات میں بھی ممتاز تھے کہ ان کا ذہن، علم فقہ اور قضا وافتا کے لیے خدائے علیم نے خاص طور پر ڈھالا تھا، ایسا لگتا تھا کہ وہ عصر حاضر میں اس صنعت کے خاص عالم کی حیثیت سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کو اس باب میں جو مہارت وبصیرت تھی، اس میں پاکستان کے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کے بہ جا طور پر استثنا کے ساتھ، ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس دعوے کو شاید ہی کوئی انصاف پسند اور حق گو عالم چیلنج کر سکے۔ ان کی شہرت جب اندرونِ ملک سے بیرون ملک پہنچی اور عالم عرب و عالم اسلامی کے علما ہی نہیں وہاں کے قانون دانوں کو ان کی ہمہ گیر فقہی بصیرت کا علم ہوا تو سبھوں نے ان کا لوہا مانا، چناں چہ عالم عرب کے علاوہ دیگر مغربی اور افریقی ممالک میں انہیں فقہی، شرعی اور علمی سیمیناروں میں دعوت دی گئی، وہاں ان کے متعدد فقہی وعلمی اداروں کے ممبر اور سرپرست منتخب ہوئے، ہر جگہ ان کی پذیرائی ہوئی، بل کہ فقہ و قضا واجتہاد میں ان کی انفرادیت کا ماہرین فن اور مفکرین نے کھل کر اعتراف کیا۔ کویت، سعودی عرب اور مصر کے علما وارباب علم ودانش نے تو بہ طور خاص انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جامعہ ازہر کے موجودہ شیخ سید طنطاوی ان سے بہت متاثر تھے۔ علوم شریعت میں ان کی گہرائی کو خراج عقیدت ہی کی بات تھی کہ انہیں اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ، اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، علمی اکیڈمی شام، ہیئۃ خیر

یہ اسلامیہ کویت وغیرہ کا رکن، منتخب کیا گیا اور اندرون ملک تو وہ اسلامی فقہ وقضا کا عنوان، بل کہ اس کی آبرو تھے۔ عالم اسلام کے علما وفقہاء، ان کی ایک ملاقات کے بعد ہی ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے، وہ ایک مرتبہ عرب کے محکمۃ العدل ریاض میں تشریف لے گئے، قاضیوں سے ملاقات ہوئی، فیصلوں کے طریقوں پر تبادلۂ خیال ہوا۔ مولانا مجاہدؒ نے جب وہاں کے قاضیوں کو اس راہ کے اپنے طویل تجربوں اور امارت شرعیہ میں اپنے فیصلوں کے انداز پر عربی میں فاضلانہ گفتگو کی، تو وہ لوگ ان کا منھ دیکھتے رہ گئے۔ اس وقت ان قاضیوں نے طے کیا کہ وہ وقتاً فوقتاً مولانا مجاہد کو مدعو کر کے، ان کے تجربوں سے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ بعد میں اس پر عمل ہوا کہ نہیں۔

مدینہ منورہ میں شیخ سالم مالکیؒ سے ایک مرتبہ تفصیلی ملاقات ہوئی۔ وہ مولانا کے علم وتفقہ سے حد درجہ متاثر نظر آئے اور فرمایا کہ اگر میں اس وقت قضا کے منصب پر ہوتا، تو آپ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی، مجھے آپ جیسے عمیق العلم اور ذہین علما کی جستجو رہتی ہے۔

مولانا مجاہدؒ کا ایک امتیازی وصف یہ بھی تھا کہ ان میں فکر ونظر کی بھرپور وسعت پائی جاتی تھی، لیکن ساتھ ہی ان میں مومن کا توازن اور علوم شریعت میں گہرائی رکھنے والے عالم کی شان اعتدال اور ثوابت پر جمنے کی خوبی پائی جاتی تھی۔ وسعت نظری کی وجہ سے ان میں وسیع الظرفی تھی اور وسیع الظرفی اور کشادہ قلبی کی وجہ سے، ان کے اندر دوسروں کو برداشت کرنے اور کلمۂ توحید کی بنیاد پر امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور اتحاد ملت کی دعوت کو زور وشور سے ہر موقع سے، ہر بزم میں، اور اجلاس عام ومجمع خاص میں، پیش کرنے کا نہ صرف داعیہ پیدا ہوا، بل کہ انہوں نے اس دعوت کو عملی طور پر برپا کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں اور امکانات کا لیاقت کے ساتھ استعمال کیا۔ انہوں نے اپنے قول وعمل سے ہر جگہ یہ ثابت کر دکھایا کہ امت کے اتحاد کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ ملت کا وجود ہی معرضِ خطر میں آجائے گا، خصوصاً ہندوستان جیسے ملک میں جو دستور کے اعتبار سے خواہ سیکولر ہو، لیکن اکثریت کی بڑھتی ہوئی جارحیت اور ہندو مذہب کی جارحانہ تعبیر وعمل کی وجہ سے، تمام سرکاری اداروں اور مشینریوں کی سمتِ سفر میں تیزی سے جو خطرناک تبدیلی رونما ہو رہی ہے، وہ ننگی تلوار بن کر ملت کے وجود کے سر پر لٹک رہی ہے، اس لیے اب اگر تحزب، تعصب، تنگ نظری اور مسلکی ونظری اختلافات کو دین بنالینے کی کوشش کی گئی، تو یہ

بڑے جرم کی بات ہوگی اور ایسا کرنے والوں کو تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ (جس کے وہ شدید علالت کے زمانے میں، مفکر اسلام مولانا علی میاں کی رحلت کے بعد صدر ہوئے) تو شروع ہی سے ہندی مسلمانوں کا سب سے زیادہ مضبوط اور وسیع البنیاد پلیٹ فارم رہا، جس کو مولانا مجاہد نے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی سرپرستی میں، اول دن سے ملت کے اتحاد و اتفاق کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے استعمال کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد کے لیے پرسنل لاء بورڈ نے جو کوششیں کیں، ملت کی ملی و شرعی زندگی کی موت وزیست سے متعلق مسائل کے سلسلے میں جو اجتماعی فیصلے کئے، اس کی نظیر آزاد ہندوستان کی تاریخ میں کسی اور تنظیم کے حوالے سے ہرگز نہیں پیش کی جاسکتی۔

اتحاد ملت ہی کے جذبے سے انہوں نے کئی سال قبل آل انڈیا ملی کونسل کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد گزاری کی، تاکہ ہندی مسلمانوں کے مسائل کو متحدہ پلیٹ فارم کے ذریعے مؤثر طور پر پیش کیا جاسکے۔ مولانا کے اس اقدام سے نہ صرف مسلمانوں کی صفوں کے سیاسی طالع آزماؤں کو قلبی اذیت ہوئی، بل کہ علما کی صف میں ان کے بہت سے مخلصوں کو بھی ان کے اس فیصلے سے آخر تک اختلاف رہا۔ ثانی الذکر لوگوں کا اختلاف سچی نیت پر مبنی تھا، کیوں کہ ان کو بہ جا طور پر اندیشہ تھا، جو بعد میں حقیقت بن کر سامنے آیا، کہ مولانا مجاہدؒ جیسے عالمِ جلیل اور فقیہ وقت کو پرسنل لاء بورڈ اور امارت شرعیہ، نیز فقہ اکیڈمی کے بعد کسی اور پلیٹ فارم کی ضرورت نہ تھی کہ کسی درجے میں بھی سیاسی شناخت رکھنے والی تنظیم سے ان کے انتساب کی وجہ سے، سیاسی قسمت آزما لوگ ان کو اپنا حریف بنالیں گے اور بلا ضرورت ان جیسا بلند نگاہ، مخلص اور علوم فقہ و قضا کا بے بدل عالم، سیاسی اختلافات اور حریفانہ کش مکشوں کا نشانہ بن جائے گا اور ملت کی فقہی راہ نمائی، شرعی گرہ کشائی اور نئے نئے مسائل کے لیے دینی حل کی راہ پر جس قافلے کو انہوں نے سرگرم سفر کیا ہے، اس کی رفتار سست پڑجائے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ قافلہ اپنا سفر ہی روک دے۔

اہل علم وفکر کے بہت سے اقدامات سے اختلاف کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا، اس لیے مولانا مجاہد کے اس فیصلے یا دیگر اقدامات سے اختلاف کرنے والوں کو کون روک سکتا ہے، لیکن ان کے خلوص اور نیک نیتی سے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ ملی کونسل نے ملی خدمات کے میدانوں میں اپنی نوعمری،

مولانا مجاہد کی ہمہ قسم کی علالت، مخلص اور معتد بہ تعداد میں لائق افراد کار کی کمی اور بعض دیگر رکاوٹوں کے باوجود، متعدد ایسے کام انجام دیے، جو کسی اور تنظیم اور جماعت نے انجام نہیں دیے۔ مثلاً مسلمانوں کی حقیقی بیداری کے بہت سارے خاکوں میں رنگ بھرا گیا، انہیں تعلیمی سطح پر خصوصاً ٹیکنیکل اور طبی تعلیم کے میدان میں معقول بلند سطح تک پہنچانے کی جو کوشش کی گئی، اس طرح کے جو تعلیمی ادارے قائم کئے گئے، نیز سرکاری مشینری کے ظلم کے شکار مسلمانوں کے لیے، ہر علاقے میں قانونی چارہ جوئی کا جو موثر نظام برپا کیا گیا اور ٹاڈا جیسے ظالمانہ اور فسطائی قانون کے خلاف جو فعال قدم اٹھایا گیا، اسی طرح مسلم سیاست دانوں کو باقاعدہ طور پر جوڑنے کی جو کارروائی کی گئی، ملک کے دانش وروں اور چوٹی کے زعماء و قائدین سے بلا تفریق مذہب وملت، جس طرح رابطہ استوار کر کے، ٹھوس بنیادوں پر مسلمانوں کے مسائل ومشکلات سے انہیں آگاہ کر کے، انسانی بنیادوں پر حکومتی، سیاسی، ابلاغی اور عوامی سطح پر پیش کرنے کی انہیں جس طرح دعوت دی گئی، یہ سب کارنامے ملی کونسل کو دیگر مسلم جماعتوں سے امتیاز کی سند عطا کرنے کے لیے کافی ہیں اور ملی کونسل کے حوالے سے یہ سارے کارنامے مولانا مجاہدؒ اور ثانیاً ان کے خلوص کیش رفقا کے نامۂ اعمال میں انشاء اللہ درج ہوں گے۔

مولانا مجاہدؒ کا یہ کارنامہ بھی ممتاز اور ناقابل فراموش ہے کہ انہوں نے فقہ اکیڈمی کی تاسیس، اس کے سیمیناروں اور فقہی اجتماعات کے ذریعے، نہ صرف ان گنت نئے نئے مسائل کے شرعی حل پیش کئے اور امام ابوحنیفہؒ کے طرز عمل پر، عمل کرتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے نقطۂ نظر کو عملی جامہ پہنایا، عام کیا، علما کو اس کا عادی بنایا، بل کہ اس پلیٹ فارم کے ذریعہ انہوں نے نوجوان علما و فضلا کو نئے حالات ومسائل پر سوچنے، لکھنے، غور کرنے اور بولنے کے لیے حوصلہ دیا اور نوجوان علما کی ایک جماعت کو صحیح وقت پر، صحیح سمت میں سرگرم سفر کر دیا اور بہت سے لوگ فقہ واجتہاد کے متنوع موضوعات پر لکھ کر مصنف ومؤلف بنتے جارہے ہیں۔ اگر یہ لوگ ان کا احسان نہ بھی مانیں تو اللہ کے یہاں تو مولانا مجاہدؒ کے سارے احسانات ریکارڈ ہیں۔ فقہ اکیڈمی کے سیمیناروں میں جو مقالات پڑھے گئے، وہ بجائے خود عظیم فقہی سرمایہ ہیں۔ خدا کا شکر ہیکہ سارے مقالات وتحقیقات مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، کاش ان کے سچے خلف انہیں عربی زبان میں منتقل کروا سکتے۔

اس کے علاوہ فقہ اکیڈمی ہی کی طرف سے انہوں نے ''بحث ونظر'' کے نام سے جو وقیع

علمی وفقہی رسالہ جاری کیا اور آخر تک جاری رہا، وہ مستقل کارنامہ ہے کہ اس کے ذریعے بہت سے علمی، فقہی، مقالات اہلِ علم وارباب فقہ وفتوی کے لیے چشم کشا ثابت ہوئے اور بہت سے لوگوں کے لیے فکر وعمل کی تحریک کا ذریعہ بنے۔

قائدانہ، مفکرانہ اور سیاسی وسماجی وملی سطح پر بے پناہ مشاغل اور ادھر سال ہا سال سے شدید قسم کی علالت کے باوجود، مولانا مجاہد نے جو علمی وتالیفی نقوش چھوڑے ہیں، وہ بھی معیار و مقدار دونوں اعتبار سے غیر معمولی ہیں اور مرنے کے بعد بھی ان کے لیے نہ صرف باعث زندگی، بل کہ صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے۔

ان کی مشہور کتاب ''اسلامی عدالت'' ہے جو واقعی ایک عالم کی علمی بصیرت اور قاضی کی فراست وپختہ ذہنی کی آئینہ دار ہے۔ وہ عرصہ پہلے چھپ کر عام ہو چکی ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ ''نظام القضاء فی الإسلام'' کے عنوان سے بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح: قضایا فقهية معاصرة،فقه المشكلات، الذبائح، دراسات علمية، بحوث فقهية اور الوقف کے عنوان سے کئی عدد کتابیں اردو سے عربی میں ترجمہ ہو کر، عالم عربی میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ جلسہ ہائے عام میں کی ہوئی ان کی بعض تقریریں بھی چھپ چکی ہیں، انہیں پڑھنے والے کو بھی زبان کی لذت، فکر کی ندرت، گفتار کی گل افشانی اور جہاں دیدہ مفکر کا سوز وساز ایک خوب صورت آمیختہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔

عین بیماری کے زمانے میں جب کہ کہنا چاہیے کہ وہ بستر مرگ پر تھے، ''صوان القضاء'' نام کی عظیم فقہی کتاب کو چار جلدوں میں ایڈٹ کیا۔ وہ کویت کی وزارت اوقاف وامور مذہبی کی طرف سے شائع ہو کر وفات سے قبل ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا باعث بن چکی ہے۔ مولانا مجاہدؒ نے نہ صرف زمانہ صحت میں، بلکہ علالت کے عرصے میں جب کہ کئی سال پہلے تیمار دار اور ڈاکٹر، ان کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، نہ تو ملی مسائل سے صرف نظر کیا اور نہ دادِ تحقیق وتالیف دینے سے باز رہے۔ ان کا یہ وصف انہیں عظیم علمائے سلف کی صف میں کھڑا کرتا ہے، جنہوں نے آخری لمحے تک قرطاس وقلم کا ساتھ چھوڑا، نہ اسپ فکر ونظر کی پشت سے نزول کیا اور المحبرة إلى المقبرة (یعنی دوات کا تو قبر تک ساتھ رہے گا) کی زندہ جاوید، درس انگیز اور حوصلہ افزا مثل چھوڑ گئے۔

جمعرات ۴/اپریل ۲۰۰۲ء (۲۰/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ) کو عرصے کے بعد میں ایک مختصر اور ناگزیر سفر پر رائپور اور مرزاپور ضلع سہارنپور، گیا ہوا تھا۔ مغرب کی نماز کے ذرا دیر بعد ہی، جیسے گھر میں قدم رکھا کہ ایک صاحب نے فون پر بتایا کہ دہلی سے ابھی فون آیا ہے کہ مولانا مجاہدؒ سات بج کر پانچ منٹ پر اللہ کو پیارے ہوگئے، تو ایسا لگا جیسے کوئی مجنوں ہماری اس دنیا کے جنگل کو اداس کر گیا۔ فکر ونظر کے میدان کا مجنوں، ملی خدمتوں کے صحرا کا مجنوں، دین وشریعت کے جنگل کا مجنوں اور امت کی ہمہ گیر ترقی کے لیے تڑپنے، نقش بنانے اور اتحاد واتفاق کی لیلیٰ پر جان چھڑکنے والا مجنوں ـــــ اب:۔

مجنوں جو مر گیا ہے، تو جنگل اداس ہے

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی اب دنیا میں نہیں رہے، ان کا چھوڑا ہوا بہت سا کام ابھی باقی ہے، لیکن ان کے ایسا عاشق سوختہ جاں اور عاشقی کی تمام اداؤں کا راز داں، بلکہ کاروبار عشق کا ماہر، ہر روز اور آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی روح گویا ان کے بعد علماو قائدین سے بجا طور پر مخاطب ہے:

ہے جنوں، اہل جنوں کے لیے آغوشِ وداع
چاک ہوتا گریباں سے جدا، میرے بعد
کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرّر لب ساقی پہ صلا، میرے بعد

□□□□□□

موجودہ حالات میں جس تیزی کے ساتھ تبدیلی آرہی ہے، نئی صف بندیاں وجود میں آرہی ہیں، اور نئے نئے خطرات سر اٹھا رہے ہیں، علم برداران حق وانصاف کے لئے ہدایات کی یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ پس آج کے عہد میں مسلمانوں کو ایک نفع بخش امت کی حیثیت سے جینا ہوگا، جس کے خطوط خود سیرت نبوی اور سیرت صحابہ وتابعین سے ملتے ہوں، دوسری طرف باطل کے پروپیگنڈہ کے ذریعہ اسلام کی تصویر بگاڑنے کی جو کوشش ہو رہی ہے اس کو اپنے عمل سے دور کر کے اسلام کی صحیح تصویر کو آشکار کرنا ضروری ہے

(حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی)

مولانا اخلاق حسین قاسمی ☆

ایک علمی شخصیت سے امت محروم

مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب طویل جان لیوا بیماری کے بعد وصال فرما گئے قاضی صاحب کی دینی سرگرمیوں کا آغاز حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ کی سرپرستی میں ہوا۔ مولانا رحمانی مرحوم میں اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانے کی بڑی اخلاقی اور انتظامی صلاحیت و وسعت تھی۔ قاضی صاحب نے امارت شرعیہ کے نظام کو وسعت دینے اور کارآمد بنانے کی بڑی جفا کشانہ جدو جہد کی اور حضرت امیر شریعت کی سرپرستی سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی محنت وصلاحیت سے امارت کی علمی شان بن گئے۔ حضرت مولانا رحمانی صاحب بہار کے ایک روحانی مقبول سلسلۂ تصوف کے شیخ طریقت تھے اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے وسیع حلقہ کے پیرومرشد تھے۔ اس سلسلہ نے قاضی صاحب کی بڑی پذیرائی کی۔

حضرت مولانا رحمانی مرحوم کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا ولی رحمانی اپنے والد کے روحانی جانشین ہوئے اور امارت شرعیہ بہار کا نظام باہمی اختلاف کی وجہ سے اس روحانی حلقہ سے تقریباً دور ہوگیا۔ اس وجہ سے قاضی مجاہد صاحب نے اپنی فقہی سرگرمیوں کے لیے ڈاکٹر منظور عالم اور مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے خاص حلقوں سے اپنا تعلق قائم کیا اور یہ قاضی صاحب کی بڑی دوراندیشی تھی ، وہ طرفین کی ضرورت کو سمجھ گئے۔ قاضی صاحب کی، فتویٰ وفقہ کے میدان میں جدید حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کے تعلق سے رخصت کے پہلو پر خاص توجہ رہتی تھی اور اس پہلو سے قدیم مستند فقہاء ہند، مستند ادارے، دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور کے علمی اکابر قاضی صاحب کی وسعت پسندی اور فقہی رخصت کی تگ و دو سے الگ رہتے تھے ان حضرات کے دل میں مسلمانوں کے اندر اباحیت پسندی کے پھیلنے کا خطرہ تھا، جس کی اہمیت سے انکار مشکل نہیں ہے۔ حالانکہ ضرورت اس کی تھی کہ

ہندوستان کے قدیم تاریخی علمی اداروں اور علمی اکابر کے تعاون کے ساتھ فقہ کے فروعی مسائل میں توسیع اور توافق کی جدوجہد کی جائے اور یہ احتیاط ہمیں حضرت تھانوی اور حضرت مدنی علیہم الرحمۃ کی سرپرستی میں کی جانے والی کوشش الحیلة الناجزة کتاب کی صورت میں نظر آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہ کے فروعی مسائل میں اور جدید پیش آمدہ معاشرتی مسائل میں قاضی صاحب کی فقہ اکیڈمی نے جو جدوجہد کی وہ زیادہ تر صرف کتابوں کی زینت بن کر رہ گئی اور ملت مسلمۂ ہند کی عملی زندگی میں وہ رخصتی فقہ جاری نہ ہوسکی۔ معاشرتی اور اجتماعی مسائل میں اجتہاد کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ خاص موضوع تھا لیکن مولانا مرحوم اجتماعی اجتہاد کے قائل تھے، مسلکی اجتہاد اور شخصی اجتہاد کے قائل نہیں تھے۔ قاضی صاحب اپنی فقہ اکیڈمی کو ملت کی نمائندہ اور مستند اکیڈمی بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے اور نہ ہوسکتے تھے کیونکہ مرحوم ایک خاص فکر وذہن کے حلقہ میں محدود اور محصور ہوکر رہ گئے تھے۔ بہرحال قاضی صاحب نے رخصتی فقہ کے لیے جو سرتوڑ کوشش کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ اور اصولی طور پر اسکی ضرورت ہے اس لیے اس سے علمی استفادہ کیا جاسکتا ہے، اسے آگے بڑھانے کی ہمت شاید ہی کوئی کرسکے۔ سیاسی اعتبار سے قاضی صاحب تیسری سیاسی طاقت کے غیر حقیقی تصور کے حامل تھے جو طاقت چند سابق وزراء صاحبان میں محدود ہے اور مختلف اوقات میں اس باسی کڑھی کے اندر ابال آتا رہتا ہے۔

اسی سیاسی تصور کے تحت قاضی صاحب اور ان کے خاص ہم فکر رفقاء نے مجلس مشاورت کے ہوتے ہوئے ملی کونسل کے نام سے ایک الگ تنظیم بنائی۔ قاضی صاحب پر علاقائی تصور بھی غالب تھا، اس لیے مرحوم ایک مرکزی سیکولر قوت کے استحکام سے زیادہ امیدیں نہیں رکھتے تھے۔ علاقائی محبت کا جہاں تک معاملہ ہے تو یہ حقیقت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندر یہ خاصیت رکھتی ہے کہ وہ جس سرزمین کے خمیر سے وجود میں آتی ہے اس کی پوری زندگی، سیاسی ہو، جماعتی ہو یا معاشرتی اس پر اس کا اثر غالب رہتا ہے۔

قاضی صاحب نے اپنے مربی ومحسن حضرت امیر شریعت مولانا رحمانی کی قدرشناسی اور خرد نوازی کی روش کو نبھانے کی بھی کوشش کی مگر اپنی اس کوشش میں اپنے علاقائی جذبۂ انتخاب سے آگے نہ بڑھ سکے اور اس طرح مرحوم کا فیض تربیت وسعت حاصل نہ کرسکا جسکی ملت کو ضرورت تھی۔

قاضی صاحب نے فقہ اور اصول فقہ پر بڑی اہم کتابیں تصنیف کیں اور اپنے مردم خیز

مولد و معاد (بہار) جیسے غریب صوبہ میں اہم تعلیمی ادارے قائم کئے جن کی اس کمزور صوبہ کو ضرورت تھی۔ قاضی صاحب کا وہ دور جب وہ امارت شرعیہ کے ناظم تھے میں نے قریب سے دیکھا ہے، مرحوم بڑی جفاکش اور تنگ حال معیشت کے ساتھ امارت کا کام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے عسر کے بعد یسر کا دور شروع کر دیا اور یہ مشیت الٰہی کی بڑی کریمی تھی کہ جان لیوا بیماری کے دور میں قاضی صاحب کو اصحاب نعمت رفقاء کا تعاون حاصل ہو گیا۔

فقہاء کی تاریخ میں امام ابوحنیفہ کے ایک غریب شاگرد امام ابو یوسف تھے جن کی سرپرستی ان کے استاد کرتے تھے اور دوسرے امام محمد تھے جن کی سرپرستی سے دوسرے علماء سیراب ہوتے تھے۔ دونوں شاگردوں کا علمی مقام الگ الگ تھا اور ان دونوں میں جو صاحب فقہ رہا اس کا علمی اور دنیاوی مستقبل شاندار رہا۔ رخصتی فقہ کے تعلق سے میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں اصولی طور پر قاضی صاحب مرحوم سے متفق نہیں ہوں، لیکن اس اہم کام کے لئے ہندوستان کے مستند دینی اداروں کے تعاون کو لازمی سمجھتا ہوں۔

مرحوم قاضی صاحب نے انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور پر ایک سیمینار کرنے کا اعلان کیا اور اپنے مرسلہ مکتوب میں عالمی منشور اور اسلامی منشور کے درمیان اصولی اختلافات پر نہایت فاضلانہ تبصرہ کے ساتھ ہم لوگوں کو بھیجا۔

میں نے اس مسئلہ میں حضرت قاضی صاحب کو ایک مراسلہ لکھ کر یہ گزارش کی کہ اس نازک مسئلہ پر غور وفکر کے لیے پہلے پارٹی اور حلقہ بندی سے بلند ہو کر مستند علماء وفقہاء کی ایک نشست منعقد ہونی چاہیے اسکے بعد سیمینار منعقد ہو کیونکہ یہ فیصلہ نہایت اہم اور نازک ہے۔

قاضی صاحب مرحوم نے میری گزارش کی اہمیت کو سمجھا اور سیمینار کو آگے بڑھا دیا۔ قاضی صاحب کا اپنا ذہن اس مسئلہ میں کیا تھا وہ مرحوم کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

''گزارشات کے ابتدائی حصہ میں اسلام میں حقوق انسانی کے تصور کی جو وضاحت کی گئی اس کی رو سے یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا میں قیام عدل کے مشن کی تکمیل بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کا فطری تقاضہ ہے کہ اسلام اور موجودہ حقوق انسانی کی تحریک کا رشتہ عناد یا رقابت نہیں بلکہ اشتراک وتعاون کا ہو (مکتوب مرسلہ صفحہ ۶)

اسلام کو موجودہ عہد انسانی (بین الاقوامی) میں ایک مقبول اور فعال دین حق کے طور پر قائم رکھنے کے لئے جس ذہن کی ضرورت ہے وہ ذہن قاضی صاحب مرحوم کے مذکورہ تبصرہ میں موجود نظر آرہا ہے۔

یہی وہ نازک مسئلہ ہے کہ جب ایک بین الاقوامی مشاہد عالمی منشور کے سلسلہ میں رائے معلوم کرنے کی غرض سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے پاس کراچی پہنچا تو مفتی صاحب نے حسن تدبیر سے ٹال دیا اور مشاہد صاحب کو عمدہ ناشتہ کرا کر رخصت کر دیا۔ پاکستان کے ایک پرچہ نے یہ رواد شائع کی حقوق انسانی پر فقہ اکیڈمی کی طرف سے مرتب کردہ وہ مکتوب موجود ہوگا۔ اس پر غور فکر کی جدو جہد جاری رہنی چاہیے خدا کرے کہ قاضی صاحب کے رفقاء میں کوئی صاحب اس نازک کام (جدید ضرورتوں کے مطابق شرعی اجتہاد) کو آگے بڑھانے کے اہل ثابت ہوں۔

قاضی صاحب کو ان کی طویل بیماریوں نے بہت حساس بنیا دیا تھا وہ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کر پاتے تھے اور اس کا مجھے ذاتی طور پر تجربہ ہے خدا تعالی انہیں صحت مندی عطا کرتا تو شاید یہ حساسیت انہیں عاجز نہیں کرتی اور وہ اپنے گرد اپنے شروع کیے ہوئے کام کے لئے اچھے وسیع النظر اور وسیع الذہن اہل علم کی معقول تعداد کو جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

فقہ کے معاشرتی زیر بحث مسائل نکاح، طلاق، عدت اور ان مسائل معاشرت کے حکم و احکام پر قاضی صاحب کو تقریر کی قدرت حاصل تھی، ان مسائل پر خوب جم کر بولتے تھے اور اکابر جماعت ان مسائل کی تفہیم و تشریح کے لئے قاضی صاحب کو آگے بڑھاتے تھے۔ مرحوم کی خطابت کا یہی خاص میدان تھا۔ سن ۶۰ میں جموں شہر میں جماعت اسلامی کشمیر کی طرف سے ایک بڑا اجلاس سیرت النبی ؐ پر منعقد ہوا۔ مقامی آریہ سماج نے اس کے مقابلہ میں اپنا ایک بڑا سمیلن منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ مقابلہ کی شکل پیدا ہو گئی، انتظامیہ سخت پریشان۔ فاروق عبداللہ صاحب کو جلسے میں تقریر کرنی تھی۔ اندیشہ تھا کہ کہیں کچھ شرارت پسند جلسہ میں گڑبڑ نہ کریں جلسہ میں قاضی صاحب اور یہ ناچیز مدعو تھے، جماعت اسلامی یہ چاہتی تھی کہ پہلے ایک بڑے مقرر کی بڑی تقریر قاضی صاحب کی ہو، قاضی صاحب نے حالات کی نزاکت کو جانچ لیا اور شروع میں کھڑے ہو کر میری تقریر کا اعلان کر دیا اور اہل انتظام سے کہا کہ پہلی تقریر مولانا کی ہوگی اسکی ضرورت ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی جو لوگ جلسہ کو بگاڑنے آئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ مولانا مقرر

صاحب کھڑے ہوتے ہی آگ بگولہ ہوکر آریہ سماجیوں پر برسنے لگیں گے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور اسلام کی تعلیمات، اخوت انسانی، باہمی احترام اور امن پسندی کی باتیں سن کر شرمندگی اور مایوسی کے ساتھ جلسہ گاہ سے اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ جلسہ پرسکون ہوگیا فاروق عبد اللہ صاحب ہوٹل میں تشریف فرما تھے اور ایک ایک پل کی خبر انہیں دی جارہی تھی۔ پھر ایک پرسکون جلسہ میں وہ تشریف لائے اور چند منٹ اظہار خیال کر کے چلے گئے۔ آخر میں قاضی صاحب نے مختصر تقریر کر کے دعاء کرادی۔ رات کو ایک مختصر سا اجتماع ہوا، جس میں تعلیم یافتہ ہندو مسلمان جمع ہوئے اور اس میں قاضی صاحب نے نکاح اسلامی کی حقیقت، طلاق کی ضرورت اور عدت کی حکمت پر نہایت فاضلانہ تقریر کی اور مسلم پرسنل لاء کی اہمیت کو واضح کیا۔ میرے پاس اسٹیج پر چند ہندو عمر رسیدہ وکلاء بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک صاحب بولے، یہ عالم صاحب کون ہیں؟ میں نے ان سے کہا یہ ہندوستان کے بڑے اسٹیٹ بہار کے قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس ہیں وہ بڑے تاثر سے بولے، اسلامی قانون کی ایسی تشریح اس سے پہلے ہم نے نہیں سنی۔

ایسا ہی ایک واقعہ پٹنہ میں پیش آیا۔ رات کو سیرت النبی کا جلسہ تھا، جمعہ کا دن تھا، جلسہ گاہ کے قریب جو مسجد تھی اس کے امام سخت قسم کے رضا خانی تھے، امام صاحب نے خطبہ سے پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کے رضا خانی عقیدہ پر نہایت مضحکہ خیز قسم کا وعظ کہا، نماز میں قاضی صاحب اور میں اور دوسرے مدعو مقرر شریک تھے۔ اہل انتظام چاہتے تھے کہ جلسہ میں کوئی بات اختلافی نہ ہو، امام صاحب کی تقریر نے جلسہ کے دیوبندی مقررین کو مشتعل کر دیا۔ خطرہ پیدا ہوا کہ دیوبندی مقررین رات کے جلسہ میں امام صاحب کی تقریر کا رد کریں گے اور جلسہ میں گڑ بڑ ہو جائے گی۔ قاضی صاحبؒ نے جلسہ میں پہلے مجھے کھڑا کر دیا حالانکہ میری تقریر پروگرام کے مطابق بعد میں تھی۔ پھر مجھ سے کہا کہ آپ جلسہ کو سنبھال لیں گے، کوئی بات اختلاف کی نہ ہو، یہ نوجوان مقرر جمعہ کے وعظ کا جواب دینے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں، یہ جھگڑا کرادیں گے۔

قاضی صاحبؒ میرے مزاج سے واقف تھے کہ میں اختلافی مسائل میں شدت کا قائل نہیں ہوں۔ بہر حال قاضی صاحب اختلافی مسائل کی ہلاکت خیزیوں کا پورا احساس رکھتے تھے، اختلاف بریلوی دیوبندی کا ہو شیعہ سنی کا ہو یا حنفی اور شافعی کا۔ خدا تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

□□□□

عبد الوہاب خلجی☆

ملت کا بے باک سپاہی

آل انڈیا ملی کونسل کے بانی وسیکریٹری جنرل، آل انڈیا پرسنل لاء بورڈ کے صدر نشین، تحریک تحفظ شریعت کے روح رواں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کی شام ایک ایسے وقت میں جبکہ ملت کو ان جیسے کئی مجاہدوں کی ضرورت تھی، ملک وملت کے انتہائی پرآشوب حالات میں دار فانی سے دار بقا کی طرف رخصت ہو گئے اور اپنے پیچھے عزم وہمت، بلند حوصلگی اور عزیمت کی ایسی داستانیں چھوڑ گئے جو طویل عرصہ تک ان کی کمی کا احساس دلاتی رہیں گی۔ اور درد مند دل آنسو بہاتے رہیں گے۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی جو قضاء سے اپنی طویل ممارست کے باعث اپنے دیگر متعدد اوصاف وامتیازات کے باوصف قاضی صاحب کے لقب سے مشہور ومعروف ہوئے، ہندوستان کے ان ممتاز علماء دین میں سے ایک تھے جو اپنے گہرے علم، وسیع مطالعہ، عمیق فکر، ژرف نگاہی، فکر اصلاح، حق گوئی، ملی شعور، صبر وتحمل، نظم وضبط، میانہ روی، حلم، خردنوازی، تواضع وانکساری کے ساتھ ساتھ عزم وحوصلہ اور عزیمت کا ایک قابل تعریف نمونہ تھے۔ خاص طور پر ان کی بے خوفی وجرأت نے خاکسار کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور میں ان کی بیباکی کا نہ صرف قائل ہو گیا بلکہ مداح بھی رہا۔

کتب وجرائد کے حوالہ سے تو میں عرصہ سے موصوف سے واقف تھا۔ لیکن اصل ملاقات آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس دہلی کے موقع پر ہوئی جب میں اس کی مجلس استقبالیہ کا نائب صدر تھا اور وہ انتظامات کے سلسلہ میں دہلی تشریف لائے ہوئے تھے یہ ملاقات بعد میں ایک گہرے اور خصوصی تعلق میں تبدیل ہو گئی۔ یہ تعلقات کیسے اور کس طرح پروان چڑھے اور کن بلندیوں تک پہنچے یہ الگ موضوع ہے۔ جس کا ذکر دیگر مضامین ومقالات میں اصلاً یا ضمناً حسب موقع ہوتا رہے گا

☆ سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ان سطور میں ان کی بے باکی سے متعلق چند باتیں درج کرنے کی کوشش کروں گا جس کے سبب مجھے بلا تامل یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ وہ ملت کے بیباک سپاہی اور رہنما تھے۔

علماء کی یہ خوبی رہی ہے کہ وہ کٹھن سے کٹھن مراحل و مواقع اور حالات میں بھی صبر وتحمل کا دامن چھوٹنے نہیں دیتے معاشرہ کے اڑیل مزاج لوگ ہوں یا اقتدار اور اکثریت کے نشے میں نام نہاد ظالم حکمراں وہ کلمۂ حق اور سچی وسیدھی بات کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔ اسی لیے کلام نبوت نے ان کی باتوں کو **افضل الجهاد كلمة الحق امام السلطان الجائر** سے تعبیر کیا ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اپنے اندر ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ ملک وملت پر کسی افتاد یا مصیبت پر اس کی رفتار تیز ہو جاتی اور وہ پہلو بدلنے لگتے کہ اس مشکل وقت میں وہ کس طرح اپنا کردار کریں، کیوں نہ یہ اجتماعی مشکل ان کی اپنی ذاتی مشکل بن جائے۔

۶/ دسمبر کو بابری مسجد کے انہدام کے بعد ایک وفد اس وقت کے وزیر اعظم ہند نرسمہاراؤ سے ملا تو قاضی صاحب نے بے باکی کے ساتھ فرمایا: نرسمہاراؤ آپ نے ملک کا سر جھکا دیا۔ آپ نے ہمارے اعتماد کو ختم کر دیا، آپ اس بات کے اہل نہیں کہ اس ذمہ داری کو سنبھال سکیں، ہمارا آپ کی حکومت پر کوئی اعتماد نہیں رہا، کیا اسی دن کے لئے ہم نے جنگ آزادی لڑی تھی کیا یہی ہماری قربانیوں کا صلہ ہے۔ وقت کا حکمران سر جھکائے ساری باتیں سنتا رہا لیکن اس کو جرأت نہ ہوئی کہ اس وفد کے جرأتمندوں کے سوالات کا جواب دے سکے جن میں ایک جرأتمند مجاہد الاسلام قاسمی بھی تھا۔

۶/ دسمبر کے حادثہ کے بعد ملک بھر میں مسلم خون کی ارزانی تھی حکمراں تماشائی بنے ہوئے تھے۔ مسلمان مایوسی کا شکار ہو رہے تھے، انہیں کوئی تسلی دینے والا نظر نہ آرہا تھا۔ قاضی صاحب قائد بنے۔ آل انڈیا ملی کونسل کے معاون جنرل سکریٹری مولانا محمد اسرار الحق قاسمی اور خاکسار کو ہم سفر بنایا اور ارض بنگال کی جانب قصد کیا۔ کلکتہ پہنچ کر یہ سہ نفری قافلہ سیل رواں بن گیا۔ چھوٹے، بڑے، عوام وخواص، علماء، ائمہ ومقتدی، استاد وشاگرد امیر وغریب جمع ہوئے۔ دن بھر کلکتہ اور اس کے قرب و جوار میں جلی بستیوں اجڑے مکانوں، ویران محلوں، روتے بلکتے یتیم ونادار بچوں، بیوہ بہنوں اور سسکتی ماؤں کو دیکھا انہیں اپنائیت کا احساس دلایا، دلوں سے خوف وہراس نکالنے کی کوشش کی۔ تین آدمیوں کا مختصر قافلہ شام تک تین سو سے متجاوز ہو کر نماز عشاء کے بعد کلکتہ کی مشہور تاریخی

جامع مسجد ناخدا کے سامنے جمع تھا۔

مقامی حضرات کے بعد مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی نے بے لچک انداز میں گفتگو کی، خاکسار نے بھی غزوات نبوی، شجاعت محمدی، ہمت صحابہ، استقلال ائمہ اور امت کی جرأت و بردباری کے حوالے سے رنجیدہ دلوں کو حوصلہ دیا۔ انابت و رجوع الی اللہ کی چند باتیں کیں۔

پھر قاضی صاحب نے اسلام کے مجاہد کا روپ اپنایا، کمیونزم کو نمونہ بنانے والے اور یکسانیت کا دم بھرنے والوں کی حکومت کے زیر سایہ جب انسانی درندگی کے مناظر دکھائے گئے تو ان کو للکارا کہ کیا یہی انصاف ہے کیا یہی مساوات ہے۔ کیا یہی سیکولرزم ہے۔ کہا کہ یاد رکھو! فرعون کے لئے موسیٰ نمودار ہوتا ہے، الحاد و دہریت کے خاتمے سے سرزمین دہریت سے نو مسلم ریاستیں جنم لیتی ہیں۔ وہ یہ بستی ہے جہاں ہمارے اسلاف کے خون سے معطر ہوائیں ہماری جرأتمندانہ تاریخ کو یاد دلا رہی ہیں۔ قاضی صاحب کے صاف صاف دوٹوک باتوں نے زخمی دلوں پر مرہم کا کام کیا، اپنائیت کی آواز نے آنسو خشک کئے اور لوگوں نے محسوس کیا کہ تحریک استقلال کے جیالوں عبداللہ اللکافی اور عبداللہ الباقی کے دیش میں ابھی غیرت مند ختم نہیں ہوئے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے میری پندرہ سالہ وابستگی کے دوران میں بہت کم اس کی میٹنگوں میں غائب رہا ہوں۔ محترم قاضی صاحب شاید مجھ سے بھی کم غائب رہے ہوں گے۔ یوں تو بورڈ کے سبھی ارکان اپنے علم وفضل، تفقہ، جرأت و بیباکی میں اپنی مثال آپ ہیں مگر قاضی صاحب جب اپنی بات رکھتے تو ہر آدمی ان کی پر اثر گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ مفکر ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود اپنی بات کے آغاز کے بعد گفتگو کا رخ قاضی صاحب کی طرف پھیر دیتے۔

بورڈ کے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس سے جو لوگ مخاطبت فرماتے ان میں عموماً جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین، سکریٹری بورڈ جناب محمد عبدالرحیم قریشی ایڈوکیٹ، جناب امین الحسن رضویؒ شریک ہوتے۔ لیکن قاضی صاحب کی موجودگی میں ان کی کمان انہیں ہاتھ میں ہوتی، اہل صحافت بال کی کھال نکالنے میں مشہور ہیں۔ لیکن ملت کا یہ بے باک سپاہی جب ان کو مسکت جواب دیتا تو انہیں بھی یہ محسوس ہو جاتا کہ یہ بورڈ ہی نہیں بلکہ ملت کا ترجمان ہے۔

بابری مسجد کا مسئلہ ملت اسلامیہ ہند کا رستا ہوا ایک ایسا زخم ہے جس کی ٹیس ادنی سے ادنی مسلمان خواہ عمل سے کورا اور کردار کا کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو برابر محسوس کرتا ہے۔ اس کے ذکر سے ہر انصاف پسند ہندوستانی تڑپ اٹھتا ہے۔ نرسمہاء راؤ کے تاریک دور میں یہ مسئلہ زیادہ ہی ابھرا اس تعلق سے مسلمانوں کے نمائندہ وفود کو کئی بار ہندوستانی وزیراعظم کی حیثیت سے ان سے ملنا پڑا۔ بار بار کی ملاقاتوں کے بعد بھی سخت جاں ضدی وزیراعظم کے سر پر جوں نہ رینگی اور اس نے امت مسلمہ کی قیادت کی متعدد عرض داشتوں کے جواب میں دس پیسے کے پوسٹ کارڈ پر ان کو رسید وصولیابی سے بھی مطلع نہ کیا۔ تو بورڈ نے فیصلہ لیا کہ ایک تنبیہی ملاقات کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ محترم مولانا سید علی میاں ندوی کی قیادت میں مسلمانوں کے مختلف طبقات سے متعلق چیدہ افراد و شخصیات پر مشتمل ایک قد آور وفد نے کانگریسی وزیراعظم نرسمہاراؤ سے ملاقات کی۔ قائد وفد نے ابتدائی چند جملوں کے بعد قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی طرف اشارہ کیا' انہوں نے بانگ دہل کہا کہ ہم آپ کے پاس ہاتھ پھیلائے، جھولا لٹکائے بھیک مانگنے نہیں آئے بلکہ ہم اپنے حق کے حصول کے لئے آئے ہیں۔ ہم حق لینا بھی جانتے ہیں اور حق چھیننا بھی۔ آپ نے ہمارے مسائل سے مجرمانہ طور پر منہ موڑا ہے، دس پیسے کے پوسٹ کارڈ پر ریلائی دینا بھی گوارہ نہیں کیا آپ نے بابری مسجد کی جگہ دوبارہ مسجد بنانے کے وعدہ سے انحراف کر کے ہماری دل شکنی کی ہے۔ اس لئے اب ہمیں آپ پر نہ کوئی اعتماد ہے اور نہ کسی مسئلہ کے حل کی امید؟ اگر کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ ہوئی تو آج اس مسئلہ میں ہماری آپ سے یہ آخری ملاقات ہوگی۔

جنوری ۱۹۹۳ء میں بمبئی کے مسلم کش فرقہ وارانہ فسادات بھی اس ملک کی سیکولر تاریخ پر بدنما داغ ہیں۔ اس کی سنگینی کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۹/ جنوری کو جب نئی دہلی کے بستی حضرت نظام الدین کے ''نیو ہورائزن اسکول'' میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس جاری تھا تو دوران اجلاس بذریعہ فون خبر ملی کہ بمبئی کے سات راستہ مسجد کے علاقے میں مسلمان خواتین و حضرات کو پی۔ اے۔ سی کے جوانوں نے اپنی گولیوں سے بھون ڈالا۔ یہ خبر شرکاء اجلاس کے لئے ایک صاعقہ سے کم نہ تھی۔ طے پایا کہ فوراً اجلاس ملتوی کر کے حالات کو قابو میں لانے اور بمبئی کو فوج کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کرنے کے لئے نرسمہاراؤ سے ملا جائے۔ فوراً ہی ایک اعلی وفد نے وزیراعظم سے

ملاقات کی۔ دوران ملاقات پوری سنجیدگی، متانت، غیر متزلزل لب ولہجہ اور بے باکی کے ساتھ قاضی صاحب نے فرمایا:

''آخر مسلمانوں کو کب تک رسوا کیا جاتا رہے گا، کب تک ان کے خون کی ہولی کھیلی جاتی رہے گی۔ ان صبر آزما حالات میں اگر آپ مسلمانوں کا امتحان لینا چاہتے ہیں تو ہزار، سو مسلمانوں کا کوٹہ مقرر کردیں ہم آپ کی خدمت میں مقررہ تعداد پیش کردیا کریں گے۔ لیکن اس طرح کا یہ قتل عام بند کریں''۔

ملک کا وزیر اعظم درویشوں کے ایک قافلہ کے ایک درویش کے سامنے تھا۔ جنہیں کلمۂ حق کی ادائیگی کے لئے اصحاب اقتدار کا خوف کسی طرح متاثر نہیں کرسکا۔

کانگریسی دور اقتدار میں جناب سی۔ کے جعفر شریف محکمہ دہلی کے وزیر کبیر تھے۔ ملت اسلامیہ کے لئے اسی طرح کا کٹھن مرحلہ درپیش تھا۔ باہمی صلاح ومشورہ کے بعد چند دینی، ملی، سیاسی مسلم قیادت کے نمائندے وزیر موصوف کے گھر جمع ہو گئے مسئلے کی سنگینی کے پیش نظر ان پر زور دیا گیا کہ اسی وقت ملک کے منتظم اعلیٰ سے ملاقات کا بندوبست کیا جائے ورنہ حالات کے مزید دھماکہ خیز ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی دوران جناب احمد پٹیل، محترمہ نجمہ ہبۃ اللہ، جناب غلام نبی آزاد وغیرہم بھی شریک مجلس ہو گئے۔ باتفاق رائے طے پایا کہ بات کا آغاز قاضی صاحب کریں گے مولانا سید کلب صادق، محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ، سید شہاب الدین بھی شریک گفتگو ہوں گے، پہلی صف میں قاضی صاحب کے داہنی طرف بیٹھنے والوں میں راقم الحروف بھی شامل تھا، نشست کی کیفیت کچھ اس طرح بنی۔ قاضی صاحب نرسمہا راؤ جی بالکل روبرو تھے ان کے ہمراہ آنجہانی راجیش پائلٹ اور دیگر مشیران وکارپردازان ریاست بھی موجود تھے۔

دوران گفتگو ہو کا عالم تھا۔ انکسار وتواضع کا پیکر اسلام کا یہ مجاہد جس سادگی مگر عزیمت کے ساتھ بلاتوقف بولتا جارہا تھا۔ میں جہاں اس کے ملت کی ترجمانی کرنے والے کلام سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہیں یہ سوچ رہا تھا کہ جب اخلاف امت کی جرأت کا یہ عالم ہے تو خلیفہ عباسی کی محفل میں آبروئے امت امام احمد بن حنبل کی گفتگو اور اکبر کے استبدادی دربار میں مجدد الف ثانی حضرت احمد سرہندی کی تمکنت وجرأت کیا ہوگی؟ **بقیہ** ص: ۱۰۳ **پر**

خالد سیف اللہ رحمانی ☆

فقیہ الامت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

سرآمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

متوسط قد و قامت، جسم لحیم وشحیم، سانولا چہرہ اور اس پر معصومیت کا نکھار، داڑھی کے صرف چند بال، پیشانی کسی قدر چھوٹی آنکھوں سے بلا کی ذہانت آشکار، سر کے بال باوجود سن رسیدہ ہونے کے سیاہ اور کسی قدر گھنے، لباس فقیرانہ، رہن سہن درویشانہ، جسم بیماری میں گھلا ہوا، اور دل و دماغ امت کے درد میں، حق گوئی میں شمشیر آبدار، اور دوستوں کے لئے حریر و دیباج کی طرح نرم و بردبار، گفتگو میں شبنم کی ٹھنڈک اور قند و نبات کی مٹھاس، اور تقریر و خطاب میں دلوں کو رلانے اور آنکھوں کو نم کرنے والا سوز و گداز، ہر مجلس میں میر مجلس اور ہر محفل میں زیب محفل، سیاست کی رزم ہو یا شعر و سخن کی بزم، علم و تحقیق کی خشک بحث ہو یا تذکیر و موعظت کا موضوع، علماء ذی وقار کی انجمن ہو یا دانشوران کج خیال کا جمگھٹا، ہر میکدہ میں اس طرح نظر آنے والے کہ گویا ساقی ہوں نہ کہ میکش، اور رہبر ہوں نہ کہ راہی، امت پر کہیں کوئی آفت آئے اور سینہ اس کی کسک سے معمور، پھر دنیا میں کہیں کسی مسلمان پر چوٹ پڑے اس کا درد سینہ پر محسوس، جوہر شناس اور صلاحیت کے قدرداں، تعصب، تنگ نظری اور مسلکی گروہ بندی سے ماوراء، رزم حق و باطل میں شمشیر اور حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم، ان شمائل و خصائل کو اپنے ذہن میں ترتیب دیں اور شخصیت، فکر اور کردار و عمل کی جو تصویر ذہن میں ابھرے اس پر لکھ دیں "مجاہدالاسلام قاسمی"۔ (اللہ ان کو شایان شان اجر عطا فرمائے اور کروٹ کروٹ راحت نصیب کرے)

ملت اسلامیہ ہند کے سب سے باوقار متفق علیہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر عالی قدر، آل انڈیا ملی کونسل کے بانی اور ذمہ دار اعلیٰ، اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی و موسس اور سکریٹری جنرل، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں ہندوستان کے واحد رکن، رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم مجمع

☆ ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

الفقہ الاسلامی مکہ کے ممبر، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ، الامین ایجوکیشنل ٹرسٹ بنگلور کی جانب سے کمیونٹی لیڈرشپ ایوارڈ پانے والے، اورانسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹو اسٹڈیز دہلی کی جانب سے شاہ ولی اللہ ایوارڈ کے حامل، ''افمی''یعنی امریکن فیڈریشن آف مسلمس کی طرف سے سید ابوالحسن علی میاں ندوی ایوارڈ یافتہ ''میسی''یعنی مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف ساؤتھ انڈیا کی جانب سے بہترین اسلامی شخصیت کا ایوارڈ حاصل کرنے والے، احکام شریعت اسلامی کی تطبیق کے لئے قائم حکومت کویت کی اعلی مشاورتی کمیٹی کی طرف سے فقہی ایوارڈ سے سرفراز، سعودی عرب، مصر، عرب امارات، امریکہ، برطانیہ، ایران، پاکستان، بنگلہ دیش، بخارا سمرقند وبرونائی اور مختلف بیرونی ممالک کے دعوتی وعلمی اسفار نگاہ بصیرت کھول کر آپ نے کئے، عہدہ اور مناصب کی آپ سے زینت تھی نہ کہ آپ کی عہدوں سے۔

پیدائش عیسوی سے ۱۹۳۶، وطن ہندوستان کی معروف مردم خیز اور علم وعمل سے عطر بیز سرزمین بہار کے ضلع دربھنگہ کا قصبہ جالہ، جو کہا جاتا ہے کہ خلجیوں کے عہد سے ہی اسلام کی آمد سے سرخرو ہوا، مسلم دور حکومت میں بھی عہدہ قضاء اس خاندان کی شناخت رہا ہے، اوراسی نسبت سے جس محلہ میں آپ کا مکان ہے وہ قاضی محلہ کہلاتا ہے، والد ماجد حضرت مولانا عبدالاحد صاحب شیخ الہند کے ممتاز تلامذہ میں ہیں، دارالعلوم دیوبند سے امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی، بہار ہی میں مدتوں حدیث کی اعلی کتابوں کا درس دیا، تدریس کے علاوہ تقریر ومناظرہ میں بھی اپنے عہد کے ممتاز لوگوں میں تھے، حضرت شیخ الہند اور شیخ الہند کے بعد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ سے اصلاحی تعلق رہا، عرصہ تک امارت شرعیہ کے رکن رکین رہے، والد مرحوم کے عزیزوں میں تھے حضرت حاجی منور علیؒ صاحب خلیفہ اجل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بانی مدرسہ امدادیہ کے عزیزوں میں تھے والدہ مولوی محمد جمیل صاحب ساکن جالہ کی صاحبزادی تھیں ان کی والدہ بی بی نجوم فاطمہ سید عبدالفتاح صاحب نستہ کی صاحبزادی تھیں، جو اپنے وقت کے معروف صاحب معرفت بزرگوں میں تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی عربی کی متوسطات کی تعلیم مدرسہ محمود العلوم دملہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں حاصل کی، ۱۹۵۱۔۱۹۵۵ میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کو استاذالاساتذہ علامہ بلیاویؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا فخرالحسنؒ مرادآبادی، حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء اور نادرہ روزگار اساتذہ سے استفادہ کا شرف

حاصل ہوا، اور مراسلت نیز مضامین پر اصلاح کے ذریعہ گاہے گاہے سید القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ سے بھی آپ نے استفادہ فرمایا۔

دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایماء پر جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے، ۱۹۵۵ء تا ۱۹۶۲ء جامعہ رحمانی مونگیر میں عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک کا درس دیا، پھر چند سال کے وقفہ کے بعد ۱۹۶۹ء میں امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی خواہش پر دوبارہ ایک سال تدریس کی خدمت انجام دی، اور ابوداؤد وغیرہ کے اسباق آپ کے ذمہ رہے، اہم بات یہ ہے کہ جس توجہ سے آپ نے اونچی کتابیں پڑھائیں اسی انہماک والتفات کے ساتھ ابتدائی کتابوں کے درس کا بھی اہتمام کیا، اسی لئے جن شاگردوں نے آپ سے ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں ان پر بھی آپ کی تعلیم وتربیت کے نقوش اتنے ہی گہرے ہیں جتنی اونچی کتابیں پڑھنے والوں پر۔

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کی جوہر شناس نگاہ نے آپ کی خداداد صلاحیت کو بھانپ کر ایک ایسے وقت میں امارت شرعیہ کا شعبہ قضاء اور امارت کا انتظام وانصرام آپ کے حوالہ کیا، جب امارت شرعیہ کا سارا نظام عملاً مفلوج ہوگیا تھا۔ اور عرصہ سے دارالقضاء کسی ایسے صاحب نظر اور فقہ اسلامی کی روح کے شناسا قاضی سے خالی تھا، جو اس جلیل القدر عہدہ کی اہمیت کو پورا کرتا، چنانچہ ۱۹۶۱ مطابق شوال ۱۳۸۱ھ سے آخر حیات تک آپ بہار واڑیسہ کے قاضی القضاۃ رہے۔

آپ کی ملی وقومی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، امارت شرعیہ میں آپ اس وقت آئے جب کام کرنے والوں کو بیٹھنے کے لئے باقاعدہ بوریا بھی میسر نہیں تھا اور امارت کا دائرہ اثر پٹنہ اور صوبہ کے کچھ مخصوص علاقوں تک محدود ہوکر رہ گیا تھا، بیت المال خالی تھا، دارالقضاء کا کام پھلواری شریف تک محدود ہوکر رہ گیا تھا، اور پورے صوبہ میں صرف ایک دو مقامات پر دارالقضاء قائم تھے، آپ کی کوششوں سے موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے اور انتظام وانصرام کا شعبہ ان سے متعلق ہوا، قضاء کے نظام کی توسیع اور زیادہ سے زیادہ مقامات پر دارالقضاء کے قیام کے لئے آپ نے شبانہ روز جدوجہد کی، اس اہم اور نازک کام کے لئے افراد کار تیار کئے، امارت شرعیہ کا وفد لے کر گاؤں گاؤں پہنچے قریہ قریہ کو امارت کی تنظیم سے منسلک کیا، مکاتب قائم کئے، لوگوں کے باہمی نزاعات کا تصفیہ کیا، اور مدتوں کی مقدمہ بازیاں چند ساعتوں کی کوشش سے ختم ہوئیں، آپ کی اس

جدوجہد کا یہ فائدہ ہوا کہ ہر عام وخاص کی امارت سے وابستگی بڑھی اور امارت کے تمام شعبوں کو استحکام حاصل ہوا، دارالقضاء میں مقدمات کی آمد بڑھی، دارالافتاء میں سوالات کی کثرت ہوئی بیت المال کو استحکام حاصل ہوا، مسلمانوں میں آپ اپنی تعلیم کے نظم کا مزاج پیدا ہوا، اور بہار واڑیسہ میں امارت کی آواز مسلمانوں کے مسائل کے لئے ایک ایسی نمائندہ آواز سمجھی گئی کہ حکومتیں بھی اسے اہمیت دینے پر مجبور ہوئیں، اور ارباب اقتدار کو بھی ان بوریہ نشینوں کی بارگاہ میں حاضری کے سوا چارہ نہ رہا۔

پھر بہار کے خوں آشام ہندو مسلم فسادات میں آپ نے مظلوم وستم رسیدہ مسلمانوں کی مالی و اخلاقی وسیاسی اور قانونی مدد میں اتنا جرائت مندانہ کردار ادا کیا کہ ہندوستان میں شاید ہی اس کی مثال مل سکے، بھاگلپور کے انسانیت سوز فساد، بلکہ پولیس ایکشن میں امارت اور اس کے ذمہ داروں نے جس طرح اپنی راحتوں کو تج کر دن رات کام کیا، وہ ملت کے لئے خدمت کا ایک نمونہ ہے، ان تمام کاموں میں حضرت قاضی صاحب کی منصوبہ بندی اور اقدامی صلاحیت، خوش تدبیری اور مسلسل انتھک محنتوں اور عملی کاوشوں کا بڑا حصہ ہے۔

''خدمت خلق'' گو امارت شرعیہ کے مقاصد واہداف میں داخل ہے، لیکن عام طور پر یہ کام مقامی ریلیف تک محدود تھا آپ ہی کی تحریک پر مولانا سجاد ہاسپٹل کا پروگرام بنا، آپ نے اس کی منصوبہ بندی کی، اس کے لئے مناسب وسائل کا نظم کیا اور اپنے رفقاء کے تعاون سے اس کام کو عملی جامہ پہنایا، اس طرح امارت شرعیہ سے انسانی بنیادوں پر خدمت خلق کے کام کی ایک نئی روایت قائم ہوئی، اس وقت الحمد للہ بہار جیسی پسماندہ ریاست میں یہ ہسپتال غریب لوگوں کے لئے عصری طبی مدد کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے!

امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا عہد امارت گو مختصر رہا، لیکن خاموشی کے ساتھ ٹھوس اور تعمیری کام کے اعتبار سے یہ امارت کا یادگار عہد ہے، آپ ہی کے عہد میں امارت نے مسلم نوجوانوں کے لئے ٹیکنیکل تعلیم کی طرف توجہ کی جس کی ابتداء پھلواری شریف میں مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے ہوئی، اس نے سیکڑوں بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، اب دربھنگہ، ساٹھی، کٹیہار اور اڑیسہ میں بھی امارت نے اسی نوعیت کے انسٹی ٹیوٹ قائم کئے ہیں اور کئی جگہ پر اس کی کوشش ہو رہی ہے، ٹیکنیکل تعلیم کے اس پورے نظام کے اصل خالق اور منصوبہ ساز آپ تھے اور پھر اس کے لئے مطلوبہ مالی اور افراد وسائل کی فراہمی بھی اصل

میں حضرت قاضی صاحب ہی کی رہین منت ہے، اور شاید ہی کوئی حقیقت پسند اور واقف احوال اس سے انکار کر سکے فسادات کی ہلاکت خیزیوں اور سیلاب کی تباہ کاریوں کے موقع پر امارت شرعیہ نے جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، اس کے علاوہ شمال بہار میں کالا آزار کی بیماری سے نمٹنے کے لئے آپ کی تحریک اور کوشش سے امارت شرعیہ کے زیر اہتمام جو میڈیکل کیمپ قائم ہوئے خدمت خلق کے نقطۂ نظر سے وہ بھی ایک بہت بڑا کارنامہ ہے، جس سے بے شمار غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کو نفع پہنچا ہے۔

نظام قضاء کی توسیع امیر شریعت رابع کا خاص ہدف تھا اور واقعہ ہے کہ اس عہد میں صوبہ اور بیرون صوبہ قضاء کے نظام کو جو وسعت حاصل ہوئی وہ امارت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اس تحریک میں جہاں امیر شریعت رابع کی توجہات اور موجودہ امیر شریعت سادس کی انتظامی صلاحیتوں کا حصہ ہے، وہیں حضرت قاضی صاحب اس تحریک کے روح رواں، اس کا دماغ اور اس کی زبان بن کر رہے' امیر شریعت رابع نے امیر منتخب ہونے کے بعد خانقاہ رحمانی مونگیر میں تربیت قضاء کا کیمپ قائم کیا، جس میں پوری ریاست سے مقتدر علماء اور ارباب افتاء نے شرکت کی، تربیت قضاء کا دوسرا کیمپ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں منعقد ہوا، اس میں صوبہ بہار کے علاوہ مختلف صوبوں اور مکاتب فکر کے اہل علم نے شرکت کی، اس تربیتی کیمپ کی منصوبہ بندی اور علمی اعتبار سے مسائل قضاء کی تفہیم اور کار قضاء کی تربیت کا پورا کام آپ ہی کے ذریعہ انجام پایا، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس تربیتی کیمپ نے گہرے اثرات ڈالے اور صوبہ بہار کے علاوہ مختلف شہروں میں دارالقضاء کا نظام عملی طور پر قائم ہو گیا۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کے وقتی پروگرام کے ذریعہ مستقل طور پر افراد سازی کا کام انجام نہیں پا سکتا تھا اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے قضاء وافتاء کی تربیت کے لئے ایک مستقل ادارہ کی تشکیل " المعهد العالی للتدريب في القضاء و الافتاء " کے نام سے امارت ہی کے زیر انتظام فرمائی جو نہایت کی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور اس وقت تربیت قضاء اور افتاء کے لئے پورے ملک کا مرجع بنا ہوا ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے تحفظ، ان کی قانونی مدد، دعوت واصلاح، تحفظ شریعت اور کتنی ہی قومی اور اصلاحی خدمت ہے جسے آپ نے امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے انجام دیا ہے۔

قانون شریعت کا جو فہم اور عقلی اور منطقی طور پر اسلام کے قانون معاشرت کو سمجھانے کا جو خداداد ملکہ آپ کو حاصل تھا حقیقت یہ ہے کہ آپ کے معاصرین میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، مسلم

پرسنل لا بورڈ کی تحریک میں آپ شروع سے سرگرم رول ادا کرتے رہے متبنی بل کا قضیہ ۱۹۷۲ء میں کھڑا ہوا اور امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی کی تحریک پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مسلم پرسنل لاء کے موضوع پر دارالعلوم میں قائدین امت اور علماء و اہل دانش کا پہلا اجلاس طلب کیا تو اس کی تیاری کے لئے بزرگوں کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی اور آپ نے تقریباً ایک ماہ دارالعلوم میں قیام کر کے مسلم پرسنل لاء کے تمام پہلوؤں پر بحث کا خاکہ مرتب کیا اور ان نکات کو متعین کیا جو مسلم پرسنل لاء کے مخالفین کا خاص ہدف ہیں، یہیں سے مسلم پرسنل لاء کنونشن ممبئی کی تیاری کا آغاز ہوا جس کی مجلس داعیان کے ایک رکن آپ بھی تھے۔

ممبئی میں مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر جو عظیم الشان کنونشن منعقد ہوا، وہ امت کی اجتماعیت کی ایک ایسی مثال تھی کہ خلافت تحریک کے بعد اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اس کنونشن کی تیاری اور اس کیلئے فضا کی ہمواری میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں پھر بورڈ کی تشکیل کے بعد شروع ہی سے آپ اس کے رکن تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن رکین رہے۔ حضرت مولانا رحمانی بورڈ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اور آپ نے ان کا دست و بازو بن کر کام کیا، اور ہمیشہ اس تحریک کے سب سے مؤثر وکیل اور ترجمان رہے، شاہ بانو کیس کے نتیجہ میں جو تحریک اٹھی اس میں آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا، مولانا رحمانی کے بعد عام رجحان یہی تھا کہ جنرل سکریٹری کے عہدہ کے لئے آپ کی شخصیت ہی سب سے موزوں ترین شخصیت ہے، بابری مسجد کی شہادت کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کے مجروح دلوں پر مرہم رکھنے اور ان کی پست ہوتی ہوئی ہمتوں کو اونچا اٹھانے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔

بورڈ کے دوسرے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد آپ کی سنگین اور مسلسل علالت کے باوجود ساری امت اسلامیہ ہند کی نگاہ آپ پر مرکوز تھی اور اس طرح اتفاق رائے سے آپ بورڈ کے تیسرے صدر منتخب ہوئے، بورڈ کی صدارت کے عہدہ پر فائز ہونیکے بعد آپ نے بورڈ کے کردار کو فعال بنانے پر خصوصی توجہ دی اسکے مرکزی دفتر کو عصری سہولتوں سے آراستہ کیا، مسلم پرسنل لا سے متعلق فقہی و قانونی کتابوں پر مشتمل لائبریری قائم کی اور بورڈ کے زیر نگرانی مرتب شدہ مجموعہ قوانین اسلامی کی اردو اور انگریزی میں طباعت عمل میں آئی۔

صدر بورڈ منتخب ہونے کے بعد اجلاس بنگلور میں آپ نے جو خطبہ صدارت دیا، وہ بورڈ کی

تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے لائق ہے اس میں آپ نے سنگھ پریوار کے نمائندوں کو خصوصاً اور عام برادران وطن کو عموماً کھلے اور بے غبار لفظوں میں اسلام کی آفاقی سچائی کو قبول کرنے اور خدا کی آواز پر لبیک کہنے کی دعوت دی، اردو اور انگریزی اخبارات، نیز الیکٹرانک میڈیا نے نہایت نمایاں طریقہ پر حق وراستی کی اس للکار کو پوری اہمیت کے ساتھ لوگوں تک پہونچایا۔ ہندوستان میں مختلف جماعتیں اور تنظیمیں کام کررہی ہیں، بعض جماعتیں تو سیاسی ہیں، بدقسمتی سے ملی مفادات کے مقابلہ سیاسی اور گروہی مفادات کی فکر نے انمیں ایسے فاصلے پیدا کردئے ہیں جیسے دریا کے دو کنارے، کہ دونوں کے ہاتھوں میں قوم وملت کی سربلندی کا جھنڈا ہے لیکن ان میں وسیع تر مفادات کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے اور شانہ بشانہ ہوکر آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں قومی اور ملی مسائل کی ترجمانی کرنے والی کچھ غیر سیاسی مذہبی تنظیمیں بھی ہیں، لیکن یہ مخصوص مذہبی پس منظر اور نقطہ نظر کی حامل ہیں، اس لئے وہ مسلمانوں کے ایک مخصوص گروہ کی نمائندگی کرتی ہیں، دوسرے حلقہ کے لوگوں کو ان سے تعلق نہیں' بلکہ ایک دوسرے کی تفسیق اور بعض اوقات تکفیر پر کمربستہ رہتے ہیں، امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی ہے جس کو کسی تنظیم یا تحریک سے تعلق نہیں، یہ سیدھے سادھے مخلص اور گروہی نظریوں سے بلند عام مسلمان ہیں۔

مسلم پرسنل بورڈ نے تحفظ شریعت کی مہم کی حد تک گروہوں کو جوڑا ہے' لیکن امت کے دوسرے سیاسی' تعلیمی' ثقافتی اور معاشی مسائل کو اس نے اپنی کوششوں کا ہدف نہیں بنایا ہے' تا کہ ان مسائل میں فکر ونظر کا اختلاف بورڈ کی وحدت کو متاثر نہ کرے' اسی پس منظر میں ۱۹۶۵ء میں مجلس مشاورت کی تشکیل عمل میں آئی تھی، لیکن افسوس کہ مشاورت کی بعض دستوری خامیوں' تنظیموں کے جماعتی تحفظات اور بتدریج مخلص اور فعال قائدین سے محرومی، نیز بعض اہم جماعتوں کی اس وفاق سے علاحدگی کے سبب مجلس مشاورت ایک کاغذی تحریک بن کررہ گئی اور قوم وملت کے مسائل کی ترجمانی میں عملاً اس کا کوئی کردار باقی نہیں رہا۔

اس خلا کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے آل انڈیا ملی کونسل کی ۱۹۹۲ء میں تشکیل فرمائی، جس میں ملک گیر سطح پر مختلف صلاحیتوں کو جمع کیا گیا، اور ایک جامع پروگرام کے ساتھ امت کی ہمہ جہت ترقی کو ہدف بنایا گیا، وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت کو جوڑنا، جہاں پہلے سے کوئی اچھا کام ہورہا ہو اس کو تقویت پہونچانا، جہاں نہیں ہورہا ہو وہاں براہ راست یا بالواسطہ کام کرنا اور ایک ہی طرح کی کوششیں مختلف

سمتوں سے ہورہی ہوں توان کو باہم مربوط کرنے کی کوشش کرنا۔کونسل کا بنیادی مقصد ہے، واقعہ یہ ہے کہ ملی کونسل کے پلیٹ فارم نے نفرت کے بجائے وحدت، تصادم کے بجائے تعاون اورامت کی مختلف ضروریات کے لحاظ سے مختلف صلاحیتوں کوابھارنے اور باصلاحیت نوجوانوں کی ایک تازہ دم ٹیم تیارکرنے کا ایسا کام کیا ہے، جسکے دوررس اثرات محسوس کئے جارہے ہیں، ٹاڈا قانون کی تنسیخ، انتخابی سیاست میں مسلمان کا ووٹ متحد کرنے اور مردم شماری کے موقع پر مسلمانوں کومتوجہ کرنے، نیز دینی اورعصری تعلیم میں ان کو آگے بڑھانے اور کسی بھی سیاسی اور مذہبی مسئلہ پر حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کربات کرنے کا جوکام کونسل نے کیا ہے، وہ ہندوستان کی ملی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اسی سلسلہ کی ایک ملک گیرکوشش کاروان آزادی اور کاروان اتحاد کی صورت میں ہوچکی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ان تمام کوششوں کے پیچھے جودل تڑپتا اور جو دماغ سوچتا تھا، اور جس کی سخن دل نواز نے سوئے ہوئے کو بیدار اور نہ چلنے والوں کو چلنے پر مجبور کیا تھا وہ آپ ہی کی شخصیت تھی اور یہ آپ رکھا کی کوشش تھی جس نے مختلف مسلک ومشرب مزاج ومذاق اور فکروذہن کے لوگوں کودوش بدوش کھڑارکھا گو آپ کی علالت اور بہت سے علاقوں میں مقرر ذمہ داران کے تساہل کی وجہ سے کونسل کی سرگرمیوں میں اب وہ جوش وخروش نظر نہیں آتا جوابتدائے قیام کے زمانہ میں تھا، لیکن کونسل کی اہمیت اورضرورت آج بھی ہے، بہر حال ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے جو کچھ بھی کام ہوا ہے وہ آپ کی ملی خدمات کا ایک زریں باب ہے۔

افراد سازی اور مردم گری آپ کا خاص مزاج تھا اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں شروع ہی سے اس کو آپ نے خصوصی اہمیت دی چنانچہ انفرادی طور پر کتنے ہی قضاۃ ہیں جو آپ سے تربیت پاکر ملک کے مختلف علاقوں میں قضاء کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ماضی قریب میں آپ نے دو ایسے اداروں کی تشکیل کی جس نے دینی مدارس کے فضلاء اور نوجوان علماء کی تربیت میں ایک انقلابی کردارادا کیا، ان میں ایک تو اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام ہے جس میں اس وقت ملک بھر کے ذہین اور باصلاحیت اصحاب علم شریک ہیں، اکیڈمی کے ذریعہ دو درجن سے زیادہ نئے اور اہم مسائل پر سیمینار ہو چکے ہیں اور ان سیمیناروں نے کیسی کیسی صلاحیتوں کوابھارا اور گمنام اصحاب کو متعارف کرایا ہے، اور ایک نیا علمی جوش اور ولولہ عطا کیا ہے، اس کی شہادت کے لئے اکیڈمی کے فقہی مجلات کافی ہیں۔

دوسرے امارت شرعیہ کے تحت ''المعهد العالى للتدريب فى القضاء والافتاء'' کا قیام ہے۔اس کے علاوہ دینی تعلیم کا فروغ اوراس کے معیار کو بہتر بنانے کی سعی وکوشش آپ کی زندگی کا خاص مشن رہا ہے، بہار واڑیسہ میں درجنوں مدارس ہیں جو آپ کی سرپرستی میں کام کرر ہے رہے،اور بعض قدیم اور بڑے مدارس تو وہ ہیں جو تمام بنیادی امور میں آپ ہی کے مشورہ سے قدم اٹھاتے رہے، بہار کے وہ مدارس جو سرکار سے ملحق نہیں ہیں ان کے معیار تعلیم کو اونچا اٹھانے اور نصاب ونظام میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے زیر سرکردگی آزاد دینی مدارس بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا،اس وقت آپ جامعہ رحمانی میں مدرس تھے،آپ نے اس بورڈ کے قیام اور پھر اسکے انتظام و انصرام میں سرگرم رول ادا کیا تھا،مگر افسوس کہ مدارس کی باہمی آویزش کی وجہ سے یہ وفاق زیادہ دنوں تک متحرک نہ رہ سکا، پھر آپ ہی کی تحریک پر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے مونگیر میں مدارس اسلامیہ کنونشن کیا جسمیں تقریباً ڈیڑھ سو مدارس کے نمائندے شریک ہوئے پورے ملک سے مختلف مکتب فکر کے مدارس اور دینی تعلیم کے ماہرین اکٹھا ہوئے اور مدارس کے نصاب ونظام کے سلسلے میں بڑی مفید تجاویز منظور ہوئیں' نیز ''مدارس اسلامیہ کونسل'' کا قیام عمل میں آیا،آپ ہی اس اجلاس کے محرک بھی تھے اور مجلس استقبالیہ کے صدر اور کرتا دھرتا بھی، لیکن بدقسمتی سے یہ کونسل محض ایک کاغذی ادارہ بن کررہ گئی اور عملی طور پر اس نے کوئی کام نہیں کیا۔امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ کے عہد میں امارت شرعیہ کے زیر اہتمام پھر بہار کے دینی مدارس کا ایک اہم اجتماع منعقد ہوا،اس اجتماع میں ''وفاق المدارس الاسلامیہ بہار'' کی تشکیل عمل میں آئی،موجودہ امیر شریعت اس وفاق کے سرپرست اور آپ اس کے صدر اور روح رواں ہیں، یہ اجلاس اور وفاق اصل میں آپ ہی کی توجہ اور تحریک کا نتیجہ ہے۔جس میں بہار کے دوسو سے زیادہ آزاد دینی مدارس شریک ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وفاق نے بہار کے مدارس کے گرتے ہوئے تعلیمی معیار کو اونچا اٹھایا ہے اور پورے ملک میں اس کو ایک قابل تقلید وفاق تصور کیا جارہا ہے۔

آپ نے کل ہند سطح پر بھی مدارس کے نظام تعلیم وتربیت کی اصلاح وترقی اور حکومت کے ناپاک عزائم سے مدارس کی حفاظت کیلئے دینی مدارس کا وفاق قائم کرنے کی کوشش فرمائی'اوراس سلسلہ میں آل انڈیا ملی کونسل کے تحت دہلی میں ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا،لیکن افسوس کہ بعض حلقوں نے تعاون کے بجائے تصادم اور مخالفت کی راہ اختیار کی اوراس طرح ایک اہم کام جو ہونا چاہئے اور جس سے

معیار تعلیم کو اونچا اٹھانے میں بڑی مدد ملی، تشنہ تکمیل رہا۔

اب خود امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تحت ''دار العلوم امارت شرعیہ'' کا قیام عمل میں آچکا ہے، جس میں حضرت امیر شریعت کی، اور آپؒ کی اور امارت کے نوجوان وتازہ دم ذمہ داروں کی فکر اور سعی بلیغ کا بڑا حصہ ہے، اور اس وقت جبکہ بہار میں کسی مرکزی دینی جامعہ کی کمی محسوس کی جارہی ہے، امید ہے کہ یہ دار العلوم اس خلا کو پر کریگا اور بتدریج کم وکیف کے اعتبار سے عروج کمال کو پہنچے گا۔

کئی دہائیوں سے یہ صورت حال تھی کہ مسلمانان ہند کا جب بھی کوئی قومی، علمی اور مذہبی اجتماع ہوتا اور اس میں آپ شریک ہوتے تو آپ کے خطبہ کی حیثیت اس اجتماع کے کلیدی خطبات کی ہوتی اس نسبت سے آپ امریکہ، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ، خلیجی ممالک، برصغیر میں پاکستان و بنگلہ دیش وغیرہ تشریف لے گئے اور ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں اس حیثیت سے آپ کا قدم نہ پہونچا ہو، مسلمانوں کی فکر، ان کے درد میں گھلاؤ اور گاؤں گاؤں میں پہونچ کران سے گفتگو اور اس کے لئے اپنی صحت سے بے نیازی ہی کے نتیجہ میں بالآخر آپ کی صحت کی وہ کیفیت ہوگئی تھی جس نے آپؒ کو بستر مرگ پر پہونچا دیا تھا۔

آپ کا اصل میدان علم وتحقیق ہے، اگر متبحر عالم کی تعریف ایسے شخص سے کی جائے جس سے گفتگو کرتے ہوئے انسان پر اپنا جہل واضح ہو جائے، تو یقیناً آپ کی شخصیت کو اس کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، جن حضرات نے آپ کو قریب سے دیکھا اور آپ کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا ہے اور علمی مسائل میں اسے آپ سے تبادلہ خیال کا موقع ملا ہے، وہ یقیناً اس کا اعتراف کرے گا، مشکل مسائل کو سہل طریقہ پر بیان کرنے، اس کی روح تک پہونچ کر مسئلہ کو سلجھانے کا خاص ملکہ اللہ نے آپ کو عنایت فرمایا تھا گو ملی مشغولیات کی وجہ سے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں مل پایا، اور تالیف برائے تالیف کے آپ قائل نہیں تھے، اس کے باوجود جو کچھ علمی سرمایہ آپ کا لوح وقلم نے محفوظ کیا ہے، وہ ''کم'' کے اعتبار سے بھی اور اس سے زیادہ ''کیف'' کے اعتبار سے بھی ایک گنج گراں مایہ ہے!

نظام قضاء سے طویل وابستگی کے سبب عائلی قوانین آپ کی فکر ونظر کی خاص جولانگاہ تھے، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت عائلی قوانین کا جو مجموعہ مدون ہوا، اس میں آپ کا نمایاں حصہ ہے، اس کے علاوہ قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی حیثیت سے آپ نے سینکڑوں فیصلے کئے، ان سے راہ

کے نو واردوں کو فصل خصومت کے طریقہ کار کے متعلق واضح اور عملی رہنمائی حاصل ہوئی، یہ فیصلے ابھی تک کتاب کی صورت طبع نہیں ہوئے ہیں، لیکن ''بحث ونظر'' میں ان کی ایک اچھی خاصی تعداد طبع ہو چکی ہے، اور اب ضرورت ہے کہ ''مجموعہ قضایا دارالقضاء امارت شرعیہ بہار واڑیسہ'' کی اشاعت عمل میں آئے۔ آپؒ نے دارالافتاء امارت شرعیہ سے صادر ہونے والے فتاوی کو ایک جلد میں جمع کیا ہے۔ اور اس کو اپنی بیش قیمت تعلیقات سے مزین کیا، جن میں کہیں کہیں صاحب فتاوی پر استدراک بھی ہے جہاں یہ فتاوی مولانا سجاد صاحب کی گہری بصیرت کے شاہد ہیں وہیں مرتب کے عمق نظر اور وسعت مطالعہ کی دلیل بھی۔ اس کی دوسری جلد بھی آپ نے مرتب فرمائی ہے، جو مختلف علماء کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، اور اس پر آپؒ کی تعلیقات اہل علم اور ارباب افتاء کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ ہے۔

تقریباً چار سال کے عرصہ سے آپ علیل تھے، لیکن اس علالت میں ایک خیر کا پہلو یہ ہوا کہ متعدد علمی کام جو یکسوئی اور کامل توجہ کا طالب تھا اور جس کا حاصل ہونا آپ کی سرگرمیوں کی وجہ سے بہ ظاہر دشوار تھا اس کو اس بیماری کے زمانہ نے پورا کرایا، چنانچہ قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہم کتاب ''صنوان القضاء'' پر اسی زمانہ میں آپ نے تعلیق وتحقیق کا کام کیا، جو چار جلدوں میں کویت کی وزارت اوقاف سے طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے، یہ کتاب تو اپنی جگہ اہم ہے ہی، آپ کی مبسوط تعلیقات نے اس اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے، دوسرا اہم کام ''وزارۃ الاوقاف'' کویت سے طبع ہونے والی ''الموسوعة الفقهية'' کے ترجمے کا ہے، جسے آپ کی نگرانی میں انجام دیا جا رہا تھا، اور آپ بھی نفس نفیس اس پر آخری نظر ڈالا کرتے تھے، اس طرح کئی جلدوں کا کام آپؒ کے زیر نگرانی مکمل ہو گیا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اس کا بیڑہ اٹھایا ہے اگر یہ عظیم فقہی ذخیرہ اردو کا جامہ پہن کر طبع ہو جائے تو اردو کے کتب خانہ میں یہ ایک عظیم الشان اضافہ ہوگا، لبنان سے آپ کی دو اہم عربی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں ایک ضخیم کتاب ''الوقف'' اور دوسری ''النظام القضائی الإسلامی'' ہے۔

آپ کی تصنیفی اور فقہی خدمات میں ایک اہم عنوان سہ ماہی ''بحث ونظر'' کا اجراء ہے، جو اردو زبان میں اپنی نوعیت کا منفرد جریدہ ہے، اس میں فقہ کی اصولی بحثیں، فقہی مسائل، تحقیقی مقالات، اہم فتاوی ومقدمات کے فیصلے، اہم علمی شخصیتوں اور کتابوں کا تعارف اور نو طبع شدہ کتابوں پر تبصرہ کے علاوہ ملکی وملی مسائل پر تجزیاتی شذرات بھی اداریہ کی شکل میں موجود ہوتے ہیں، یہ رسالہ اہل علم واصحاب دانش

کے لئے نہایت قیمتی اثاثہ ہے، اور محض وقتی رسالہ نہیں بلکہ مستقل دستاویز ہے، یہ رسالہ آپ ہی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا جس نے اہم موضوعات پر قلم اٹھانے والے تازہ فضلاء کی تربیت بھی کی ہے اور ان کو متعارف بھی کرایا ہے خدا کرے کہ اس رسالہ کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔

حضرت قاضی صاحب کی فکر کا امتیاز عدل واور اعتدال ہے، اعتقادات کے باب میں آپ کے یہاں اہل سنت والجماعت کے سلف صالحین کی رائے پر تصلب ہے، لیکن اختلاف رائے کے باوجود امت کی اجتماعیت کی طرف اور ہندوستان میں مسلمانوں کے مشترک مسائل کے لئے زیادہ سے زیادہ اجتماعی قوت کی فراہمی کی فکر آپ کو بے چین رکھتی تھی، فقہی مسائل میں آپ کا ذوق خالصۃ اعتدال پر مبنی تھا، آپ اس تجدد اور اباحیت کے سخت مخالف تھے، جو اجتہاد کے نام پر شریعت کی نصوص تک کو خاطر میں نہیں لاتے، اور اس لئے تقلید کو ایک ضرورت سمجھتے تھے، لیکن دوسری طرف اس تقلید جامد کے بھی آپ قائل نہیں تھے، جس میں حالات کی تبدیلی کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف فقہاء کی جزئیات پر جمود اختیار کیا جائے، یہاں تک کہ لوگ شریعت کو بوجھ اور ناقابل عمل سمجھنے لگیں، اجتہاد کے بارے میں آپ کا نظریہ تھا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے، کیونکہ فقہاء نے قضاء وافتاء کے لئے زیادہ مستحق اس شخص کو قرار دیا ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو، تو اگر مطلق باب اجتہاد بند ہو تو پھر یہ بات بے معنی ہو کر رہ جائے گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عملاً فی زمانہ صلاحیت اجتہاد کی حامل شخصیتیں مفقود ہیں، نئے مسائل کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ انفرادی اجتہاد کے بجائے ان مسائل پر اجتماعی غور وفکر کی راہ اختیار کی جائے، اور اسی پس منظر میں آپ نے اسلامک فقہ اکیڈمی قائم فرمائی تھی۔

اہل علم فقہیات میں حضرت قاضی صاحبؒ کے مزاج ومذاق اور فکر ونظر کے اعتدال کو سمجھنا چاہیں تو شرعی رخصتوں اور ان کے ذیل میں آنے والی تلفیق کی بحث کو ملاحظہ کریں کہ کس طرح افراط وتفریط سے بچتے ہوئے رائے قائم کی گئی ہے، چنانچہ منصوص مسائل میں آپ کا رویہ نہایت احتیاط کا ہے، سود کے بارے میں جو احتیاط آپ نے اختیار کی ہے اس سے بھی یہ حقیقت واضح ہے، جو مسائل اجتہادی ہیں، اور ائمہ متبوعین اور سلف صالحین کے درمیان مختلف فیہ رہ چکے ہیں، اور ان میں فقہ حنفی ہی پر قائم رہنے میں بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے تنگی یا اباحیت کا اندیشہ ہے، کے بارے میں آپ کا رجحان تھا کہ علماء اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ بہ قدر ضرورت سلف کی رائے سے استفادہ کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ دین

کے مقابلہ بے دینی کو اختیار کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ اختلاف کوامت کے لئے رحمت بنانا ہے، اور تمام ہی سلف صالحین کے اجتہادات ہمارا اثاثہ اور سرمایہ ہیں، غرض کہ اگر آپ کے فقہی مزاج اور فکری مذاق کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو اس کی تعبیر ''فکر ولی اللہی'' کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتی۔

افسوس کہ یہ مرد مجاہد جس نے پوری زندگی علم و تحقیق کے سفر میں گزاری، جس نے تحفظ شریعت کے قافلہ کی سالاری کی اور ایک طویل عرصہ تک اس کارواں کا دل و دماغ اور زبان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو گرد کارواں بنائے رکھا، اور موجودہ حالات میں جس کی نگاہ بلند، سخن دل نواز اور جان پرسوز کی امت کو سب سے زیادہ ضرورت تھی، اس نے چار پانچ سال کا عرصہ بستر مرگ پر گزارتے ہوئے امت کو غم میں گھلتے اور اپنے ناخن تدبیر سے ان کی مشکلات کو حل کرتے ہوئے ۴/ اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ شب جمعہ کو اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو جو محبوبیت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی، اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ چار مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں، دہلی ایر پورٹ پر، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے احاطہ میں اور ان کے آبائی شہر دربھنگہ میں۔ دربھنگہ میں تو شرکاء کے بارے میں ڈیڑھ تا دولاکھ کا محتاط اندازہ کیا جاتا ہے۔ پٹنہ میں اتنا بڑا مجمع تھا کہ حکومت پولس اور ذمہ داروں کے قابو سے باہر تھا اور دہلی میں بھی یہاں کی عام روایت کے خلاف وقت کی کمی کے باوجود کثیر تعداد جمع ہوگئی تھی۔ بہار میں سرکاری سطح پر ایک روزہ سوگ کا اعلان کیا گیا اور پٹنہ ایرپورٹ امارت شرعیہ نیز دربھنگہ میں ریاستی حکومت کی طرف سے گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔ کتنی ہی آنکھیں تھیں کہ نم تھیں کتنے ہی لوگ تھے کہ بلک رہے تھے اور اکثر لوگوں کا احساس تھا کہ اپنے والدین کی وفات پر بھی ان کو وہ صدمہ نہیں پہونچا جو قاضی صاحب کی وفات پر انہیں پہونچا، ایسا لگتا تھا کہ ہر شخص ایک دوسرے کی طرف سے تعزیت کا مستحق ہے مسلمان تو مسلمان دسیوں غیر مسلموں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں، جس خدائے رحمان و رحیم اور غفار و کریم نے اس دنیا میں لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت و احترام کی تخم ڈال دی تھی یقینی ہے کہ وہ آخرت میں بھی اپنے اس بندہ کے ساتھ لطف و محبت اور توقیر و اکرم کا معاملہ کرے گا اور اسی کی دعاء ہے! ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

شمس تبریز خاں☆

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور اتحاد ملت

اپنے دوست عزیز اور دارالعلوم دیو بند کے ہم سبق ساتھی مولانا شعیب احمد رحمانی مرحوم (استاد اردو رانچی یونیورسٹی) سے جو قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے بھانجے تھے، قاضی صاحب کا نام غالباً پہلی بار سنا اور ان کی غیر معمولی محنت وصلاحیت اور دارالعلوم سے درجہ اول میں فراغت کا علم ہوا اور ان کی علمیت اور لیاقت کا تأثر ذہن پر رقم ہو گیا اور دل میں ان کی عزت وعظمت بڑھ گئی، دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا شعیب مرحوم کے کہنے پر میں دو ماہ کے قریب ہفتہ وار ''نقیب'' پھلواری شریف کی ادارت سے متعلق رہا، قاضی صاحب میرے پڑوس ہی میں مقیم تھے اس لیے دو ماہ تک برابر یکجائی رہی، ان دنوں جناب مولانا نظام الدین صاحب مدظلہ (حال امیر شریعت بہار) اور جناب مولانا احمد علی قاسمی صاحب (جنرل سکریٹری مجلس مشاورت) بھی ناظم امارت کے عہدوں پر وہاں قیام فرماتے تھے اور ان سے بھی ملاقاتیں رہتی تھیں، وہیں مولوی محمد شفیع تمنائی (ناقل فتاوی امارت شرعیہ) سے جو اچھے شاعر اور سخن فہم تھے، مخلصانہ تعلق رہا، قاضی صاحب کی دعوت پر بہار بلکہ ملک کے مشہور شاعر جناب کلیم عاجز اکثر تشریف لاتے تھے اور اپنے اشعار سے محظوظ کرتے تھے اس سے اندازہ ہوا کہ ہمارے قاضی صاحب شعروسخن کا بھی اچھا مذاق رکھتے ہیں۔

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب جب تشریف لاتے تو ہم سب لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے وہاں قاضی صاحب کا حسن ادب اور تواضع دیکھنے والا ہوتا تھا اور اس سے یہ سبق ملتا تھا کہ اپنے بڑوں کی کس طرح عزت کرنی چاہیے۔

ملت کے لیے قاضی صاحب کی فکر مندی اور دردمندی کے جو نمونے ان دو مہینوں میں دیکھے وہ ان کی بقیہ زندگی اور ملت کے لیے انکی بے چین طبیعت کو سمجھنے کی بنیاد بنے رہے، جب بھی کوئی

☆ استاذ شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

فساد ہوتا تو قاضی صاحب امیر شریعت کی طرف سے اخبارات کے لیے بیان جاری کرتے اور عرب سفیروں کو اس کی طرف متوجہ کرتے، حالات جاننے کے لیے اردو انگریزی اخبارات کا پابندی سے مطالعہ کرتے اور ریڈیو سے بھی خبریں سنتے تھے، اور پریس کانفرنس بھی بلاتے تھے، اور حسب سہولت امارت کی طرف سے فساد زدگان کی مدد بھی کراتے تھے۔ حکام سے رابطہ کرکے فساد کی مذمت کے ساتھ انہیں فساد پر قابو پانے اور مصیبت زدگان کی مدد کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ وہ قاضی صاحب کا ارتقائی اور تشکیلی دور تھا لیکن اس دور میں بھی انکی پابندی اوقات، یکسوئی کے ساتھ مطالعہ، دفتری مشغولیات، تنظیمی معاملات، تحریر وتقریر سب میں نمایاں چیز ملت کے لیے ان کی فکر مندی اور درد مندی تھی جو ان کو متحرک اور بے قرار رکھتی تھی۔

امارت شرعیہ ہر دور میں مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت کی اساس رہی ہے جو منصوص بھی ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے بعد مسلمان اپنے امیر وخلیفہ کی اطاعت کریں اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں، چنانچہ ان احکام وعمل کے نتیجے میں مسلمانوں میں وحدت واخوت، اور اجتماعیت کے اوصاف پیدا ہوئے اور وہ ایک طاقت بن کر ابھرے مسلمانوں میں جب تک خلافت کا نظام قائم رہا تو مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت بھی قائم رہی اور خلافت کے خاتمہ کے بعد مسلمان طرح طرح کی فرقہ بندیوں اور قوموں میں بٹ گئے جس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی عددی کثرت کے باوجود بے وزن وبے قابو وبے وقار ہوگئے۔ ہندوستان میں مسلم حکومت کے خاتمہ کے بعد علماء نے ملی اتحاد واتفاق اور شیرازۂ ملت کی مضبوطی کے لیے امارت شرعیہ کے نظام کی وکالت کی جس سے بہار واڑیسہ اور پھر بعض اور صوبوں نے فائدہ اٹھایا۔ قاضی صاحب نے امارت شرعیہ کے اس پیغام کے تحت ایک پلیٹ فارم سے مسلمانان ہند کو ہمیشہ اتفاق واتحاد، ملی شیرازہ بندی، اور اپنی صفوں کی مضبوطی ودرستگی کی دعوت دی اور الحاد ودہریت، بے دینی اور بداخلاقی کے ماحول میں دینی اور دعوتی زندگی گزارنے اور مذہب واخلاق کا اچھے سے اچھا نمونہ پیش کرنے کی تلقین کی کہ وہ جس حد تک ہوسکے اپنے امیر کی اطاعت کریں اور ملکی قوانین کے ساتھ اپنے عائلی وخاندانی قوانین اور شریعت کے اخلاقی نظام کو اپنائیں جو ان کی وحدت واجتماعیت اور قومی طاقت کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

قاضی صاحب امارت شرعیہ کے اس مقصد وپیغام ہی کے ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ سے بھی

وابستہ ہوئے جو علماء و ماہرین امت کی منتخب اور متفق علیہ تنظیم ہونے کے سبب مسلمانانِ ہند کی ترجمان بھی ہے اور ان کی ملی وحدت و حمیت کی اساس بھی۔ اسی لیے مسلم پرسنل لاء بورڈ میں مسلمانوں کے ہر فرقہ و جماعت کی نمائندگی ہے تاکہ وہ حکومت کے سامنے متفقہ و مشترکہ طور سے اپنی آواز اٹھائیں اور اپنے دستوری و آئینی حقوق کے لیے مل جل کر جد و جہد کریں۔

چنانچہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی اس حکمت عملی کے اچھے اور مفید نتائج سامنے آئے ہیں اور ملت کی اجتماعیت و شیرازہ بندی کو طاقت و رسوخ حاصل ہوا ہے۔

اس سال شروع میں جب فرقہ پرور طاقتوں نے بابری مسجد کے سلسلے میں سخت موقف اپنایا اور ملکی قوانین اور عدلیہ کو بھی نظر انداز کر کے من مانے حل کے لیے ہنگامہ برپا کیا تو بورڈ نے دستوری حدود میں رہنے اور عدالتی فیصلے کو تسلیم کرنے کے اعلان کے ساتھ ہندو مسلم مذہبی رہنماؤں کی خوشگوار ماحول میں بات چیت کا بھی انتظام کیا لیکن مختلف وجوہ سے وہ گفتگو ناکام رہی، لیکن اپنے صدر کی رہنمائی میں بورڈ نے جرأت مندانہ موقف اپنایا اور مسلمانوں نے بھی اپنی وحدت اور اجتماعیت کا ثبوت دیا جسکے نتیجے میں فرقہ پرست طاقتوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

ملی اتحاد اور ملت کی سربلندی اور سیاسی وزن وقار میں اضافہ کے لیے قاضی صاحب اور ان کے چند دردمند مخلص دوستوں نے ''ملی کونسل'' کے نام سے ایک پالیٹکل فارم کی بنیاد بھی ڈالی تاکہ وہ مسلمانوں کو سیاسی و سماجی طور سے خود کفیل اور خود مختار بنا سکے اور انہیں دوسری سیاسی پارٹیوں کے جبر و استحصال سے نجات دلا سکے، اس میں ملت کے بہت سے اہل فکر و نظر اور مختلف جماعتوں اور طبقوں کے لوگ شامل کئے گئے ہیں اور اسکے پلیٹ فارم سے ملی مفاد و اتحاد کی آواز بلند کی گئی اور مسلمانانِ ہند کے سامنے ایک سیکولر، با اصول و باضمیر اور غیر جانبدار سیاسی جماعت کا نصب العین رکھا گیا جس سے جڑ کر وہ ہندوستان کی سیکولر، جمہوریت پسند اور انصاف پرور جماعتوں اور طاقتوں کو موثر بنا سکے اور خود اپنی صفوں کو درست اور گروہی و جماعتی، ذاتی و شخصی مفادات سے بلند ہو کر ایک متحدہ سیاسی قوت بن سکتے ہیں۔

اسکے لیے انہوں نے علما و ماہرین سیاست کے نام سے اپیلیں شائع کیں اور ملت کو اس کے نفع و ضرر سے آگاہ کیا اور الکشن کے موقع پر سیکولر جماعتوں کے لائق اور ایماندار نمائندوں کی

حمایت کے لیے ایسی اپیلیں کیں، جن پر اگر عمل ہو تو وہ ہندوستان کی سیکولر جمہوریہ کی اقلیتوں کے لیے بہترین لائحہ عمل ثابت ہوسکتی ہیں۔

قاضی صاحب نے ملی کونسل کے دستور اساسی کا آغاز ہی ایسے الفاظ سے کیا تھا جن سے ملی اتحاد اور ملی سربلندی کے لیے ان کی قلبی کیفیت کا اس طرح اظہار ہوتا تھا: ''ملت اسلامیہ کا انتشار، نظم واتحاد کا طالب ہے، یہ امت جو قیام عدل وانصاف کے لیے وجود میں آئی تھی قعر ذلت میں گرتی جارہی ہے، ضرورت ہے کہ اسکے منصب عظیم اور مقام بلند کی اسکو یاد دلائی جائے، نیکی اور معروف کی اشاعت، بدی اور فساد کے خاتمہ کے لیے جس گروہ کو پیدا کیا گیا تھا وہ آج خود اپنی زبوں حالی اور ہمہ جہت پسماندگی کے سبب دوسروں کے لیے درس عبرت بن گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس میں ایسا امنگ وحوصلہ پیدا کیا جائے کہ وہ پھر جادۂ حق وصداقت پر گامزن ہوسکے۔ (دستور اساسی ص: ۳)

ملی کونسل کے اغراض ومقاصد میں بھی ترجیحی طور پر 'اتحاد ملت' کو جگہ دیتے ہوئے لکھا گیا تھا:

(الف) کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد پیدا کرنا اور اس بات کی کوشش کرنا کہ مسلمان بحیثیت امت اس ملک میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں... الخ (ایضاص ۱۳)

ملی اتحاد واجتماعیت کو دینی بنیادوں پر استوار اور مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے ۱۹۸۹ء میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے قیام اور اس کے بین الاقوامی سیمیناروں سے بھی مدد لی، اس کے ذریعے جہاں انہوں نے فقہ اسلامی کو نئی حرکت بخشی، اجتہاد کے بند دروازے کھولے اور پیچیدہ عصری مسائل پر کھل کر بحث کرنے، اور سنجیدگی سے ان کے حل کی تلاش کی دعوت دی وہیں چاروں مذاہب فقہ سے استفادہ اور تحقیق کے ذریعے مسلکی مخالفت نزاع، اور تحزب وتعصب کو ختم کرنے کی سعی مشکور بھی کی اور ائمہ اربعہؒ کو یکساں طور سے محترم ومعظم سمجھنے اور ان کی گرانقدر فقہی ودینی خدمات کی قدر اور ان سے استفادہ کا ذوق ومزاج اور رجحان پیدا کیا جو تقریباً ختم ہو رہا تھا، اسی کے ساتھ انہوں نے برصغیر اور عالم اسلام کے مختلف مسالک فقہ سے منسلک فقہاء وعلماء کو باہمی ربط وتعلق اور افہام وتفہیم کے رشتے میں باندھنے اور فقہی اختلافات میں اعتدال کی راہ اپنانے اور اختلاف کو نزاع باہمی ومخالفت کا سبب نہ بنانے کی حکمت عملی اپنائی اس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ۱۳ بین الاقوامی سیمینار اور مذاکرات کرائے اور ان میں ہر فقہی مسلک ومذہب کے افراد کو دل کھول کر

دعوت دی اوران کی بحث وتحقیق کی اشاعت کی اوران کا خیر مقدم کیا۔

قاضی صاحب نے اپنے اس طریقہ عمل کے بارے میں خود لکھا تھا:

''ان فقہی مجالس میں بلا اختلاف مسلک وخیال فقہ اسلامی کے ماہرین کی شرکت اور کھلے ذہن کے ساتھ اصل صورت حال کی تحقیق اور پوری احتیاط کے ساتھ احکام شرع کی تطبیق کا جوعظیم الشان عمل شروع ہوا ہے وہ امت مسلمہ کے لیے فال نیک ہے'' (اہم فقہی فیصلے ص:۳)

فقہ اکیڈمی کا تعارف کراتے ہوئے برادر محترم مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب نے صحیح لکھا تھا کہ:

''مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی دیرینہ خواہش تھی کہ نئے مسائل پر اجتماعی غور وخوض اور فیصلہ کے لیے بڑے پیانے پر سیمنار بھی منعقد کئے جائیں جن میں ہندوستان کے تمام اصحاب تحقیق علماء، فقہا کو بلا اختلاف مسلک دعوت دی جائے اور نئے مسائل کی حقیقت اورصحیح صورت حال سے واقف ہونے کے لیے علوم جدیدہ کے ماہرین کو بھی ان سیمناروں میں شریک کیا جائے اور تصویر مسئلہ میں ان سے مدد لی جائے'' (سہ ماہی فکر اسلامی بستی معاصر فقہ اسلامی نمبر ص:۳۵۷)

مشرقی یوپی کے عظیم تعلیمی ادارہ دارالعلوم الاسلامیہ (بستی) میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا بارہواں بین الاقوامی اجلاس ۱۱ تا ۱۴ فروری ۲۰۰۰ء میں منعقد ہوا جس میں ایک موضوع بحث ''اختلاف فقہاء کے اسباب'' بھی تھا اس مذاکرے میں مختلف مسالک فقہ کے علماء وفضلاء نے جس طرح چاروں ائمہؒ کا پورا احترام ملحوظ رکھا اوران کے مصادر وماخذ، اور منہج وطریقۂ کار کو سمجھنے کی کوشش کی وہ بھی باہمی اختلاف ونزاعات کو گوارا کرنے اوراس سلسلہ میں رواداری وکشادہ قلبی اور وسیع النظری کارویہ اپنانے کی ایک پرزور دعوت اوراختلافی مسائل میں اعتدال وانصاف کی راہ اپنانے کی ایک اچھی مثال تھی۔

امارتِ شرعیہ ومسلم پرسنل لاء بورڈ قاضی صاحب کا میدان عمل تھے جن کے ذریعہ انہوں نے اتحاد ملت کی سرگرمیوں کو بہت تقویت پہنچائی، اسلامک فقہ اکیڈمی اور 'ملی کونسل' ان کی یادگاریں ہیں جن کے ذریعے انہوں نے اتحاد ملت اورملت کی عظمت رفتہ کی بحالی اور روشن مستقبل کے لیے دینی ودنیاوی بنیادیں استوار کیں، قاضی صاحبؒ کو ہمارا بہترین خراج عقیدت یہی ہے کہ ہم ان

اداروں کی قدر کریں اور وحدت واجتماعیت، یک جہتی ویک دلی کے ساتھ اپنی صفوں کو مضبوط کریں اور بنیان مرصوص (سیسہ پلائی دیوار) بن جائیں۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

فرقہ پرور اور فسطائی طاقتوں کے عزائم بڑھتے جارہے ہیں اور وہ اپنے ناپاک اور مجرمانہ منصوبوں میں کامیاب ہوتے نظر آرہے ہیں کہ اب انہیں بڑی طاقتوں کی تائید بھی حاصل نظر آتی ہے۔ گجرات میں جس طرح سے تین ماہ سے فرقہ پرستی کا ننگا ناچ ہورہا ہے اور اسکے مقابلے پر سیکولر طاقتیں بے بس نظر آتی ہیں اور جس انداز میں سنگھ پریوار کے خطرناک منصوبے سامنے آرہے ہیں اور جس طرح انہوں نے مسلمانوں کی نسل کشی اور اپنے وطن سے بیدخلی کے لیے جارحانہ ومجرمانہ طریقے اپنائے ہیں وہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف گہرے غور وفکر کی بلکہ فوری تدابیر اور حکمت عملی اپنانے کی دعوت دے رہے ہیں کہ گجرات میں ہندوتو کا تجربہ کہیں بھی شروع ہوسکتا ہے۔ اس لیے ان ہنگامی حالات میں مسلمانان ہند سیکولر طاقتوں سے تعاون کے ساتھ اپنی صفوں کو چست ودرست کریں، تمام مذہبی، مسلکی، اور سیاسی اختلافات بھلادیں خصوصا شیعہ سنی، دیوبندی بریلوی، اہلحدیث ومقلدین کے اختلاف سے لازمی طور سے گریز کریں۔ اسی طرح سے اونچی اور نیچی ذات ونسل اور برادریوں کی عصبیت جاہلیہ کو ترک کرکے صرف ملت اسلامیہ اور امت محمدیہ کے فرد بن جائیں۔ اور اپنی اخوت ومساوات کا دیرینہ سبق یاد کرکے اپنے حال کو بہتر اور مستقبل کو بہترین بنانے کے عمل میں کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں گامزن ہوجائیں۔

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تند و شعلہ بیباک است

(اقبال)

❁❁❁❁❁❁❁❁

مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی ☆

مجاہد دین، مجاہد ملت، مجاہد وطن
قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ نصف صدی میں قومی، ملی، دینی وعلمی میدان میں قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیکر جوار رحمت حق میں پہنچ گئے۔ قاضی صاحب اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ گئے۔ انکی مفارقت پر ملت کا ہر فرد فکر منداور سوگوار ہے۔ وہ برسوں اس کرب و اضطراب کا احساس کریگا۔ ان کی علمی فقہی تحقیقات تاابد ملت اسلامیہ کوفیضیاب کریں گی۔

قاضی صاحب امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی قدس سرہ کے تربیت یافتہ تھے۔ دین حق کے لئے فکر مندی، ملت کے لئے دردمندی ان کو ورثہ میں ملی۔ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے اسٹیج سے انہوں نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ پھر قضاء وافتاء کے شعبے ملک گیر پیمانے پر قائم کئے۔ دعوت حق اور خدمت خلق کے کاموں میں پیش پیش رہے۔ قضاء کے ساتھ آپ کا عظیم الشان کارنامہ فقہی اجتہاد واستنباط ہے۔ اس دور میں سینکڑوں ایسے مسائل جوملت کے معاشرتی نشو ونما میں رکاوٹ تھے۔ معاشی اقتصادی بدحالی میں اضافہ کا سبب تھے۔ ازدواجی زندگی کی بعض تلخیاں پیچیدگیاں لاینحل بن گئیں۔ فقہ اسلامی خاص طور پر مسلک احناف سے بیزاری و برگشتگی کا ماحول بننے لگا۔ اوراس کی زد براہ راست دین متین پر پڑنے لگی۔ عام طور پر ہمارے علماء و فقہاء اس جرأت سے گریزاں تھے کہ اجتہاد وتحقیق کے ابواب پر دستک دیجائے۔ جبکہ ماضی کے مختلف ادوار میں ماہر وتبحر علماء نے عصری مقتضیات کی روشنی میں تحقیقات سے معاشرہ کوموزوں راہ عمل عطا کی۔ اور دین حق اور مسلک ومشرب پر کوئی حرف اعتراض نہیں آنے دیا۔ آخری دور میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کے بعد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے درپیش حالات ومقتضیات کا لحاظ رکھ کر تجدید، تحقیق، تدوین

☆ مہتمم جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ

اوراجتہاد کے عظیم کارنامے انجام دیئے۔ الحیلة الناجزة اس سلسلہ کا عظیم شاہکار ہے۔

قاضی صاحب نے تقریباً ڈھائی سو علماء کرام وفقہاء عظام کا وفاق بنایا۔ اور فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام فقہی سیمینار منعقد کئے۔ درپیش مسائل پر جرح وتعدیل، تحقیق، تنقید کا مرحلہ بھی آیا۔ پھر اتفاق رائے یا کثرت رائے سے ایک جامع دستاویز تیار ہوگئی۔ قاضی صاحب نے انشورنس، بینکنگ، دکان ومکان کی پگڑی، کاشت کی زمین کا شرعی حکم، نکاح، طلاق، وراثت، نفقہ مطلقہ جیسے بیشمار مسائل میں امت کی صحیح رہنمائی کا حق ادا کیا۔ اور مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد کو دین حق اور فقہ اسلامی سے برگشتہ ہونے سے بچالیا۔ قاضی صاحب اور فقہ اکیڈمی کی ان مساعی جلیلہ کو چاہے آج قدر وتحسین کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے مگر آنے والے دور میں تمام شخصیات واداروں کو ان کی تائید وتحسین کرنی ہوگی۔ اور یہی فقہی دستاویز مسلم معاشرہ کو صلاح وفلاح پر تیز گام کرنے کا موجب ہوگی۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو مکمل طور پر اس وقت بروئے کار لگایا جب اساطین امت اس عالم سے رخصت ہوگئے۔ غالبا ان کو اکابر اور اساتذہ کا احترام ملحوظ رہا۔ یہ بھی ان کے صاحب سعادت اور مقبول عنداللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ مسلمانوں کے آئینی وتشخصی حقوق کی خاطر انہوں نے آل انڈیا ملی کونسل قائم کی۔ جس میں خدام کو صرف ناظم کا عہدہ ملا۔ صدر کا عہدہ نہیں رکھا گیا۔ اس کی وجہ کرسئ صدرات کے لئے ہر شخص کی جدوجہد اور کما حقہ خدمت سے راہ فرار کا دروازہ بند کرنا تھا۔ اس پلیٹ فارم سے قاضی صاحب نے اور ان کے رفقاء نے ملک وملت کی خدمت کا حق ادا کیا۔ آپ کے ذریعہ ملک کی تعمیر وترقی کے منصوبوں اور فارمولوں کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ ملت کی شیرازہ بندی کی مبارک مساعی منصۂ شہود پر آئیں۔ بابری مسجد کا انہدام اور ماقبل ومابعد کی صورت حال ۱۹۴۷ء کے حالات سے کم قیامت خیز نہ تھی۔ قاضی صاحب نے جرأت جسارت وجوانمردی سے کام کیا۔ اس نازک اور ناگفتہ بہ صورت حال میں مسلم نمائندوں کے وفد نے اس وقت کے وزیر اعظم جناب نرسمہاراؤ سے ملاقات کی۔ راؤ صاحب نے جب ہمدردانہ رویہ نہیں اپنایا۔ پہلو تہی گریز اور رسمی جواب کا طرز عمل اختیار کیا تو وہ قاضی صاحب ہی تھے جنھوں نے نرسمہاراؤ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کو متنبہ کیا اور ریاستی گورنروں اور وزراء اعلی کو سخت کارروائی کرنے اور امن بحال کرنے کے احکامات جاری کرائے۔

حضرت قاضی صاحب مرحوم کے بڑے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ علماء و دانشوران قوم کو جوڑنا اور مدارس و ادارہ جات میں ایثار اور اتحاد و اعتماد کا ماحول قائم کرنا ہے۔ مرحوم کی مساعی سے جدید تعلیم یافتہ قائدین، دانشور اور علماء شانہ بشانہ ملی، ملکی اور دینی امور میں سر گرم عمل ہوئے اور اخلاص و ایثار و بے نفسی کے وہ مناظر دیکھنے کو ملے جو چشم فلک دو صدیوں میں نہ دیکھ سکی تھی۔

سہارنپور کی ایک درسگاہ میں علماء طلبا و ارباب مدارس کو خطاب کرتے ہوئے قاضی صاحب نے جو تقریر کی۔ وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اور حقیقت میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی و دیگر اکابر و اساطین کے خستہ و سوختہ قلب کی یہ آواز ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا:

''آپ حضرات ایک عظیم مقصد کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے ہیں۔ انبیاء کرام کی امانت اکابر و اسلاف کی وراثت کو عام کرنا اور رب رحیم کی مرضیات پر چلنا آپ کا اولین مقصد ہے۔ لیکن شیطان ایسے مقدس اداروں میں بھی اپنے کام سے غافل نہیں۔ مناصب کے لئے رسہ کشی علیا اور وسطی کی کتابوں کیلئے تگ و دو تنافس اور تقابل بعض لوگوں کا مقصد بن جاتا ہے۔ شیطان بسا اوقات عظیم اور مقدس مقصد سے ہٹا کر سطحی مقصد میں لگا دیتا ہے۔ اور خدا کی خوشنودی سے دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالی کے نزدیک اخلاص وللّٰہیت کی قدر ہے۔ للّٰہیت سے جو کام ہوتے ہیں۔ ان پر اجر مرتب ہوتا ہے۔ وہی کام اپنے ثمرات اور برگ و بار ظاہر کرتے ہیں۔ ان ہی کاموں کو دوام اور مقبولیت ملتی ہے۔ اللہ کے نزدیک بخاری شریف اور قاعدہ بغدادی پڑھانے والے کا ایک ہی درجہ ہے۔ اگر دونوں اللہ کے لئے پڑھا رہے ہیں۔ اگر قاعدہ پڑھانے والا اللہ کی رضاء کے لئے ملت کی ضرورت کے لئے پڑھا رہا ہے۔ اور بخاری شریف پڑھانے والا اپنی عزت شہرت نام نمود اور نفسانیت کے لئے پڑھا رہا ہے۔ تو اللہ کے نزدیک یہ قاعدہ پڑھانے والا مقبول و محبوب اجر و ثواب کا مستحق ہے اور یہ بخاری شریف پڑھانے والا مردود و راندۂ درگاہ ہے اور حبط

اعمالھم کی وعید میں داخل ہے۔

قاضی صاحب نے مزید فرمایا کہ یہ سطحی اور ذیلی مقاصد چھوڑ کر اعلی اور صحیح مقصد کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض اچھے اور ماہر اہل علم اپنی پوری زندگیاں، پوری توانائیاں ان گھٹیا مقاصد کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس پر افسوس ہوتا ہے کہ بہت کچھ محنت کر رہے ہیں لیکن صحیح ہدف نہ ہونے کے سبب ساری محنتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ قاضی صاحب نے واضح کیا۔ ہمارا اصل مقصد اللہ کی رضاء جوئی۔ اللہ کے دین کی دعوت، اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور بیچارے غریب عوام کی محبت اور خدمت ہونا چاہیے۔

مرحوم کو ان کی اس تڑپ، لگن ملت کے لئے جاں سوزی نے ملک وقوم کے تمام طبقوں میں مقبول ومحبوب بنایا۔ اللہ کی خوشنودی کا مقام رفیع ان کو حاصل ہوا۔ قدم قدم، لمحہ لمحہ، لحظہ لحظہ، ان کا قرب ہر ملنے والا محسوس کرتا تھا۔ سادہ مزاج، سادہ لباس اور سادہ زندگی۔ مگر صداقت اخلاص اور سچائی کی ضیاء پاشیوں سے انکا چہرہ منور نظر آتا تھا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت ان کی مقبولیت ومحبوبیت کی آئینہ دار ہے۔ انسانیت کے لئے ان کی فکرمندی دردمندی ان کی انابت الی اللہ کا نشان ہے۔ حضرت قاضی صاحب رخصت ہو گئے مگر اپنی جماعت اپنے احباب اور پوری ملت کو اخلاص وللّٰہیت کے جو اعمال ورثہ میں دے گئے وہ سب ہم کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان مساعی اور مقاصد پر آگے بھی کام ہوتا رہا تو انشاء اللہ ساری دنیا..... ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا'' کا حسین منظر دیکھے گی۔ اور اتحاد، اعتماد، ایثار بھائی چارہ اور محبت سے یہ وطن معمور ہوگا۔

عقیدت اللہ قاسمی

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
اتحاد ملت کے داعی اور نقیب

عصر حاضر میں ملت اسلامیہ جس انتشار وخلفشار میں مبتلا ہے خاص طور سے برصغیر میں فرمان الٰہی و اطیعو اللہ ورسولہ ولا تنازعوا کو پامال کرکے جس طرح ''فتفشلوا وتذھب ریحکم'' کی منہ بولتی تصویر بنی ہوئی ہے کسی چشمِ بینا سے مخفی نہیں۔ عام آدمی سے لے کر اعلیٰ سطح کے علماء قائدین، رہنماؤں اور دانشوروں تک ہر ایک ''اکیلا چلو'' کا عملاً نغمہ الاپ رہا ہے، اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے اور اپنی من مانی کرنے کی پالیسی کو شعار بنائے ہوئے ہے، ایسا نہیں کہ کسی کو اتحاد ملت کی ضرورت کا احساس نہ ہو ہر فرد ہر طبقہ اور ہر جماعت و تنظیم کو اتحاد و اتفاق کا نعرہ لگاتے بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن خود غرضی اور مفاد پرستی نیز دوسرے لوگوں کو اپنی مرضی کے تابع اور اپنے جھنڈے کے نیچے رکھ کر چلنے کی وبا عام ہے کہ نہ کوئی کسی دوسرے کو اپنے ہم پلہ گردانتا ہے نہ وشاورھم فی الامر کے حکم پر ایمان ویقین رکھتا نظر آتا ہے نہ کوئی کسی دوسرے کے علم ودانش یا قیادت کو تسلیم کرتا ہے، اگر کوئی اطاعت اولی الامر کا مظاہرہ کرتا بھی ہے تو اس کی بنیاد اطیعو اللہ و اطیعو الرسول نہیں زیادہ تر وقتی مصلحت ہی اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ان المناک حالات میں بہت سے دیگر اکابر ملت کی طرح مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے بھی پر خلوص انداز میں مختلف پلیٹ فارموں سے عملاً اتحاد ملت کے لئے اپنی سی ہر ممکن کوشش کی اور بڑی حد تک وہ اپنی کوششوں میں کامیاب بھی رہے خاص طور سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کے دو سال کی مختصر مدت میں تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرے ہوئے غیر مربوط

افرادملت کو پوری طرح ایک لڑی میں پرونے میں وہ اگر چہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے تاہم انہوں نے مختلف سمتوں اور مختلف پہلوؤں سے اس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے بہرحال ایک داعی اور نقیب کارول ادا کیا جسے لوگوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل قرار دیا جاسکتا ہے۔

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کا مجسم پیکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زبوں حالی اور ادبار میں مبتلاء دور حاضر کی ملت اسلامیہ نے آپ کی قائدانہ صلاحیت، بلند پایہ سوجھ بوجھ، فکری عظمت اور علمی قابلیت کوتسلیم کیا، آپ کو وطن عزیز میں اپنے سب سے باوقار اور متفق علیہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی کرسی صدارت تفویض کی جس میں مسلم پرسنل لاء کو در پیش بحرانی حالات کے پیش نظر ۱۹۷۲ء میں اس کے آغاز ہی سے تقریباً تمام مکتب فکر نے شمولیت اختیار کر لی تھی اسلامی احکام وتعلیمات کو مذہب مخالف، اور اسلام دشمن طاقتوں نے جب جب چیلنج کیا ملت کے سواد اعظم نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شریعت اسلامی کا زبردست اتحاد کے ساتھ دفاع کیا۔ پھر بھی مختلف سمتوں سے خودغرض، مفاد پرست اور تنگ نظر عناصر نے ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے سے روکنے کی ناکام ہی سہی اپنی سعی ضرور کی اور اس کے شیرازہ کو منتشر کرنے، اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور شریعت اسلامیہ کی بیخ کنی کرنے کے لئے بالواسطہ وبلاواسطہ معاندین کے ساتھ تعاون کیا اوران کے ہاتھ مضبوط کئے۔ ان حالات میں قاضی صاحب نے بورڈ کے صدر رہتے ہوئے ملت اسلامیہ کے تمام مکاتب فکر کو ساتھ لے کر چلنے اور سب کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی ہر ممکن سعی کی۔ یہی وجہ ہے کہ بندگان خدا ترس اور اصحاب خلوص نے صدق دلی سے قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی صلاحیتوں اور عظمتوں کا اعتراف کیا۔

۱۹۹۲ء میں آل انڈیا ملی کونسل قائم کر کے مسلمانوں کو آئینی وتشخصی حقوق کی خاطر جدو جہد کرنے کے لئے بھی امت مسلمہ کو ایک متحدہ پلیٹ فارم عطا کیا۔ جس میں ذمہ داروں کو ناظم اور سکریٹری کے عہدوں تک محدود رکھا تا کہ کرسی صدارت پر قبضہ کی کوشش کشمکش اور خلفشار وانتشار کا سبب نہ بننے پائے، چنانچہ اس پلیٹ فارم نے بہت کم وقت میں سیاسی، سماجی، مذہبی، علمی، اقتصادی، قانونی و آئینی سرکاری وغیر سرکاری سیکولر اور غیر سیکولر تمام طبقات میں عزت عظمت کا مقام حاصل ہوا۔

آل انڈیا ملی کونسل کا مقصد ملک گیر سطح پر مختلف صلاحیتوں کے حاملین کو جمع کرنا، جامع پروگراموں کے ساتھ امت کی ہمہ جہتی ترقی کو ہدف بنانا، وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت کو جوڑنا۔ جہاں پہلے سے کوئی اچھا کام ہو رہا ہو اس کو تقویت پہونچانا۔ جہاں نہیں ہو رہا ہو وہاں براہ راست یا بالواسطہ کام کرنا۔ اور ایک ہی طرح کی کوششیں مختلف سمتوں سے ہو رہی ہوں تو ان کو مربوط کرنا قرار دیا۔ جس کی وجہ سے نفرت کی جگہ وحدت، تصادم کی جگہ تعاون اور مسلمانوں کے اندر مختلف ضروریات کے لحاظ سے مختلف صلاحیتوں کو ابھارنے اور باصلاحیت افراد خصوصاً نوجوانوں کی تازہ ٹیم تیار کرنے کے لحاظ سے ایسا زبردست اور ٹھوس کام ہوا ہے جس کو صاف طور سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

آپ نے علماء اور دانشوران قوم کو جوڑنے اور دینی مدارس اور عصری و تعلیمی اداروں میں اتحاد، اعتماد، ایثار، تعمیر اور باہمی ربط کا ماحول قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ چنانچہ آپ کی مساعی جمیلہ کے طفیل جدید تعلیم یافتہ قائد دانشور اور علماء شانہ بشانہ ملکی، ملی اور دینی امور میں سرگرم عمل ہوئے۔ مختلف ذیلی پلیٹ فارموں سے ملت کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کے لئے نمایاں کارنامے انجام دیئے گئے۔ عصری اور دینی علوم کے بہت سے معیاری اداروں کی بنیادیں رکھی گئیں۔ اسپتال، نرسنگ ہوم اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کئے گئے اور ملت اسلامیہ کو اتحاد کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں کام کرنے کا عملی نمونہ پیش کیا گیا۔

دینی و عصری تعلیم کے فروغ اور معیار کو بہتر بنانے و بلند کرنے کی سعی و کوشش آپ کی زندگی کا خاص مشن رہا۔ بہار کے آزاد مدارس کے معیار تعلیم کو بلند کرنے اور نصاب و نظام میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے آزاد دینی مدارس بورڈ قائم کیا۔ لیکن جب وہ وفاقی بورڈ بعض ذمہ داران مدارس کی باہمی رسہ کشی کی وجہ سے زیادہ دنوں تک متحرک نہ رہ سکا تو آپ ہی نے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تقریباً ڈیڑھ سو مدارس کے نمائندوں کو جمع کر کے مدارس اسلامیہ کونسل قائم کی۔ ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے مدارس کے نمائندوں اور دینی تعلیم کے ماہرین کو جمع کیا، اور دینی مدارس کے نصاب و نظام کے سلسلہ میں مفید و کارآمد تجاویز منظور کرائیں۔ آپ نے کل

ہند سطح پر بھی مدارس کے نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح و ترقی اور بہتری کے لئے نیز حکومت اور فسطائی طاقتوں کے ناپاک عزائم سے مدارس کی حفاظت کے لئے جدو جہد کی اور اس سلسلہ میں آل انڈیا ملی کونسل کے زیر اہتمام دہلی میں ایک نمائندہ اجتماع منعقد کیا۔

ملت اسلامیہ کا ایک المیہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دور زوال میں کسی کی عظمت کو کما حقہ تسلیم نہیں کیا، اگر کچھ لوگوں نے غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیا تو اکثریت نے اسے نہ صرف یہ کہ قابل اعتنا نہیں گردانا بلکہ اس کی مخالفت کو اپنا مقصد حیات بنالیا، جیسا کہ ہر زوال پذیر قوم، محکوم ذہنیت اور شکست یافتہ طبقہ کی روایت رہی ہے لیکن قاضی صاحب کی شخصیت کا معاملہ اس پہلو سے بہت مختلف نظر آتا ہے جو ایک طرف آپ کی عظمت اور قبولیت عامہ کی دلیل ہے تو دوسری طرف قوم کے مزاج میں آنے والی مثبت اور تعمیری تبدیلی و بیداری کا بھی مظہر ہے۔

○○○○

ملت کا بیباک سپاہی

بقیہ ص:۷۶

نہ جانے کیوں نرسمہاراؤ سے قاضی صاحب کی مخاطبت کے دوران بہار کے ایک رکن پارلیمنٹ سابق صوبائی و مرکزی وزیر نے شاید حکومت سے اپنی وفاداری کے اظہار کے لئے قاضی صاحب کو لقمہ دینا چاہا تو قاضی صاحب نے کسی کی پرواہ کئے بغیر ان سے یہ کہتے ہوئے ''بات ایسی نہیں آپ خاموش رہئے۔'' بلاتوقف اپنی بات کہتے رہے۔ وزیراعظم اور ان کے ہم نشیں رفقاء و وزراء بھی دنگ رہ گئے اور کنکھیوں سے اپنے آدمی کو گھورنے لگے۔ اس انداز رندانہ سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ میری یہ رائے تھی کہ ملت کی ترجمانی کے لئے اس گئے گزرے دور میں قاضی مجاہدالاسلام قاسمی مناسب ترین شخص ہیں۔ بلاشبہ وہ ملت کے نڈر، جری اور بیباک سپاہی تھے۔ ❖❖❖

اختر امام عادل ☆

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی فقہی واجتہادی بصیرت

ہندوستان ہر زمانے میں علم وفقہ کا مرکز رہا ہے اور تاریخ کے ہر دور میں ممتاز علماء وفقہاء یہاں موجود رہے ہیں۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت''میں، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''الشقافة الاسلامیه فی الهند ''اور''نزهة الخواطر ''میں اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند نے''علماء ہند کا شاندار ماضی''میں ہندوستان کی علمی تاریخ کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ فجزاهم الله عنا احسن الجزاء۔

البتہ ہندوستان پر غیر اسلامی تسلط کے بعد یہاں کا نظام تعلیم کافی حد تک متاثر ہوا اور ہر میدان کی طرح مسلمان اس میدان میں بھی زوال سے دو چار ہوئے اس دور میں دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان کی علمی تاریخ کو سنبھالا دینے میں بڑا کردار ادا کیا دارالعلوم نے بڑے بڑے علماء پیدا کئے اور ہندوستان کے علمی خلا کو پر کرنے کی کوشش کی۔

دارالعلوم دیوبند کی علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے بالخصوص اس نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے طرز پر قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی جو بے مثال خدمات انجام دی ہیں اسکے اثرات پوری علمی دنیا پر پڑے اکابر دیوبند نے خصوصیت کے ساتھ علم وعقیدہ سے انحراف کے دور میں فقہ اور قانون اسلامی پر توجہ دی اور موجودہ تغیرات وانقلابات کے تناظر میں اسلامی اصول وکلیات کی تطبیق کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اس طبقہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اول دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی شفیع، حضرت علامہ ظفر احمد تھانوی اور حضرت

☆ استاذ حدیث وصدر کلیۃ الشریعۃ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

مولانا عبدالصمد رحمانی کے نام بہت زیادہ نمایاں ہیں۔

دور آخر کے فقیہ

اور اس آخری دور میں فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کو جماعت دیوبند میں بحیثیت فقیہ جو شہرت وامتیاز حاصل ہوا وہ اس دور کے کسی عالم کے حصہ میں نہیں آیا۔

قاضی صاحب اس دور کی عظیم ترین فقہی شخصیت تھے فقہ اسلامی اور بین الاقوامی قوانین کی باریکیوں پر ان کی بڑی گہری نگاہ تھی وہ اس باب میں اصولی ذہن ودماغ کے مالک تھے وہ بہت تیزی کے ساتھ مسائل وواقعات کی تہ تک پہونچ جاتے تھے ان کا مطالعہ بہت وسیع، فکر، رسا، نگاہ دوررس اور طبیعت حد درجہ حساس تھی نئے مسائل وواقعات کی فقہی تطبیق کا ان کو خداداد ملکہ تھا وہ کھلی آنکھوں اور کھلے ذہن ودماغ کے ساتھ حالات وواقعات کا مطالعہ کرتے تھے حالات کو صحیح طور پر سمجھتے تھے اور ان کی صحیح اسلامی تطبیق پیش فرماتے تھے مشکل سے مشکل مسائل کی ایسی اچھی ترجمانی فرماتے اور ان کے اہم ترین نکتوں کو ایسے آسان پیرایے میں بیان فرماتے کہ رشک جہاں بن جاتے علمی اور فقہی الجھنوں کو اس طرح چٹکیوں میں حل کرتے جیسے کہ یہ کوئی الجھن ہی نہ ہو اور فقہی آراء ونظریات اور علمی مسائل ومباحث کا ایسا تجزیہ فرماتے کہ قول فیصل ثابت ہوتا ان سے گفتگو کرتے ہوئے یا ان کی گفتگو سنتے ہوئے قدم قدم پر اپنی جہالت و بے خبری کا احساس ہوتا تھا میں نے فقہ اسلامی کا ایسا شناور اور قانون اسلامی کا مزاج داں نہیں دیکھا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے/ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

عہد ساز شخصیت

قاضی صاحب جس عظیم فقہی صلاحیت اور جامعیت کے مالک تھے اور مطالعہ ومعلومات کا جو بے بحر بے کراں ان کے سینے میں موجزن تھا افسوس وہ ان کے سینے سے سفینے میں منتقل نہ ہو سکا فقہی مجلات کتابوں اور رسائل کی شکل میں آج جو کچھ محفوظ ہے وہ ان کے اصل علم کا عشر عشیر بھی نہیں ہے جیسے کہ علامہ کشمیریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے علم کا بہت تھوڑا حصہ ان کے تلامذہ اور افادات کے ذریعہ سامنے آسکا ورنہ علامہ کی شخصیت جس عظیم تر علم اور فن سے عبارت تھی ان کا موجودہ علمی ذخیرہ

اس کا سواں حصہ بھی نہیں ہے اس کا پورا اندازہ ان لوگوں کو ہوسکتا ہے جنہوں نے خود اس شخصیت کو علمی طور پر برتا ہو اور مختلف مسائل ومعاملات میں اس کا تجربہ کیا ہو صرف کتابوں اور علمی مقالات کے ذریعہ شخصیت کو جاننے والے لوگ کسی بھی عظیم شخصیت کی حقیقی عظمت کا پورا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

دنیا میں بہت سے ایسے عظیم لوگ ہوئے ہیں جنکو ان کی قلمی تصنیفات وتالیفات سے زیادہ انسانی تصنیفات وتالیفات اور ان کے تیار کردہ مردان کار کے ذریعہ جانا گیا اس قسم کی عظیم ہستیوں میں امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت سب سے نمایاں ہے امام صاحب کی طرف جو تصنیفات منسوب ہیں ان کو دیکھ کر اگر کوئی شخص امام صاحب کی عظمت اور جامعیت کا اندازہ کرنا چاہے تو اسے سخت مایوسی ہوگی لیکن انہوں نے افراد کار کی صورت میں علمی ماحول اور فقہی تحریک کی شکل میں جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اس کی کوئی مثال پوری تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی اس قسم کی عظیم ہستیاں پورے عہد اور تاریخ کو جنم دیتی ہیں صرف کتاب اور قلم ان کی جدوجہد کا موضوع نہیں رہتے وہ پوری تاریخ تیار کرتے ہیں اور ایک عہد اور ایک تاریخ کے لئے جن بنیادی عناصر کی ضرورت ہوتی ہے ان کی تشکیل وتکمیل کرتے ہیں کتاب اور قلم تاریخ کا صرف ایک عنصر ہے مکمل تاریخ نہیں اس لئے ان شخصیتوں کو پوری طرح جاننے کے لئے ان کے پورے عہد کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس عہد کے ہر مرحلے پر اس شخصیت کے اثرات کا سراغ لگانا چاہیے عام طور پر اس قسم کے بزرگان دین تاریخ کے پس منظر میں رہ کر سارا کام انجام دیتے ہیں اور ان کی زندگی میں بہت سے لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ زندگی، توانائی اور چہل پہل کس کی بدولت ہے؟ لیکن ان کے گزرنے کے بعد تاریخ کی گاڑی جب اچانک رکنے لگتی ہے تو عام طور پر پتہ چلتا ہے کہ تاریخ ساز کون تھا اور اس تاریخ کے پیچھے کس کی شخصیت کارفرما تھی؟

ہمارے اکابر دیوبند میں اس عبقری شان کی دو شخصیتیں بہت زیادہ نمایاں گزری ہیں حضرت الامام الکبیر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی اور خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری صاحب یہ دونوں شخصیتیں اپنے دور میں علوم وفنون اور اسرار ومعارف میں امامت کا درجہ رکھتی تھیں اور اس دور میں عالم اسلام میں ان کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی لیکن ان کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ ان کے افراد اور ایک عہد اور ایک تاریخ کی تشکیل وتعمیر کے مطالعہ سے ہوتا ہے ان حضرات کی

کتابوں، تقاریر، مکاتیب اور افادات کا جو حصہ آج ہمارے کتب خانوں میں موجود ہے یہ ان کے علوم کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہے اسی لئے حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت نانوتویؒ کی تدفین کے وقت بڑی حسرت و یاس کے ساتھ فرمایا تھا۔

مٹی میں کیا سمجھ کے دباتے ہو دوستو
گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

ہمارے اس دور کی شخصیات میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی شخصیت بھی انہی بزرگوں کی صف میں شمار کئے جانے کے لائق ہے ہمارے پاس ان کے چھوڑے ہوئے علمی وفقہی ذخائر کی مقدار ان کی فقہی عظمت سے کوئی نسبت نہیں رکھتی وہ جس زبردست ملکہ فقہی (جس کو علامہ کشمیری کی اصطلاح میں فقہ نفس،، سے تعبیر کر سکتے ہیں) اور وسیع علم ومطالعہ کے مالک تھے اس کا اندازہ ان کی صحبتوں اور مجلسوں سے ہوتا تھا انہوں نے تصنیف وتالیف پر کوئی خاص توجہ نہیں دی بڑی مشکل سے چند کتابیں اور مقالات تحریر فرمائے اگر وہ تصنیف وتالیف پر توجہ دیتے تو فقہی ذخیرے میں قابل قدر اضافہ ہوتا مگر وہ صرف مصنف اور قلمکار نہیں تھے وہ ایک عہد ساز انسان تھے، انہوں نے ایک عہد کو جنم دیا مصنفین پیدا کئے ایک نئی نسل کی تشکیل کی پورے طبقۂ علماء کی بالواسطہ یا بلاواسطہ ذہنی اور علمی تربیت فرمائی انہوں نے ایک شعور دیا، بیداری بخشی، غافلوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا، راحت پسندوں کو نیند سے اٹھا کر کام میں لگایا، طلبگاروں کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ وہ ایک عظیم انسان تھے وہ اس دور میں استاذ العلماء اور سید الفقہاء تھے وہ اپنے فکروفن اور علمی وفقہی خدمات کے لحاظ سے اس دور کے منفرد اور یکتائے روزگار انسان تھے۔

قاضی صاحب کی فقہی شخصیت اور اس میدان میں ان کی امتیازی شان کا پتہ لگانے کے لئے ان کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

باقاعدہ فقہی زندگی کا آغاز

قاضی صاحب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ رحمانی میں استاذ ہوئے اس وقت ان کے تصور میں بھی نہ ہوگا کہ اللہ ان سے فقہ کے میدان میں اتنا بڑا کام لے گا۔ امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ بڑے دیدہ ور جوہر شناس اور مردم ساز انسان تھے ان کی

دوررس نگاہ نے قاضی صاحب کے اندر چھپے ہوئے جوہر کو دیکھ لیا اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ جیسے عظیم الشان اور مقدس ترین ادارہ کا قاضی شریعت جیسا ذمہ دارانہ منصب ان کو تفویض فرمایا یہ قاضی صاحب کی فقہ وقضا کی طرف پہلی پیش رفت تھی۔

بحیثیت قاضی شریعت

قاضی صاحب سے پیشتر امارت شرعیہ میں کئی بالغ نظر اور اصحاب علم وتحقیق قاضیوں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں ان کا دور بھی امارت کے عہد آغاز کے لحاظ سے انتہائی تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور ان حضرات نے جو خطوط تیار کئے اور جو بنیادیں فراہم کیں وہ بعد میں آنے والے قاضیوں کے لئے دلیل راہ ثابت ہوئیں لیکن حضرت قاضی صاحب کا عہد خدمات اور نظام توسیع وانضباط کے لحاظ سے امارت کی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن باب ہے قاضی صاحب بحیثیت فقیہ اسی دارالقضاء سے متعارف ہوئے اور ان کے فیصلوں کی علمی وفنی اہمیت کا اندازہ ہوا بڑے مشکل مقدمات کے فیصلے فرمائے جس کی شہرت ملک کے طول وعرض میں سنی گئی بھٹکل (کرناٹک) کے مولانا فاروق ندوی صاحب ایک اچھے عالم دین اور داعی الی اللہ ہیں آج کل دوبئی میں رہتے ہیں کئی سال قبل ایک بار حیدرآباد تشریف لائے۔تو میرے پاس بھی کافی وقت دیا ان کے ساتھ کئی اچھی علمی نشستیں رہیں ایک نشست میں حضرت قاضی صاحب کے ذکر خیر پر انہوں نے سنایا کہ جس زمانے میں میں ندوہ کا طالب علم تھا اور ندوہ میں کلیۃ الشریعہ اور دارالقضاء غالباً نیا نیا قائم ہوا تھا وہاں ایک ایسا پیچیدہ مقدمہ پیش ہوا جس کا مقامی قضاۃ ایک ماہ کی مسلسل بحث وتمحیص کے بعد بھی فیصلہ نہ کرسکے مدعی کے بیان میں کوئی سقم تھا یا گواہوں کے بیان پر پوری جرح نہیں ہو پارہی تھی اور اصل واقعہ سامنے نہیں آپارہا تھا بالآخر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی خواہش پر امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے حضرت قاضی صاحب کو اس مقدمہ کی سماعت کے لئے لکھنؤ روانہ فرمایا قاضی صاحب تشریف لائے اور لکھنؤ کے اس اہم ترین پیچیدہ مقدمے کا دو تین دن کی سماعتوں کے بعد ایسا تاریخی فیصلہ سنایا جو ندوہ کی تاریخ دارالقضاء میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔قاضی صاحبؒ نے کلکتہ ہائی کورٹ میں غالباً نفقہ مطلقہ کے مسئلے پر جو قانونی تقریر کی تھی وہ بھی قاضی صاحب کی فقہی اور قانونی صلاحیت کی آئینہ دار ہے۔

قاضی صاحب نے امارت شرعیہ کے دارالقضاء سے ایک طویل عرصے تک اہم ترین فیصلے

فرمائے جن کا کچھ حصہ بعد میں بحث ونظر میں شائع ہوا ان سے قاضی صاحب کی جلالت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اس زوال پذیر دور میں کوئی ایسا بالغ نظر فقیہ اور صاحب اجتہاد قاضی کبھی پیدا ہوگا، بظاہر حالات کسی نے سوچا بھی نہ تھا لیکن قاضی صاحب کے تفقہ اور قانونی وقضائی صلاحیت نے اس دور میں قاضی شریح کی یاد تازہ کردی۔

علمی طور پر قاضی صاحب نے امارت کے نظام قضاء کو مستحکم اور بااصول بنایا اپنے فیصلوں سے اس کو ایک نیا رخ اور نئی زندگی دی اور عملی طور پر اس کو ایک زندہ اور متحرک ادارہ بنایا بہار واڑیسہ کے گوشے گوشے میں دارالقضاء قائم کئے اور مسلمانوں کو دارالقضاء کی طرف متوجہ کیا اور ان سے فرمایا کہ ''اپنی زندگی کے مسائل لے کر کافروں کے پاس نہ جاؤ ان کی عدالت سے انصاف کی بھیگ نہ مانگو وہاں تمہیں سب کچھ مل سکتا ہے مگر خدائی انصاف نہیں مل سکتا اپنے مسائل کے حل کے لئے اپنے علماء سے رجوع کرو اور اس غیر اسلامی ہندوستان میں اپنے مسلمان ہونے کا مظاہرہ کرو،،

قاضی صاحبؒ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دارالقضاء کی مہم چلائی اور اس طرح ان کی کوششوں سے ہندوستان کے کئی بڑے شہروں میں دارالقضاء قائم ہوئے اور مسلم پرسنل لاء کی نگرانی میں وہاں قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔

قاضی صاحب نے اس سلسلے میں قاضیوں کے لئے کئی رہنما خطوط تیار کئے ایک طرف ان کے لئے تربیت قضاء کا باقاعدہ ایک اصول مرتب کیا اور عملی طور پر خود اپنی نگرانی میں ان کی تربیت کا کام شروع فرمایا جس میں امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کی مکمل سرپرستی آپ کو حاصل رہی۔

فقہی تحریک کا آغاز

قاضی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ رسالہ بحث ونظر کی صورت میں سامنے آیا، بلکہ میرے نزدیک قاضی صاحب کی اصل فقہی تحریک کا نقطہ آغاز یہی رسالہ ہے اگرچہ قاضی صاحب نے اس سے قبل قضاء اور اس جیسے بعض اہم فقہی موضوعات پر مقالے لکھے تھے جو رسالہ دارالعلوم دیوبند اور ملک کے بعض رسائل میں شائع ہوئے لیکن ان کی افادیت بہت محدود تھی علاوہ ازیں ان میں تحریکی شان بھی موجود نہیں تھی رسالہ ''بحث ونظر،، پہلی بار قاضی صاحب کی فقہی تحقیقات وافکار کا ترجمان ثابت ہوا اور اس رسالہ کے صفحات پر قاضی صاحب کے بڑے اہم مقالات، فتاوی اور فیصلے شائع

ہوئے۔ نیز اسی رسالہ کے ذریعہ قاضی صاحب نے ایک عہد اور ایک نسل کی تعلیم و تربیت اور فکری تشکیل کا آغاز کیا انہوں نے علماء طلباء کے دلوں میں طلب و جستجو کی آگ بھڑکا دی، ان کو ایک سمت سفر دیا علم و تحقیق کا سلیقہ دیا بہت سی وہ کتابیں جن کے نام سے بھی طلبہ و فضلا واقف نہیں تھے یا تو وہ کتابیں میسر نہیں تھیں یا بڑی لائبریریوں کے نمائش خانوں میں محفوظ تھیں، کئی دہائیوں سے کسی نے ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ قاضی صاحب نے ان کتابوں پر جمی گرد کو صاف کیا ان کے نام اور مقام سے علماء کو واقف کرایا۔ اور محنت و مطالعہ سے بھاگنے والی جماعت کو کتابوں سے قریب کیا۔

اس رسالہ سے قبل اس معیار یا انداز کا کوئی علمی رسالہ ہندوستان بلکہ پورے حلقۂ اردو میں ہی موجود نہ تھا، (الا ماشاءاللہ) اسی لئے جس وقت اس کے اجراء کی خبر ملی تھی بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی تھی کہ بدذوقی، اردو بیزاری۔ اور علم و فن کے انحطاط کے اس دور میں اس قسم کا رسالہ کون پڑھے گا؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اخلاص میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ قاضی صاحب کا یہ رسالہ نہ صرف یہ کہ مقبول اور عام ہوا ہزاروں لوگ اسکے خریدار بنے بلکہ اس رسالے نے ہندوستان کی بنجر زمین کو لالہ زار کر دیا۔ علمی حلقوں میں ایسے رسالوں کے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کی۔ چنانچہ بحث و نظر کے بعد ملک کے کئی خطوں اور علمی حلقوں سے آہستہ آہستہ اس طرف پیش رفت ہوئی، کئی علمی رسائل کا آغاز ہوا، اور انہوں نے ملک میں اپنی جگہ اور طلب پیدا کی۔

اجتماعی اور انفرادی اجتہاد میں فرق

اس لئے اب یہ سوال اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسائل کے استخراج و استنباط، یا ترجیح و تخریج کے لئے جس درجہ کے علم کی ضرورت ہے کیا وہ قاضی صاحب یا ان کے شرکاء میں موجود تھی؟ اور حنفیہ نے فقہاء کے جو سات طبقات بیان کئے ہیں۔ یہ حضرات ان میں سے کس طبقے میں داخل ہیں؟

اس لئے کہ علم و کمال کا یہ معیار یا طبقات فقہاء میں سے کسی طبقہ کی تعیین انفرادی اجتہاد و تحقیق میں مطلوب ہے، اجتماعی اجتہاد میں نہیں، ورنہ اجتماعی اجتہاد کی ماضی قریب و بعید میں جو چھوٹی بڑی کوششیں ہوئی ہیں ان سب میں معیار کی تحقیق کی جاتی اور اسکی تعیین کے بعد ہی ان کے پیش کردہ فقہی حلوں کو شرعی اعتبار حاصل ہوتا اور اس قسم کا سوال سابقہ فقہی مساعی پر بھی اٹھایا جاتا۔ مگر اس قسم

کے کسی سوال وجواب کا کوئی ذکر سابقہ فقہی مساعی کی تاریخ میں نہیں ملتا۔۔۔۔۔اجتماعی وانفرادی کا یہی وہ فرق ہے جس سے ذہول ہو جانے کی بنا پر بعض معاصر علماء کے ذہنوں میں مذکورہ سوال پیدا ہوا، اوراس سوال کے حوالہ سے قاضی صاحبؒ کی شخصیت کو بلاوجہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ اصطلاحی اجتہاد نہیں ہے

علاوہ ازیں اجتماعی غور وتحقیق دراصل اصطلاحی اجتہاد ہے ہی نہیں کہ اس کے لئے اجتہاد مطلق، اجتہاد فی المذہب، یا اجتہاد فی المسائل کی تشقیق وتحقیق کی جائے۔ اوراس مسئلہ پر غور کیا جائے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے یا کھلا؟ اور کسی قسم کے اجتہاد کی آج گنجائش ہے یا نہیں؟

میں نے محسوس کیا کہ ان حضرات کے ذہنوں میں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی، ان کے سامنے صرف اتنی سی بات تھی کہ نئے مسائل وحوادث کا حل بہر حال امت کے سامنے آنا چاہئے۔ اور قانون اسلامی کے جو اصول وکلیات ہیں ان کی تطبیق موجودہ حالات وواقعات پر ہونی چاہیے امت کو اندھیرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ اسلام ایک ابدی نظام حیات ہے۔ ہر دور کی ضروریات اور تقاضوں کا حل لازماً اسکے پاس موجود ہے بس شرط یہ ہے کہ اس میں غور کیا جائے۔ نئے مسائل کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ سابق بزرگوں نے ان کا کوئی حل اپنی کتابوں میں نہیں لکھا ہے اس لئے ہم کوئی حل پیش کرنے سے قاصر ہیں، اگر یہ زندہ مذہب اور زندہ امت ہے تو اس کو ہر حال میں حل پیش کرنا ہوگا۔ اور یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہو سکتی، ہر دور میں ایسے افراد بہر حال موجود رہیں گے جو اسلام کی ابدیت کی توثیق وتشریح کرتے رہیں گے۔ صحابہ کرامؓ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جن سے ان کو عہد نبوت میں سابقہ نہیں پڑا تھا مگر انہوں نے کبھی یہ عذر پیش نہیں کیا کہ چونکہ یہ مسئلہ عہد نبوت میں پیش نہیں آیا تھا اس لئے ہمارے لئے ان کا حل پیش کرنا مشکل ہے بلکہ انہوں نے اجتہاد کیا، اور غور وفکر کے بعد ان کا شرعی حل پیش کیا۔

قاضی صاحب نے اسی دوسرے فقہی سیمینار کی ایک نشست میں بحث کے دوران اپنے اس موقف کا بڑا واضح اظہار فرمایا تھا۔ قاضی صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”کہہ سکتے ہیں کہ بالکل اجتہادی طور پر چند فیصلے کرنے ہیں۔ مگر ایک ہے اجتہاد مصطلح اور ایک ہے بدلتے ہوئے حالات میں نیا حکم دینا۔ دونوں میں فرق ہے دو اصول اکثر کتابوں میں

مذکور ہیں۔ سلف سے عدول کرتے ہوئے جب مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو عبارت یوں ملتی ہے "لو کانوا فی هذا الزمان لقالوا بما قلنا " کوئی شک نہیں کہ احکام کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ابدی جن پر حالات اور زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا، دوسرے وہ احکام ہیں جن پر حالات کا اثر پڑتا ہے۔ عادات حالات، زمانہ کے تقاضوں اور عرف پر مبنی ہوتے ہیں، جب عادات و حالات اور زمانہ کے تقاضوں میں تغیر پیدا ہوجائے۔ تو تغیر سے پہلے جو حالات تھے انہیں احکام پر تغیر کے بعد بھی اصرار کرنا تفقہ سے جوڑ نہیں کھاتا۔ فقیہ جس طرح سرچشمہ علوم شریعت سے تعلق رکھتا ہے اسی طرح وہ وقت کا نباض بھی ہوتا ہے۔ حضرت امام محمدؒ بازار میں گھومتے تھے اور لوگوں کے حالات معلوم کرتے تھے۔ وہ احکامات جو حالات پر مرتب ہوتے ہیں ہر حالت میں انہی پر اصرار کرنا صحیح نہ ہوگا۔ میری حیثیت نہیں کہ میں کہہ سکوں لیکن امام قرافی کہتے ہیں کہ یہ اجتہاد نہیں ہے بلکہ حالات کے تغیر کی صورت میں تطبیق ہے۔ اس لئے علماء مسئلہ نسخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایجاد حکم نہیں ہے بلکہ کشف حکم ہے۔ (مجلۃ فقہ اسلامی ج ۳، ص: ۵۴۲)

اجتہاد کے تعلق سے قاضی صاحب کا نقطہ نظر

اس موقعہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کے تعلق سے قاضی صاحب کا نقطۂ نظر بھی معلوم کیا جائے اور اسی ذیل میں ان کے بعض فقہی نظریات و آراء پر بھی نظر ڈالی جائے۔ اس سے قاضی صاحب کی علمی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اجتہاد کے موضوع پر قاضی صاحب کا ایک مفصل مقالہ 'اسلامی عدالت' کے مقدمہ میں موجود ہے اس میں قاضی صاحب نے اس موضوع کے تقریباً تمام ہی بنیادی گوشوں پر نظر ڈالی ہے۔ اور بصیرت افروز بحث کی ہے۔ اجتہاد کی حقیقت، اس کے عناصر ترکیبی، مجتہد کے فرائض، اہلیت اجتہاد کی شرطیں، تجزیٔ اجتہاد کی بحث، اجتہاد جاری ہے یا موقوف، اجتہاد میں مطلوبہ طریق کار وغیرہ بہت ہی اہم گوشے اس مقالہ میں آگئے ہیں تقریباً اس موضوع پر بکھرے ہوئے مباحث کا لب لباب قاضی صاحب نے اپنے اس مقالے میں پیش کردیا ہے، اس مقالہ کے بعض وہ اقتباسات پیش ہیں جن سے اجتہاد کے بارے میں قاضی صاحب کا نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔

"اجتہاد کے عناصر ترکیبی تین ہیں مجتہد، محل اجتہاد اور طریقۂ اجتہاد جیسے مجتہد میں

اہلیت اجتہاد ضروری ہے، اسی طرح محل اجتہاد یعنی ان مسائل کا تعین بھی ضروری ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اگر اہلیت اجتہاد مفقود ہوگی تو شریعت عقل عیار کے لئے بازیچۂ اطفال بن جائے گی۔ اور اگر محل اجتہاد کا تعین نہیں ہوگا تو محل منصوص کو اجتہاد کا نشانہ بنا کر منصوص شریعت کو منہدم کیا جائے گا حالانکہ ہر وہ اجتہاد جو نص سے معارض ہو مردود ہے۔"

کار اجتہاد جاری ہے یا نہیں؟ اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس تعلق سے علماء کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک ان واقعات وحالات کی روشنی میں جو پچھلے طویل زمانہ سے پیش آرہے ہیں۔ یہ کہنا تو بہت مشکل ہے کہ کسی زمانہ کا مجتہد سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے کہ واقعات و حالات اس نظریہ کا ساتھ نہیں دیتے، لیکن اتنی بات تو واضح ہے کہ اس قول کی بھی کوئی گنجائش نہیں کہ متاخرین میں کسی صاحب اجتہاد شخص کا پیدا ہونا ناممکن ہے حقیقت یہ ہے کہ ذکاوت وفطانت اور ذہن رسا کی نعمت اللہ نے چھین نہیں لی ہے وسائل اجتہاد اور علوم و معارف کے خزانوں تک رسائی عہد متاخرین میں جس طرح آسان ہوگئی ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔ سلف کی محنت آج روزانہ آج مدفون کتب خانوں سے نکل کر اس تیزی کے ساتھ نکل کر آرہی ہے کہ جس کا پہلے تصور مشکل تھا۔ ان عظیم علمی خزانوں کو دیکھ کر برجستہ کہنا پڑتا ہے: **اخرجت الارض اثقالها** (سورہ زلزال: ۲)...(اصل مسئلہ) اہلیت اجتہاد کے ناپید ہونے کا ہے۔ اور اگر اہلیت اجتہاد مفقود ہو۔ اور پھر اجتہاد کی اجازت دی جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ حدیث رسول کے مطابق **ضلوا و اضلوا** (مسلم باب فی فیض العلم ۱۸۵۸) (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) ہی ہو سکتا ہے۔

تجزیٔ اجتہاد کی بحث پر اقوال علماء اور سلف کی بعض تحقیقات کا حوالہ ذکر کرنے کے بعد اپنا نقطۂ عدل پیش فرماتے ہیں:

"آج کے عہد میں اس مسئلہ کی خاص اہمیت اس لئے ہے کہ مجتہد کامل مفقود ہے۔ اور بہت سے ایسے مسائل درپیش ہیں جو عہد سلف میں پیش نہیں آئے تو ان کے حل کے لئے ایسے علماء اقدام کر سکتے ہیں جو کسی خاص باب میں اپنی وسعت علمی اور کمال تحقیق کی بدولت مناط حکم کی

تخریج کے اہل ہوں، تا کہ ایسے جدید مسائل کا حل ممکن ہو'' (التقریر والتحریر ج،۳ص:۲۹۴،
اسلامی عدالت ص:۸۳،۵۴طبع اول)

فکری توازن اور مسلکی اعتدال

قاضی صاحب نے مختلف اہم فقہی مسائل پر محققانہ کلام فرمایا ہے جس میں فکر و تحقیق کا اعتدال بھی ہے اور عصر حاضر کے شدید علمی خلاء اور جدید پیش آمدہ مسائل کی حساسیت بھی، قاضی صاحب کو اہل تحقیق علماء کی کمی، اباحیت پسند مدعیان اجتہاد ٹولے کی کثرت اور نت نئے مسائل و واقعات کی شرح میں اضافہ کا بڑا احساس تھا۔ ان کی تحریرات میں جہاں علمی تحقیقات ملتی ہیں۔ اور مجتہد فیہ مسائل میں نقطہائے عدل سامنے آتے ہیں وہیں عہد حاضر کے تلخ احساسات بھی چھلکتے نظر آتے ہیں۔ ان کی تحریرات سلف کی تحقیقات اور جدید تر حسیت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ ایسی تحریرات جن کی اس دور کو ضرورت ہے۔ زندہ متحرک اور حالات اور تقاضائے وقت سے ہم آہنگ تحریرات۔

قاضی صاحب مسلکی طور پر پختہ فکر و نظر کے مالک تھے۔ مگر شدت و تنگ نظری نہیں تھی۔ وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے بڑی حد تک توسع کے قائل تھے مگر جدید اباحیت پسندی اور فکری انارکی کے سخت خلاف تھے، وہ اپنی تقریر و تحریر میں اس کے خلاف بکثرت بولتے اور لکھتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس باب میں بھی ان کے یہاں بڑا اعتدال تھا عام طور پر لوگ دو سمتوں میں سے کسی ایک سمت میں ڈھل جاتے ہیں لیکن قاضی صاحب اس مسئلے کی روح کو پا گئے تھے۔ تلفیق اور شرعی رخصتوں پر قاضی صاحب کا ایک مفصل مضمون ''بحث و نظر'' میں شائع ہوا تھا، جو بعد میں قاضی صاحب کے مجموعہ مقالات، مباحث فقہیہ، کی زینت بنا، قاضی صاحب نے اس اہم اور نازک مسئلے کا شاندار علمی تجزیہ پیش فرمایا ہے۔ اور اپنا طبعی رجحان بھی تحریر فرمایا ہے۔ میرے خیال میں قاضی صاحب کے فکری توازن اور مسلکی اعتدال کو سمجھنے کے لئے یہ مقالہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر اہل نظر انصاف کے ساتھ اس مقالہ کا مطالعہ کریں تو قاضی صاحب کے بارے میں صحیح رائے قائم کرسکیں گے، اور افواہوں اور بدگمانیوں کے گرد و غبار دھلتے چلے جائیں گے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے بعض اقتباسات اہل نظر کی خدمت میں پیش کروں۔

رخصت واباحت کی بحث میں نقطۂ اعتدال

اس مسئلہ میں جس قول کی طرف میرا رجحان ہے اس میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تتبع رخص عام حالات میں تشہی لہوولعب، اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پر ناجائز ہے، ہاں اگر کسی خاص مسئلہ میں عذر یا مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہو تو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ شریعت نے جہاں خواہشات کی اتباع اور لہوولعب سے روکا ہے وہیں دوسری طرف احکام میں یسر وسہولت کے پہلو کی رعایت کی ہے۔ اور دین میں اللہ تعالی نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ اور نبی ﷺ کو سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ لہذا اس مسئلے میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے اور میری سمجھ میں یہ آرہا ہے (واللہ اعلم) کہ وہ تتبع رخص جو ممنوع ہے اور جس کے ممنوع ہونے پر بعض حضرات نے اجماع کا دعوی کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان ہر مسلک میں سے اس قول کو اختیار کرے جو اسکے لئے آسان ہو اور یہ کسی واقعی عذر اور ضرورت کے پیش نظر آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا اور دین کھلونا اور مذاق بن کر رہ جائے گا۔

مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ائمہ کے اقوال میں آسان قول کو اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے۔ تاکہ تباہ کن اباحیت پسندی اور دین سے متنفر کرنے والی تنگی کا سد باب ہو سکے اس سلسلہ میں درج ذیل اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ **الامر اذا ضاق اتسع** مشہور فقہی قاعدہ ہے اس کی رو سے جب کسی مسئلے میں تنگی پیدا ہوگی تو شریعت اس تنگی کو دور کر کے وسعت پیدا کرے گی، جب کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی، حرج اور دشواری پیش آئے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے۔ جس میں دفع حرج ومشقت ہو۔

۲۔ لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ ان ارباب علم وذکر اور اصحاب فتوی سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں اور ورع وتقوی کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے دین کی اساس اور بنیاد سمجھے جاتے ہوں تاکہ وہ خواہش نفس اور شیطان کے مکر وفریب کا شکار نہ ہو کیوں کہ ایک انسان بسا اوقات ضرورت اور اتباع ہوئی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا ہے۔

۳۔ اس پر لازمی ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب سے تجاوز نہ کرے جو صدیوں سے مدون اور منقح

صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور جن پر زمانہ قدیم سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے......

۴۔ لیکن اگر مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہو گیا یا ایسا مسئلہ جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ خاص طور پر لوگوں کے معاملات مثلاً تجارت، صنعت وحرفت اور تجارکار، صنعت کار، اور اہل پیشہ کی عادت سے متعلق ہو۔ خصوصا بین الاقوامی معاملات میں تو ایسی صورت میں علماء راسخین اور اصحاب تقوی فقہائے کرام پر لازم ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں اور ان کے لئے ائمہ ہدی میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرنا جائز ہے (۱) دوسرا قول شاذ نہ ہو (۲) نص سے ٹکراؤ نہ ہو۔ (مباحث فقہیہ ۱۲۷ تا ۱۳۵)

مسئلہ تلفیق

مسئلہ تلفیق پر مفصل گفتگو کے بعد تحریر فرماتے ہیں: تلفیق کا مسئلہ تقلید کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ جب مشہور مذاہب کے فقہاء نے دیکھا کہ اسلامی معاشرہ میں ورع وتقوی کی کمی ہے اور لوگوں میں خواہشات نفسانی کی پیروی کا سخت میلان پایا جاتا ہے۔ تو ان میں سے بہت سے حضرات نے سد ذریعہ کے طور پر اور تشہی، فسق وفجور اور شرعی احکام سے آزادی حاصل کرنے کے رجحان کو ختم کرنے کے لئے تقلید کو واجب قرار دیا۔

...اگر ہم تلفیق اور تتبع رخص کو مطلقا مباح قرار دیں تو یہ امت کے لئے فتنہ اور آزمائش ہوگی اور شریعت کی ہتک حرمت ثابت ہوگی کیونکہ یہ دونوں اباحیت پسندی، آزادی، لہو ولعب اور خواہش کی پیروی کا سبب بنیں گے، ہاں اگر قابل اعتماد فقہاء کرام دور جدید کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لئے ضروری شرائط کے ساتھ رخصت اور تلفیق کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔ تو میری رائے میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بالخصوص جب یہ کام علماء راسخین کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں انجام پائے (مباحث فقہیہ ص: ۱۴۱-۱۴۲)

اختلافی مسائل میں نقطہ اتفاق

قاضی صاحب فکر رسا اور فہم عمیق کے مالک تھے۔ اختلافی مسائل میں علت حکم کی یافت اختلاف اقوال کی صورت میں تطبیق و توفیق۔ اور منشاء حکم کو سمجھنا ان کا امتیاز تھا۔ اکثر علماء اختلاف کی صورت میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور کسی فیصلے تک نہیں پہونچ پاتے۔ قاضی صاحب کو اللہ نے یہ کمال دیا تھا کہ وہ اختلاف کی روح اور منشاء کو بھانپ لیتے تھے، اور جو مبدأ خلاف ہے وہیں سے گفتگو کا آغاز فرماتے تھے۔ اور پھر مسئلہ ایک ایسے نتیجہ پر ختم فرماتے جو تمام اقوال و آراء کا نقطہ اتفاق نظر آتا تھا۔ اب قاضی صاحب دنیا میں موجود نہیں کہ اختلافی مسائل کے بارے میں ان سے رجوع کیا جائے اور ان کی اس صلاحیت کا مشاہدہ کیا جائے۔ لیکن قریب سے استفادہ کرنے والے لوگ میری بات کی تائید کریں گے۔ قاضی صاحب نے تصنیف و تالیف پر زیادہ توجہ نہیں دی ورنہ اس میں بھی اسکے بہت سے نمونے مل جاتے۔ وہاں تو زیادہ معاملہ تقریری تھا اہل ذوق چاہیں تو قلمبند فرمائیں، ورنہ وہ بے نیاز تھے، کسی نے تحریری استفتاء ہی کر دیا تو جواب تحریر فرماتے تھے۔ قاضی صاحب کے مجموعہ مقالات مباحث فقہیہ میں ایک اسی قسم کے استفتاء پر قاضی صاحب کا مفصل جواب موجود ہے، جو غالباً بحث و نظر کے کسی شمارے سے نقل کیا گیا ہے۔

قاضی صاحب خالص حنفی تھے

قاضی صاحب فقہی مسائل میں وسیع الفکر اور وسیع المشرب ضرور تھے لیکن سلف کی اتباع میں وہ حد درجہ متصلب تھے، سلف سے خروج کے وہ سخت خلاف تھے۔ وہ خالص حنفی تھے، مقلد تھے، مقلد یا حنفیت سے حتی الامکان خروج نہیں کرتے تھے الا یہ کہ شدید حالات درپیش ہوں۔ ان کی فقہی آراء و تحقیقات میں سے ایک بھی فقہی نظریہ و تحقیق ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں قاضی صاحب نے سلف سے خروج کیا ہو ان کی زیادہ تر تحقیقات کے پیچھے مسلک حنفی کی ظاہر الروایت نہیں تو کوئی نہ کوئی روایت ضرور مل جائے گی۔ بعض خاص حالات میں ضرورت و حاجت کی وجہ سے مذہب غیر پر فتوی دینا بھی حنفیت ہے اور کسی خاص مسئلے میں جزوی اجتہاد و تحقیق کی بنا پر مذہب کی کسی رائے سے اختلاف خروج عن المذہب یا عدم تقلید نہیں ہے۔ ابن ہمام اپنے دسیوں تفردات کے باوجود عملاً حنفیہ کے محقق ہیں۔ شاہ ولی اللہ الدہلوی مسلک حنفی سے علمی اور درسی طور پر اپنے کثیر اختلافات کے باوجود

عملاً امام الحنفیہ ہیں۔ اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ ابن جریر طبری اپنے شدید اختلافات اور ایک نئے مکتب فقہی کے اختراع کے باوجود مذہب شافعی سے خارج نہیں ہیں'' وغیرہ تو پھر قاضی صاحب اپنے بعض جزوی اختلافات وتحقیقات (اگر وہ فی الواقع ہوں) کی بنا پر مذہب حنفی سے خارج یا غیر مقلد کیسے قرار پا سکتے ہیں فیا للعجب۔ میں نے جہاں تک قاضی صاحب کے فقہی آراء کا جائزہ لیا ہے کہیں ان کو سلف حنفیہ سے خارج نہیں پایا۔

یہی دیہات میں جمعہ کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے میں بڑے بڑے حنفی علماء کافی لچک دار نقطۂ نظر رکھتے ہیں، جبکہ یہ حنفیہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ حضرت قاضی صاحب نہ صرف یہ کہ اس باب میں پورے طور پر اس مسلک کے حامل ہیں۔ بلکہ جو حضرات اس باب میں فتنہ وفساد وغیرہ کا عذر کرتے ہیں۔ شرعی طور پر ان پر بھی برہم نظر آتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

''رہا یہ مسئلہ کہ جمعہ فی القری کو روکنے کے نتیجہ میں مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوتے ہیں اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ جمعہ پڑھتا ہے اور دوسرا نہیں، اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو فاسق جانتا ہے۔ اصل میں یہ ساری صورت حال جہالت اور مسائل میں بے جا تشدد اور رسوم کی اتباع کے نتیجہ میں پیدا ہوگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جہالت کو دور کرنے، مسائل میں سے ہر مسئلہ کو اسی جگہ رکھنے اور رسوم کی اتباع کے بجائے حقیقت دین اور صحیح احکام سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ آہستہ آہستہ عوامی دباؤ کے سامنے صحیح مسائل کا اظہار دشوار ہو جائے گا۔

البتہ ممکن حد تک مسلمانوں کے درمیان فتنہ بننے سے احتراز ضروری ہے۔ اور ان مسائل کی تفہیم حکمت ودلائل وتوانائی کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ نہ کہ اس شدت کے ساتھ جو جزئیات کو اصول کے اختلاف کا درجہ دے دے، اور مسائل مجتہد فیہ کو منصوصات قطعیہ کا۔ لیکن بایں ہمہ محض ان اختلافات کے پیش نظر جن کا منشاء کوئی دلیل نہیں بلکہ ایک خواہش کی اتباع ہے۔ فقہی احکام کو بدل ڈالنا درست نہیں ہوگا۔ (مباحث فقہیہ ص: ۱۹۵)

تفردات سے گریز

قاضی صاحب تفردات سے بہت زیادہ گریز کرتے تھے۔ اکثر جدید مسائل میں بھی وہ اقوال سلف کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے تھے۔

جمعہ فی القری کے مسئلے کے ذیل میں مصر کی تعریفات کے درمیان جس توفیق وتطبیق کا ابھی ذکر آیا وہ بظاہر قاضی صاحب کی شخصی رائے نظر آتی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں بھی وہ سلف کے متبع ہیں۔اس کا تذکرہ خود انہوں نے اپنے مقالے میں کیا ہے فرماتے ہیں:

''اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ علماء امت میں سے دو بزرگوں کی تصریحات بھی درج کردوں۔جن میں سے ایک اپنے دور میں باب افتاء میں علماء واکابر کے درمیان مسلم شخصیت کے مالک رہے ہیں۔اور دوسرے بزرگ بڑے محقق اور ذخیرہ علوم دینیہ پر حاوی اور اپنے غیر معمولی تفقہ کی وجہ سے ممتاز رہے ہیں۔میری مراد حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری ہیں۔ان دونوں بزرگوں کے اقوال کے مشاہدہ کے بعد آپ یہ محسوس کرسکیں گے کہ میں نے کچھ عرض کیا ہے یہ کچھ میری اختراع نہیں بلکہ ان بزرگان سلف کی اتباع ہے،اور جو کچھ ان بزرگوں نے فرمایا ہے میں نے اسکی تفصیل کردی اور بس (مباحث فقہیہ ص:۱۹۰)

اسی طرح مساجد کے اوپر یا نیچے مکانوں اور دکانوں کی تعمیر کے مسئلے میں قاضی صاحب نے ایک استفتاء کا جواب بحث ونظر جلد ۴ شمارہ ۱۵،اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۱ء میں الفتاوی کے ذیل میں یہ دیا تھا کہ:

''مسجد کی تعمیر اور بنانے کے وقت اگر بانیان مسجد نے یہ طے کرلیا کہ منصوبہ کے مطابق نیچے کی منزل ضروریات مسجد: بیت الخلاء وضو خانہ، امام ومؤذن کی رہائش گاہ یا مسجد کے انتظام اخراجات کے لئے دکانیں جو ذریعہ آمدنی ہوں، بنائی جائیں گی اور اوپر منزل پر ہوگی تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔''

جناب احمد سراج مدرسہ ریاض العلوم ہگلی کرناٹک کے ایک استفتا پر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے ایک فتوی اس کے خلاف جاری ہوا۔جو میرے حضرت الاستاذ مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی دامت برکاتہم مفتی دارالعلوم دیوبند نے تحریر فرمایا تھا۔اس پر انہوں نے بحث ونظر میں مطبوعہ فتوی کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب سے یہ سوال کیا کہ مسجد کے نیچے بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟اور اسی طرح دکانیں وغیرہ تعمیر کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ جبکہ اسکی نیت ابتدا سے ہی ہو۔

مستفتی نے یہ سوال بھی کیا کہ ''بحث ونظر'' میں جوفتوی شائع ہوا ہے کیا وہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب دامت برکاتہم کا تفرد ہے یا یہی مفتی بہ قول ہے۔ ''حضرت مفتی صاحب نے ۳/شعبان ۱۴۱۲ء کو جوفتوی جاری کیا اس میں بحث ونظر کے فتوی کو ایک عبارت سے غلط فہمی پر محمول فرمایا اور مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ مسجد کے نیچے کا حصہ اور اوپر کا حصہ دونوں مسجد کے لئے ہونا چاہیے کسی بندے کا اس کے ساتھ حق متعلق نہ ہونا چاہیے اگر دکانیں ابتداء سے بنوانے کی نیت ہو جب بھی دکانیں بنوانے کے بعد کسی کو کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ ان دکانوں میں مسجد کے سامان ہی رکھے جائیں،الخ۔''

واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں قاضی صاحب کا جواب ہی درست ہے اور ہمارے حضرت الاستاذ ہی سے فہم عبارت میں ذہول ہوا ہے اہل تحقیق تحقیق کریں گے تو حقیقت ان پر روشن ہو جائے گی۔ حضرت قاضی صاحب کو جب مستفتی احمد سراج نے یہ سارا سوال و جواب بھیجا تو قاضی صاحب نے بڑا مفصل اور بصیرت افروز جواب تحریر فرمایا جواب مباحث فقہیہ کی زینت ہے۔ میں اس بحث کو لاکر مقالہ کو طول دینا نہیں چاہتا، تفصیل کے خواہشمند حضرات اسی کتاب کی طرف رجوع فرمائیں، میں صرف بحث کا وہ حصہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق قاضی صاحب کے تفرد کے سوال سے ہے، مستفتی نے حضرت مفتی صاحب سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا یہ قاضی صاحب کا تفرد تو نہیں ہے؟ اس کا جواب ہمارے استاد نے نہیں دیا۔ اس لئے کہ وہ بھی قاضی صاحب کی آراء کو تفرد کہہ کر نظرانداز کرنا پسند نہیں فرماتے۔ حضرت مفتی صاحب قاضی صاحب کی علمی عظمت سے بہت قریب سے واقف ہیں اس لئے انہوں نے سکوت فرمایا۔ البتہ قاضی صاحب کے پاس جب یہ سوال پہونچا۔ تو قاضی صاحب نے نہ صرف مسئلہ کی مفصل علمی تحقیق فرمائی بلکہ اس مسئلے میں اپنے تفرد کے بھی ہر احتمال کی مدلل تردید فرمائی۔ قاضی صاحب کے الفاظ ہیں:

> ''سائل نے مفتی دارالعلوم دیوبند سے یہ سوال کیا کہ کیا بحث ونظر میں شائع شدہ فتوی قاضی مجاہد الاسلام صاحب کا تفرد ہے؟ مفتی صاحب دامت برکاتہم نے سائل کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اول اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ علماء سلف، ومعتمد اصحاب افتاء کی رائے اس قضیہ کے بارے میں معلوم کی جائے تا کہ واضح ہو جائے کہ یہ رائے تفرد اور شذوذ ہے یا نہیں؟''

پھر اس کے بعد حضرت قاضی صاحب نے بزرگان سلف کے فتوی اور اقوال نقل فرمائے ہیں اور اس کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''جملہ حضرات اصحاب افتاء کی ان آراء کے اظہار کا مقصد صرف اتنا ہے کہ یہ حقیر اپنی رائے میں منفرد نہیں ہے بلکہ اکابر علماء واصحاب افتاء حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، حضرت حکیم الاسلام مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اور حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری جیسے بزرگوں کا متبع ہے'' (مباحثہ فقہیہ ص: ۱۴۵ تا ۱۴۹)

اس طرح قاضی صاحب نے ہمیشہ تفردات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا، اور جمہور علماء و فقہاء اور امت کے سواد اعظم کی پیروی میں سلامتی محسوس کی۔ جبکہ قاضی صاحب جس ملکۂ فقہی اور اجتہادی صلاحیت کے مالک تھے۔ آپ سے عین ممکن تھا کہ ماضی کی بعض عبقری علمی شخصیات کی طرح آپ کے تفردات کی بھی ایک فہرست ہو۔ مگر قاضی صاحب کا تفقہ چونکہ اجتماعی تھا۔ اس لئے ان کے یہاں انفرادیت یا تفرد کا خانہ نہیں تھا شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ملے جس میں قاضی صاحب نے سلف سے ہٹ کر اپنی کوئی رائے قائم کی ہو۔

ہندوستان کے دارالحرب ہونے اور یہاں سود کے جواز وعدم جواز جیسے حساس مسئلے میں بھی قاضی صاحب نے اپنے سیمیناروں اور مقالات میں جو رخ اختیار فرمایا وہ انتہائی محتاط اور اتفاقی تھا، یہ قاضی صاحب کی سلامتی اور علمی رسوخ کی علامت ہے۔

علمی رواداری کا ماحول

قاضی صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنی رائے پر نہ بیجا اصرار فرماتے اور نہ اپنی رائے دوسروں پر مسلط فرماتے علمی بنیادوں پر ہر بات پیش کرنے اور سننے کے قائل تھے۔ وہ اپنے بزرگوں بلکہ معاصرین کا بھی احترام کرتے تھے لیکن مسائل میں ٹھوس علمی دلائل کے بغیر کسی رائے کو قبول کرنا خلاف دیانت سمجھتے تھے۔

اپنی رائے کے خلاف سننا اس کو برداشت کرنا اور سمجھ میں آئے تو اس کو قبول کر لینا۔ اتنا

مشکل کام ہے کہ اچھے خاصے تواضع پسند لوگ بھی اس کو صحیح طور پر نہیں برت سکتے لیکن قاضی صاحب ان اوصاف جلیلہ کا مرقع تھے۔ وہ نہ صرف ان پر عامل تھے بلکہ دوسروں کو بھی اسکی تلقین فرماتے تھے سیمینار کے دوران کئی بار حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا واقعہ سنایا کہ وہ اپنے سے بہت چھوٹے لوگوں کی بھی بات توجہ سے سماعت فرماتے تھے یہی علماء اور فقہاء کی شان ہونی چاہیے، اور جب تک کہ ہم یہ ماحول پیدا نہ کریں گے۔ ایک دوسرے کے علم ومطالعہ سے استفادہ نہیں کرسکیں گے اس طرح قاضی صاحب نے بالکل اسلاف کی تاریخ زندہ کردی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ علماء سلف کی مختلف آراء پر بہت وسیع نگاہ رکھتے تھے۔ جن پر ان کی مجلس میں بحث ہوتی تھی۔ امام مالکؒ اپنی مجلس درس میں زیر بحث مسائل کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے امام صاحب کی آراء دریافت کرتے رہتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''اپنے مخالف کی رائے سننے سے گریز نہ کرے۔ اس لئے کہ بسا اوقات دوستوں کی رائے سنکر اسے تنبہ ہوگا اور غلطی سے رجوع کریگا اور کبھی اسے اپنی صحت کا مزید یقین حاصل ہوجائے گا اور مجتہد کے لئے اس کام میں آخری کوشش تک پہونچنا ضروری ہے، اور خود اپنی ذات سے انصاف کرنا۔ یہاں تک کہ وہ جان لے کہ وہ جو کہہ رہا ہے کہاں سے کہہ رہا ہے اور کس وجہ سے کہہ رہا ہے؟ اور اپنے قول کی وجہ سے مخالفین کی آراء سے بے نیاز نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنی اختیار کردہ رائے کی ترجیح متروک کو صحیح سمجھ نہ لے (مباحث فقہیہ ص: ۹۵)''

عصری حالات کی نباضی

قانون اسلامی کا زندگی سے کتنا گہرا رشتہ ہے؟ اور انقلابات وتغیرات قانونی طور پر زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ اس کا بڑا گہرا ادراک قاضی صاحب کو تھا۔ وہ عہد حاضر کی تبدیلیوں اور زندگی کے انقلابات سے بھی واقف تھے اور شرعی طور پر ان کے کن پہلوؤں پر جواب کی ضرورت ہے وہ بھی جانتے تھے وہ بڑی باریک بینی سے حالات و واقعات کا مطالعہ کرتے تھے اور شرعی طور پر امت مسلمہ کس کس طور پر ان سے متاثر ہوسکتی ہے اس کا جائزہ لیتے تھے خود ایک رائے قائم فرماتے تھے **بقیہ** :ص ۱۵۷ پر

مفتی نسیم احمد قاسمی ☆

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ اور کار قضاء

مفکر اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی ذات گرامی جامع صفات وکمالات تھی وہ علوم دینیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جدید علوم، عرف وعادات اور حالات زمانہ پران کی گہری اور عمیق نظرتھی، وہ اپنے وقت کے بلند پایہ فقیہ، امور قضاء کے ماہر، فہم وتدبر، سیاسی بصیرت اور غیر معمولی ذہانت کی دولت سے مالا مال، فکر رسا اور ذہن ثاقب کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی محنت، جدوجہد، شبانہ روز کی کاوش اور سعی پیہم سے علمی دنیا اور فقہ وقضاء کے میدان میں منفرد اور ممتاز مقام بنایا امارت شرعیہ کی مسند قضاء پر بیٹھ کر ہندوپاک اور پورے عالم میں بہ حیثیت قاضی شریعت شہرت پائی، ان کے قلم سے سینکڑوں مقدمات کے فیصلے ہوئے اور ہزاروں آپسی تنازعات حل ہوئے۔

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کا اصل امتیاز امور قضاء میں ان کی مہارت ہے، اسلامی قضاۃ اور ائمہ سلف کے فیصلوں اور قضایا پر حضرت قاضیؒ صاحب کی گہری نظر تھی، کار قضاء کی نزاکت اور باریکیوں سے وہ بہ خوبی واقف تھے، اور معاملات قضاء میں اجتہادی اور عبقری شان رکھتے تھے، انھوں نے نہایت ہی پیچیدہ اور مشکل مقدمات کے فیصلے کئے۔ جو اسلامی عدالتوں کے لئے نظیر کا کام کریں گے۔ انھوں نے سینکڑوں علماء اور اصحاب فقہ وافتاء کو کار قضاء کی تربیت دے کر ''قضاء'' کے منصب کا اہل بنایا۔ اس وقت بہار اڑیسہ، جھارکھنڈ اور ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں جہاں بھی نظام قضاء قائم ہے اور قضاۃ حضرات امور قضاء انجام دے رہے ہیں۔ ان میں اکثریت ان حضرات کی ہے، جنھوں نے حضرت علیہ الرحمہ سے براہ راست تربیت قضاء حاصل کی ہے اور آپ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ اور مغربی بنگال کے علاوہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بھی دارالقضاء کے قیام اور توسیع نظام قضاء کی کوشش فرمائی۔ ہندوستان کے باہر ساؤتھ افریقہ اور موریشش جیسے ممالک جہاں نظام حکومت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وہاں کے مسلمان غیر اسلامی نظام حکومت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ نے ان ممالک میں بھی نظام امارت اور قیام دارالقضاء کی تحریک کی اور وہاں کے علماء ومشائخ کو اس سنت متوارثہ کے احیاء کی طرف متوجہ فرمایا۔ ساؤتھ افریقہ کے کئی اصحاب علم نے آپ سے تربیت قضاء بھی حاصل کی۔ آپ نے ''اسلامی عدالت'' لکھ کر قضاۃ اور کارقضاء انجام دینے والوں کے لئے آسانی پیدا فرمادی۔ اردو زبان میں ''آداب قضاء'' کے موضوع پر یہ نہایت ہی منفرد اور علمی شاہکار ہے، جسے علمی حلقوں میں قدر واستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت امیر شریعت رابع کا انتخاب اور نظام قضاء کی توسیع

حضرت امیر شریعت ثالث مولانا قمرالدین علیہ الرحمہ کا وصال ۳۰ ر رجب ۱۳۷۶ھ کو ہوگیا۔ آپ کے وصال کے بعد انتخاب امیر کے لئے ۲۱ ر شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۴ ر مارچ ۱۹۵۷ء کو ضلع دربھنگہ کے سوپول میں خصوصی اجلاس ہوا جس میں حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کو امیر شریعت رابع کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔

حضرت امیر شریعت رابعؒ نے امیر شریعت منتخب ہونے کے چوتھے دن یعنی ۲۷ ر مارچ ۱۹۵۷ء/ ۲۴ ر شعبان ۱۳۷۶ھ کو گیارہ منتخب ارکان مجلس شوریٰ کی معیت میں دفتر امارت شرعیہ کا پہلا معائنہ کیا اور سب سے پہلا فرمان جو درج کتاب الاحکام ہوا اس میں سب سے پہلے اس پر زور دیا کہ:

> ''امارت شرعیہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے جس کا مقصد بنیادی عقیدہ کی وحدت پر مسلمانوں کی شرعی تنظیم ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ مسلمانوں میں ممکن حد تک اسلامی احکام جاری ہو اور مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گزار سکیں۔ امارت شرعیہ کی ترقی اور استحکام میں اس فکر اور طریقہ کار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس لئے امارت کے ہر کارکن پر اس کی پابندی لازم ہوگی''۔

دوسری چیز جس کو حضرت امیر شریعت رابعؒ نے پوری اہمیت اور تفصیل کے ساتھ درج

فرمایا وہ یہ ہے:

توسیع قضاء کے پروگرام کے تحت حضرت امیر شریعت رابعؒ نے جامعہ رحمانی مونگیر میں تربیت قضاء کے دو ہفتے مقرر فرمائے اور بہار واڑیسہ اور ملک کے نامور علماء اور مفتیان کرام کو تربیت قضاء کے اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ پہلا ہفت روزہ تربیتی کیمپ کا آغاز جامعہ رحمانی مونگیر میں مورخہ ۱۶/۱۱ تا ۲۱/۱۱/۱۹۵۸ء مطابق ۲۹ رمحرم ۱۳۷۸ھ کو ہوا۔ جو ایک ہفتہ تک چلتا رہا۔ اس کیمپ کا افتتاح حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے کیا پھر حضرت کا مقالہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نے پڑھ کر سنایا۔ اس اہم تحقیقی اور تاریخی مقالہ میں ابتداءً اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرہ اور حیات میں اس کی ضرورت اور پھر عمل اور قیام قضاء کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی۔

اس مقالہ کے بعد حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری قاضی شریعت کی ایک تحریر پیش کی گئی جس میں دارالقضاء کے طریقہ کار، دعویٰ سے لے کر فیصلہ تک کی عبوری کارروائیاں اور فصل مقدمات سے متعلق اجمالی خاکہ پیش کیا گیا تھا، اس ہفت روزہ تربیت قضاء کیمپ میں ۲۶ مشاہیر علماء کرام شریک ہوئے، جن میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ بھی شامل ہیں۔ نائب امیر شریعت اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے تربیت یافتہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ نے تربیت کے فرائض انجام دیئے، اور شرکا حضرات کو قضاء کی عملی تربیت دی گئی۔

دوسرا ہفت روزہ تربیتی کیمپ ۳۰ راگست تا ۴ رستمبر ۵۸ء کو ہوا جس میں ۱۳- علماء کرام شریک ہوئے اس کیمپ میں بھی حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ جو ان دنوں جامعہ رحمانی میں استاذ تھے شریک رہے، اور حضرت نائب امیر شریعت اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ سے قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

عہدۂ قضاء ومنصب نظامت پر تقرری

حضرت امیر شریعت رابعؒ مولانا سید منت اللہ رحمانی آپ کی علمی صلاحیت اور ذہانت وذکاوت سے بہت متاثر تھے اور اس جوہر قابل کی قدر و پذیرائی کرتے تھے چنانچہ ایک ایسے وقت میں جبکہ امارت شرعیہ کا سارا نظام عملاً مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ عہدۂ نظامت خالی ہو گیا تھا اور عرصہ دراز سے عہدۂ قضاء کسی ایسے بالغ نظر فقیہ سے خالی تھا جو اس اہم عہدہ کے تقاضوں کو پورا کرتا۔ حضرت

امیر شریعت رابعؒ کی دوررس نگاہ اور جوہر شناس طبیعت نے بھانپ لیا کہ امارت شرعیہ کی نشاۃ ثانیہ اور اس میں نئی روح ڈالنے کے لئے مولانا مجاہدالاسلام قاسمی سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس وقت امارت شرعیہ کا دامن مادی اسباب ووسائل سے بالکل خالی تھا۔ اور کل اثاثہ چند کمروں پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب جامعہ رحمانی مونگیر میں درجہ علیا کے کامیاب اور منظور نظر مدرس تھے۔ دور دور تک ان کا علمی شہرہ تھا۔ مسند تدریس کو چھوڑ کر امارت شرعیہ کی ذمہ داری کو قبول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر آپ نے حضرت امیر شریعتؒ کے ایماء پر امارت شرعیہ کی ذمہ داری قبول کر لی اور ۱۹۶۲ء/ مطابق یکم شوال ۱۳۸۱ھ کو عہدہ قضاء ومنصب نظامت کو سنبھال لیا اور کئی سالوں تک دونوں نازک عہدوں کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ امارت شرعیہ کے لئے مالی فراہمی کرتے، مقدمات کے فیصلے کرتے اور امور نظامت انجام دیتے رہے۔ پھر ۵ر شوال ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ اور مولانا احمد علی قاسمی صاحب ناظم بیت المال کی حیثیت سے مقرر کیے گئے اور آپ فرائض قضاء انجام دیتے رہے۔

آپ جس وقت امارت شرعیہ تشریف لائے، امارت شرعیہ دارالقضاء کے انچارج کی حیثیت سے جناب محمد شفیعؒ صاحب کام کر رہے تھے، موصوف حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور فیض یافتہ تھے، امور قضاء پر گہری نگاہ تھی، اگر چہ باضابطہ عالم نہیں تھے مگر مولانا سجادؒ کی صحبت کی برکت سے قضاء کے کاموں میں کمال اور مہارت رکھتے تھے، اور قضاء کا کوئی مسئلہ ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں تھا۔ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے امور قضاء میں ان سے رہنمائی حاصل کی، اور ان کی خداداد صلاحیت سے فیض یاب ہوئے۔

توسیع نظام قضاء

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے امارت شرعیہ تشریف لانے کے بعد شعبۂ قضاء کو اپنی خصوصی توجہات وعنایات کا مرکز بنایا۔ امارت شرعیہ کے دورۂ وفود کے پروگراموں میں عوام وخواص کو دارالقضاء کی اہمیت وضرورت اور اس کے فوائد سے روشناس کرایا۔ غیر اسلامی عدالتوں میں مقدمات لے جانے کے نقصانات اور اس کے دینی ودنیوی مفاسد سے آگاہ فرمایا۔ اور لوگوں کی سہولت وآسانی کے لئے بہار واڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مختلف مقامات میں دارالقضاء قائم کر دیئے آپ

کے چالیس سالہ عہدہ امارت میں مختلف مقامات پر دارالقضاء قائم ہوئے اور باصلاحیت قضاۃ کی تقرری عمل میں آئی۔ آپ جس وقت امارت شرعیہ تشریف لائے تھے، اس وقت مرکزی دارالقضاء کے علاوہ صرف حسب ذیل مقامات پر ذیلی دارالقضاء قائم تھے۔

۱- مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ (۱۳۷۸ھ) ۲- مدرسہ انجمن اسلامیہ کشن گنج (۱۳۷۹ھ) ۳- جامع مسجد اورنگ آباد (۱۳۷۹ھ) ۴- جامعہ اشرفیہ نیا بھوجپور (۱۳۷۹ھ) ۵- مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ پورنیہ (۱۳۷۹ھ) ۶- مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ (۱۳۷۹ھ) ۷- ڈمرا مغربی چمپارن (۱۳۸۱ھ) ۸- مدرسہ رشیدالعلوم چترا (۱۳۸۱ھ) ۹- مدرسہ رشیدیہ کواتھ رہتاس (۱۳۸۱ھ)

مگر رفتہ رفتہ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مختلف اضلاع اور سب ڈویژن میں دارالقضاء قائم ہوئے۔ اور اس کا دائرہ اثر پورے ہندوستان میں پھیلا۔ اس وقت صرف ان تینوں ریاستوں میں چھتیس دارالقضاء قائم ہیں۔ ان ریاستوں کے علاوہ آپ کی کوششوں سے ہندوستان کی کئی اہم ریاستوں میں نظام قضاء قائم ہوا۔ جن میں آسام، کرناٹک، تمل ناڈو، آندھراپردیش، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، دہلی، یوپی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے قیام دارالقضاء کے ساتھ ساتھ قضاۃ کی تربیت کی خصوصی مہم شروع فرمائی۔ اور تربیت قضاء کے نقشے اور خاکے مرتب کئے۔

تربیت قضاء

قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ امور قضاء کے ماہر اور مسائل قضاء کے بہت بڑے عالم تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرات صحابہ کرام اور ائمہ تابعین و تبع تابعین اور قضاۃ اسلام کے فیصلوں پر ان کی گہری نظر تھی، اصول قضاء اور جزئیات قضاء پر انہیں پورا عبور حاصل تھا، ان کا امتیازی میدان اور ان کی فکر وسعی کا اصل محور و مرکز ''قضاء'' تھا وہ بلاشبہ اپنے علم وفضل اور کار قضاء میں مہارت واختصاص کی وجہ سے ائمہ سلف اور قضاۃ اسلامی کے صحیح وارث اور ان کے علوم وافکار کے سچے جانشیں تھے، ان کے فیصلوں میں قاضی شریح، قاضی ابو یوسف اور وکیع بن الجراح کے فیصلوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر تربیت قضاء میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اور قدرت کی طرف سے کار قضاء کے لئے افراد سازی کا خصوصی ملکہ ان کو

حاصل تھا جس سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور قضاء کے میدان میں علماء کی ایک بڑی جماعت کو تربیت دے کرانھیں اس نازک ذمہ داری کا اہل بنادیا۔

توسیع نظام قضاء کے لئے امارت شرعیہ کی طرف سے ۲۸ر جولائی ۱۹۸۶ء سے پندرہ روزہ تربیت قضاء کا کل ہند کیمپ لگایا گیا۔ جس کا نگراں آپ کو مقرر کیا گیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللہ عباس ندوی کی شرکت نے کیمپ کی اہمیت وافادیت میں چار چاند لگادیا۔ اس کیمپ میں ہندوستان کی کئی اہم ریاستوں آندھرا پردیش، کرناٹک، اڑیسہ، اتر پردیش، جموں کشمیر اور بہار سے مشاہیر علماء کرام اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔ اور قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

اس تربیتی کیمپ کو مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی اور مولانا سید منت اللہ رحمانی کے علاوہ قاضی صاحب نے بھی خطاب فرمایا، اس کیمپ کے اہم شرکاء میں حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی (ندوۃ العلماء لکھنؤ) مفتی محمد سمیع الدین صاحب (میدک) مولانا محمد اقبال ندوی صاحب (دارالعلوم بھٹکل) مفتی عبیداللہ اسعدی، مولانا عتیق احمد بستوی وغیرہ ہیں۔ اس پندرہ روزہ تربیتی کیمپ سے پورے ملک میں قیام دارالقضاء کے لئے فضاء ہموار ہوئی اصحاب علم نے اس کی ضرورت کا احساس کیا اور مختلف مقامات میں دارالقضاء قائم ہوئے۔

وانم باڑی میں تربیت قضاء کا پروگرام

۲۲ر نومبر ۱۹۹۴ء تا ۲۷ر نومبر ۱۹۹۴ء مجلس علماء وانم باڑی کے زیر انتظام وانم باڑی میں تربیت قضاء کیمپ رکھا گیا جس میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ اپنے رفقاء حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کے ساتھ شریک ہوئے، اور ایک ہفتہ قیام کر کے شرکاء کیمپ کو قضاء کی عملی تربیت دی۔ ارو مسائل قضاء پر محاضرات دیئے۔ اس کیمپ میں تمل ناڈو، کرناٹک اور آندھرا پردیش سے بڑی تعداد میں اہل علم اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔ اور ایک ہفتہ تک حضرت علیہ الرحمہ کے علوم ومعارف سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اس کیمپ کے مفید اور دوررس نتائج ظاہر ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت آسام مولانا طیب الرحمٰن کی دعوت پر آسام میں تربیت قضاء کا کیمپ لگایا گیا۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ اپنی شدید علالت کی وجہ سے اس کیمپ میں شریک نہیں

ہو سکے اور آپ کی ہدایت پر حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا انظار کارکن دارالقضاء نے اس کیمپ میں شرکت کی اور شرکاء کیمپ کو عملی تربیت دی اور قضاء کے ضروری مسائل بتائے۔ اس کیمپ میں آسام کے مختلف اضلاع سے سینکڑوں علماء، ائمہ اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔

تربیت قضاء کا ایک سالہ کورس

پورے ملک میں صرف امارت شرعیہ ہی ایسا مرکز ہے جہاں اسّی سالوں سے نظام قضاء قائم ہے، اور قضاۃ کی تربیت کا انتظام ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اس ضرورت کے پیش نظر تربیت قضاء کا ایک سالہ کورس قائم فرمایا، جس میں قضاء کی عملی تربیت کے علاوہ آداب قضاء اور اصول قضاء سے متعلق کتابوں کی تدریس کو بھی شامل نصاب کیا گیا۔ جس میں معین الحکام کی تدریس شامل ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے فارغین اور فضلا کرام نے اس کورس میں داخلہ لیا اور ایک سال یہاں رہ کر نظام قضاء کو پوری طرح سمجھا اور اس کی تربیت حاصل کی، امارت شرعیہ کی طرف سے ان حضرات کے لئے قیام وطعام کی سہولت کے علاوہ وظائف کا بھی نظم کیا گیا۔

مسلم پرسنل لابورڈ کی طرف سے ہندوستان میں قیام دارالقضاء کے لئے بہ حیثیت کنو ینر نامزدگی

مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے گیارہویں اجلاس منعقدہ ۹ر۱۰را کتوبر ۱۹۹۳ء کے جے پور میں امارت شرعیہ کے نظام قضاء کی تحسین کرتے ہوئے پورے ملک میں شرعی عدالت (دارالقضاء) کے قیام کا فیصلہ کیا۔

اور بورڈ کی مجلس عاملہ نے حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کو پورے ملک میں قیام دارالقضاء کے لئے کنوینر مقرر کیا اور قضاۃ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی آپ نے اس کی ضرورت کے پیش نظر اس اہم اور نازک ذمہ داری کو قبول فرمایا۔ اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ قیام دارالقضاء کے لئے ملک گیر مہم کا آغاز فرمایا۔ اور وسیع پیمانے پر تربیت قضاء کا عملی نظام قائم کیا۔ آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں جنوبی ومشرقی دہلی، تھانہ، ممبئی، دھولیہ، اکولہ، میسور، اندور وغیرہ میں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا۔ اور تربیت یافتہ قضاۃ مقرر کئے گئے۔

المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء کا قیام

حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ''المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء'' کا قیام ہے۔ جو اس وقت پورے ملک میں افتاء اور قضاء کے لئے مرکزی ادارہ ہے۔ اور ملک و بیرون ملک میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ المعهد العالي کا دو سالہ کورس ہے جس میں پچاس فضلاء مدارس اسلامیہ کا داخلہ ہوتا ہے ہر سال پچیس علما بیک وقت مفتی اور قاضی بن کر نکلتے ہیں۔

اس ادارے کا مقصد قاضی صاحبؒ کی نظر میں یہ ہے:

- المعهد العالي کے قیام کا مقصد فقہ اسلامی کے قواعد وضوابط، احکام شرعیہ کی تطبیق اور قوانین اسلامی و جدید نظامہائے قانون کا تقابلی مطالعہ ہے۔
- اس کے ذریعہ شریعت اسلامی کی حفاظت وترویج کے لئے ایسے رجال کار کی تیاری مقصود ہے جو علم و عمل اور فکر ونظر میں اسلاف کے صحیح جانشیں اور وارث ہوں۔
- مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو افتاء کی ایسی نظری و عملی تدریب کہ ان میں جدید مسائل کے حل کی صلاحیت پیدا ہو اور جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی تطبیق کے اہل ہوسکیں۔
- مختلف فقہی وعلمی موضوعات پر تحقیقات کرانا۔

نصاب

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے المعہد کا دو سالہ کورس مرتب کیا گیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اس نصاب میں افتاء اور قضاء کی عملی تربیت اور مشق کے علاوہ اصول فقہ، قواعد فقہ، اور اصول افتاء وقضاء کو فن کی حیثیت سے داخل کیا گیا ہے۔ مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ اور جدید قانون اور سرکاری عدالتوں کے نظام وقانون کے تقابلی مطالعہ پر بھی توجہ دی گئی ہے۔

افتاء کی عملی تربیت کے طور پر ڈیڑھ سو سوالات کے جوابات لکھائے جاتے ہیں جبکہ قضاء کی عملی تربیت کے طور پر فیصل شدہ مسلوں کا مطالعہ اور اس کا خلاصہ تیار کرایا جاتا ہے۔ پچاس مقدمات کے فیصلے لکھوائے جاتے ہیں۔

المعہد العالی میں ہندوستان کی مرکزی درسگاہوں کے ممتاز فارغین اور فضلا داخلہ کے لئے آتے ہیں جن کا تحریری وتقریری امتحان کے ذریعہ داخلہ لیا جاتا ہے۔ ان کو قیام وطعام اور بستر وغیرہ کی سہولت کے ساتھ ساتھ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ پوری محنت ویکسوئی کے ساتھ تربیت کی تکمیل کرسکیں۔ ان کی اعلیٰ تربیت، ذہنی وفکری اور اخلاقی تربیت اور کردار سازی پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ہر سال المعہد العالی سے ۲۵ علماء فارغ ہوتے ہیں جنھیں مختلف مقامات پر قضاء کی ذمہ داری دی جاتی ہے یا پھر درس وتدرس اور دعوتی کاموں کے لئے مامور کیا جاتا ہے۔ چند سالوں کی جدوجہد سے بڑی تعداد میں باصلاحیت اور باشعور اصحاب افتاء وقضاء تیار ہوئے، جو اس وقت ہندوستان کے مرکزی مقامات پر افتاء، قضا درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

نوعیت مقدمات

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کے پاس حسب ذیل نوعیت کے مقدمات پیش ہوتے تھے۔ جن کے فیصلے آپ کتاب وسنت، اسلامی قضاۃ کے فیصلوں اور فقہاء کے نظریات کے مطابق کرتے تھے، فسخ نکاح کی تمام نوعیت کے مقدمات جن کا ذکر اسباب فسخ کے تحت ہو چکا ہے۔ حقیت، وقف، شرکت، ہبہ، وصیت، وراثت (تقسیم جائداد) لیکن زیادہ تر مقدمات فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں۔ جن کا فیصلہ نسبتاً آسان ہوتا ہے ان مقدمات کے فیصلوں کو دیکھنے کے بعد آپ کے تبحر علمی، کارقضاء میں مہارت وکمال اور حذاقت وذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے مقدماتِ کے فیصلوں کو علیحدہ سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ عدالتوں میں ان سے ریفرنس اور مرجع کا کام لیا جاسکے۔

کارقضاء میں مہارت، ذہانت وذکاوت اور فیصلوں کے نمونے

آپ امور قضاء میں فی زمانہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مسائل قضاء پر بے پناہ عبور، وسیع نظر، کمال درجہ کی مہارت اور خداداد ذہانت وذکاوت کے مالک تھے۔ آپ کے سینکڑوں فیصلے ایسے ہیں جن سے کارقضاء میں آپ کی مہارت، غیر معمولی قوت حافظہ اور ذہانت وذکاوت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہت سے ایسے مقدمات جو سالہا سال عدالتوں میں زیر التوا رہے۔ پھر آپ کے پاس وہ مقدمات پیش کئے گئے اور آپ نے چند ماہ کے اندر ان کے فیصلے کردیئے۔ چھتر بر ضلع کوڈرما

میں ایک مقدمہ چالیس سالوں تک عدالت میں چلتا رہا مگر اس کا فیصلہ نہیں ہوسکا۔ فریقین تھک ہار کر آپ کے پاس آئے اور پھر آپ نے اس مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، اسی طرح جناب کفایت اللہ چمپارنی کا ایک مقدمہ حقیت سے متعلق ہائی کورٹ سے ریفر ہوکر آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا۔ اسی طرح حاجی اسرائیل صاحب و برادران دھنباد، وارثان علی حسین کی شرکت اور جناب محمود عالم صاحب کے ہبہ کے مقدمات کے فیصلے فرمائے جو نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں، ان فیصلوں سے کار قضاء میں آپ کی مہارت اور ذہانت و ذکاوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علمی نقوش

حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی علیہ الرحمہ چالیس سال تک امارت شرعیہ میں قاضی کے منصب پر فائز رہے، جس میں چھتیس سال کا وہ عرصہ ہے جس میں زیادہ تر آپ کا قیام مرکزی دفتر میں رہا، آپ نے مقدمات کے فیصلوں، قضاۃ کے کاموں کی نگرانی، تربیت قضاۃ کے نام پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ مقاصد امارت شرعیہ کی نشر و اشاعت کی خاطر ریاستوں، ملک اور بیرون ملک کے اسفار کیے، اخیر کے چار سال علالت اور بیماری کی وجہ سے آپ کا قیام زیادہ تر دہلی میں بغرض علاج رہا، اس دوران بھی جبکہ آپ مہلک مرض میں مبتلا تھے، اطباء حضرات آپ کو برابر آرام کا مشورہ دیتے رہے، مگر آپ نے علمی انہماک اور تشنہ کاموں کی تکمیل میں اپنے کو مشغول رکھا اور اس دوران بہت سی علمی اور تحقیقی کتابیں آپ کے قلم سے منظر عام پر آئیں، آپ نے ہزاروں مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہم اور قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں جو اس عہد کے قضاۃ کے لئے تراث علمی اور مشعل راہ ہیں۔

رہنمائے دارالقضاء پر نظر ثانی

حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے ایماء پر آپ نے رسالہ رہنمائے دارالقضاء پر نظر ثانی فرمائی اور بہت سے اہم عنوانات و مضامین کا اضافہ کر کے رسالہ کو جامع اور مفید تر بنادیا۔

۲- قضاء اور اس کی شرعی بنیاد

یہ مختصر رسالہ ہے جو قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہمیت و افادیت کا حامل ہے، سادہ اور

عام فہم اسلوب میں قرآن وسنت اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں قضاء کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر اکابر ہند کے رجحان پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے فتویٰ کے بعد ہر دور میں اکابر ہند نے ہندوستان میں قیام دارالقضاء کو ضروری قرار دیا ہے، اپنے موضوع پر رسالہ جامع اور مفید ہے۔ ۱۹۷۴ء میں دارالاشاعت امارت شرعیہ کی طرف سے اس کی اشاعت ہوئی۔

۳- کتاب الفسخ والتفریق پر نظر ثانی اور ترتیب وتحقیق

نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، بانی امارت شرعیہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ تھے، انھوں نے فکر امارت اور نظام امارت وقضاء کو کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں مدلل اور منضبط کیا، کتاب الفسخ والتفریق مسائل قضاء اور اسباب فسخ وتفریق اور اس بارے میں امارت شرعیہ کے دارالقضاء کے طریقۂ کار کی دلنشیں تشریح ہے۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی بیماری کے زمانہ میں اس کتاب پر ضروری حواشی لگائے، عربی عبارات کا ترجمہ کرایا اور قیمتی مقدمہ لکھ کر اپنی نگرانی میں اس کی جدید طباعت کرائی اور ترتیب وتحقیق کی خدمت انجام دی، جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔

اسلامی عدالت

یہ کتاب اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ ہے اور آداب قضا سے متعلق اردو زبان میں پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب حضرت قاضی صاحب کے چھبیس سالہ قضا کے تجربات اور مطالعہ کا نچوڑ ہے اور اجتہادی شان کی حامل ہے۔

فیصلوں کی تعداد

حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی علیہ الرحمہ چالیس سالوں تک قاضی کے منصب جلیل پر فائز رہے چھتیس سالوں تک مقدمات کے فیصلے فرماتے رہے، اخیر کے چار سال شدید علالت کی وجہ سے بغرض علاج دہلی میں قیام رہا، مگر جب پھلواری شریف آتے اہم مقدمات کے فیصلے فرماتے اور بعض مقدمات میں رہنمائی اور بعض مسلوں کو دہلی منگوا کر ان کے فیصلے قلمبند کرواتے، چھتیس سالہ عہد قضاء میں آپ کے قلم سے تقریباً بارہ ہزار چار سو ستر (۱۲۴۷۰) مقدمات کے فیصلے ہوئے، جن میں ہر نوعیت کے مقدمات شامل ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری☆

قاضی صاحبؒ کی شخصیت
فقہی سیمیناروں کے حوالے سے

فقیہ امت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ کی سرپرستی اور سربراہی میں فقہی سیمیناروں کا سلسلہ ۱۹۸۹ء سے شروع ہوا۔ پہلا فقہی سیمینار جامعہ ہمدرد تغلق آباد نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ موضوعات تھے پگڑی، اعضاء کی پیوند کاری اور ضبط تولید کا مسئلہ، ان کی زندگی کا آخری سیمینار جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد لکھنو میں منعقد ہوا۔ موضوعات تھے انقلاب ماہیت، اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری، جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود و معاملات کا شرعی حکم اور جبری شادی، اس طرح ان کی زندگی میں کل ۱۳ سیمینار ہوئے، اکثر میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، بعض میں مصروفیات کے باعث صرف مقالہ بھیجنے پر اکتفاء کیا۔ قاضی صاحبؒ کے فقہی سیمیناروں کا سب سے اولین اور بنیادی فائدہ یہ ہوا کہ فقہ اور فقہاء کی عظمت کا برملا اعتراف کیا جانے لگا۔ یہ اعتراف اس حلقہ سے بھی ہوا جو فقہ کے نام سے ناک بھوں چڑھاتا تھا۔

فقہ اور فقیہ کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے، اسلامی علوم وفنون میں رسوخ رکھنے والے حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ادھر ربع صدی قبل کچھ ایسی پروپیگنڈہ مہم چلی جس نے ان کی اہمیت کو نہ صرف کم کرنے بلکہ اسے قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اگر کوئی مسئلہ بتایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت پیش کیجئے، حدیث پیش کیجئے، فقہ کی عبارت نہ لکھئے گا، فقہ سے مسئلہ نہ بتایئے گا۔ گویا ان حضرات کے نزدیک فقہ کا مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف یا اس سے متصادم ومتعارض ہوتا ہے۔ اس پروپیگنڈے سے وہ حضرات بھی متاثر ہوئے جو خود کو کسی مسلک کا پابند قرار دیتے تھے۔ جبکہ فقہ، قرآن وحدیث سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کا منصوص مسئلہ بھی فقہ ہی کا مسئلہ ہے۔ فقہ کی بنیاد اول قرآن ہے،، دوم سنت ہے، اور حدیث تو

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں ضعیف و منسوخ ہونے کا بھی احتمال ہے، اور سنت، حدیث کا وہ جامع مفہوم ہے جو معمول بہ ہوتا ہے، ہر قسم کے شذوذ و نسخ اور ضعف سے خالی ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جہاں اپنے طریقے کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے، وہاں ''سنت'' کا لفظ استعمال کیا ہے، نہ کہ حدیث کا لفظ مثلاً یہ ارشاد دیکھئے:

فانه من يعيش منكم بعدي فيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوبها وعضوا عليها بالنواجذ.... الخ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا، بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم لازم پکڑو میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو۔ اسے تھامے رکھو اور دانتوں سے مضبوطی سے پکڑلو۔

فطوبىٰ للغرباء وهم الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي (رواہ الترمذی)

پس مبارکباد ہے غرباء کے لیے، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کے پیدا کردہ بگاڑ کی اصلاح کرتے ہیں۔

فمن رغب عن سنتي فليس مني. (متفق علیہ)

جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

یہ بہت اہم اور قابل غور نکتہ ہے کہ ہر جگہ ''سنت'' کا لفظ بولا جارہا ہے۔ حدیث کا نہیں۔ اسی طرح اہل حق بھی ہر زمانے میں ''اہل سنت'' سے ہی معنون رہے ہیں۔ اور ''سنت'' اصول فقہ کی دوسری اہم بنیاد ہے، جو ''حدیث'' سے کہیں زیادہ جامع مفہوم رکھتی ہے۔ فقہی سیمینار کے ذریعہ فقہ، فقیہ اور فقہاء کی اس قدر تکرار ہوئی کہ یہ الفاظ ہر علمی حلقے کے لیے مانوس الفاظ بن گئے، فقہ کی اہمیت و ضرورت کا احساس وادراک ہوا۔ ان سمیناروں سے بہت پیشتر علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی وفات سے چند ماہ قبل بار بار کہتے رہے:

''اس وقت نئے مسائل سامنے آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں۔ اس لیے فقہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کرنا چاہیے۔'' (مطالعہ سلیمانی ص:۱۳۸)

کسی شرعی مسئلہ پر اجتماعی غور وفکر کا کام آزاد ہندوستان میں پہلے بھی ہوتا رہا ہے، حضرت مولانا سید میاں صاحبؒ کی سربراہی میں جمعیۃ علماء ہند کے ادارہ المباحث الفقہیۃ نے کئی مسائل پر غور وخوض کیا، اسی طرح دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' نے بھی ذمہ داری نبھائی، لیکن قاضی صاحبؒ نے پہلے ''مرکز البحث العلمی'' اور پھر مجمع الفقہ الاسلامی' (الہند) کے تحت جس زور و آہنگ کے ساتھ یہ کام شروع کیا، اس نے قاضی صاحبؒ کی شخصیت کو زندہ جاوید بنادیا۔ مستقبل کا مورخ جب مسلمانوں کے علمی کارناموں خصوصاان کی فقہی خدمات پر قلم اٹھائے گا تو قاضی صاحبؒ اوران کے فقہی سیمناروں کونظر انداز نہ کر پائے گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آزاد ہندوستان کی فقہی خدمات کا سب سے نمایاں نام یہی دکھائی دے گا۔ قاضی صاحبؒ نے فقہی سیمناروں کے ذریعہ امت کو کیا دیا ہم خود کہنے کے بجائے قاضی صاحبؒ کی زبان مستعار لینا چاہتے ہیں اس سے فقہی سیمناروں کے مقاصد بھی سامنے آجائیں گے اور فقہی سیمناروں کے ذریعہ جو فوائد حاصل ہوئے وہ بھی اور طریقہ کار بھی۔ پہلے فقہی سیمنار میں ''عرضِ داعی'' کے تحت قاضی صاحبؒ نے فرمایا:

''اس وقت میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ علماء اور دانشوروں کے یہ دو طبقے، دو فرقے نہیں۔ بلکہ دونوں ہی ملت کا اثاثہ ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ان دونوں طبقوں کے درمیان جو خلیج ہے اُس خلیج کو کم سے کم تر کریں۔ ہم جدید علوم کے ماہرین سے صورت حال اور واقعہ کی تصویر اور اصل حقیقت معلوم کریں اور ان واقعات پر مرتب ہونے والے شرعی احکام کی تخریج وتطبیق کریں۔ ہمیں فرقہ بندیوں اور مسلکوں کے اختلاف سے اوپر اٹھ کر یہ کام کرنا چاہیے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ اختلاف حق و باطل کا نہیں ہے، مشورہ میں خیر ہے، ہمیں اپنی بات پر ضد نہیں ہونا چاہیے۔ اور دوسروں کی رائے اگر صحیح ہو تو اس کو قبول کرنے میں عار نہیں ہونا چاہیے''

آگے مزید فرماتے ہیں:

''اس سمینار میں تین مسئلے زیر بحث ہیں، مقالات پڑھے جائیں گے، اتفاق ہو گیا تو انشاء اللہ اسی کے مطابق ہمارے بھی ''دار الافتاء'' ایک طرح کا فتوی جاری کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ سمینار میں کسی مسئلہ پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسئلہ فقہی اور علمی ہے، دلائل کی قوت اور استدلال کی صحت پر نظر رکھنی ضروری ہے، اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کرنا درست نہیں ہوگا۔'' (مجلہ فقہ اسلامی سمینار (۱) ص: ۱۸-۱۹)

چوتھے سمینار میں فرماتے ہیں:

''ان سمیناروں نے امت کو کیا دیا؟ یہ سب آپ کے سامنے ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا، مختلف اہل علم کے ایک اسٹیج پر بیٹھنے اور مل کر مسائل حل کرنے کا مزاج پیدا کیا۔ علمی اور تحقیقی انداز پر غور وفکر کی صلاحیتوں، مخالفت رائے برداشت کرنے اور اپنی رائے پر اصرار کے بجائے قبول واعتراف کا ماحول سازگار کیا، نئے مسائل پر سوچنے کی ایک تحریک پیدا کی، جدید وقدیم کے فاصلے کو کم بلکہ ختم کیا۔ اور ایک طرف علماء وفقہاء اور دوسری طرف علوم جدیدہ کے ماہرین نے مشترکہ طور پر مسائل پر تبادلۂ خیال اور بحث کی طرح نظر ڈالی، اور میری نگاہ میں ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ فقہ کا میدان جو علماء کی توجہ سے محروم ہوتا جا رہا تھا، نوجوان فضلاء اور قلم کاروں کی ایک جماعت نے اس میدان میں حوصلہ افزا اور امید افزا رفتار کے ساتھ قدم بڑھایا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ (مجلہ فقہ اسلامی سمینار (۴) ص: ۲۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قاضی صاحبؒ کی رہنمائی اور تربیت نے علماء خصوصاً نوجوان علماء میں فقہی تحقیق وجستجو کا ایک مزاج پیدا کر دیا۔ مطالعہ کی قوت کو نکھارا، استخراج واستنباط کی صلاحیت کو ابھارا فقہی موضوعات پر ایسے ایسے مقالات لکھے گئے جو دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ سب فقہی سمیناروں کا ہی نتیجہ تھے۔ یا رسالہ ''بحث ونظر'' کا جو فقہی سمیناروں کی بنیاد بنا تھا اور حضرت قاضی صاحب کی ادارت میں ایک منفرد شان وشوکت کے ساتھ نکلتا رہا۔ (یہ رسالہ اسی شان کے ساتھ اب بھی جاری ہے)۔

فقہی سمیناروں میں قاضی صاحبؒ کی شخصیت چھائی رہتی تھی، جب وہ کسی پروگرام میں نہ ہوتے تو ادھورا پن لگتا تھا، ان کے آنے سے ایسا لگتا تھا کہ مجلس بھر گئی۔ جب وہ مسئلہ پر گفتگو کرتے، حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے، پوری توجہ اور دھیان سے سنتے۔ قاضی صاحبؒ گفتگو کو ہمیشہ اصل نقطہ پر مرکوز رکھتے تھے، مجلس میں اگر کبھی دوسری طرف رجحان ہونے لگتا، گفتگو اصل موضوع سے ہٹنے لگتی تو قاضی صاحبؒ مداخلت کرتے اور سب کو توجہ دلاتے کہ گفتگو کا محور یہ ہے وہ نہیں غیر متعلق باتوں کو چھوڑ کر اصل نکتہ پر ہی گفتگو کی جائے۔

قاضی صاحبؒ میں مسئلہ کی تنقیح کا انداز نرالا تھا۔ جو مسئلہ الجھا ہوا ہوتا، قاضی صاحبؒ اسے

اس طرح صاف کردیتے کہ سب کو سمجھ میں آنے لگتا کہ گفتگو اور بحث ومناقشہ کی بنیاد کیا ہے اور کس پہلو اورزاویہ سے اس پر غور کی ضرورت ہے۔ قاضی صاحبؒ بولنے کا سب کو موقع دیتے تھے، ہرایک کی بات پوری توجہ سے سنتے تھے، ہرایک کے اشکال کا جواب دیتے خواہ اس کا اشکال بظاہر بالکل بچکانہ ہی کیوں نہ ہو، پھر وہ اس کی بات سنتے اور اسے مطمئن کرتے۔ وہ اپنی رائے کسی پر تھوپتے نہیں تھے کسی کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور نہیں کرتے تھے، بلکہ تجویز کمیٹی یا تجویز کمیٹی کے بعد آخری مجلس میں جس کی جو رائے ہوتی، نام کی صراحت کے ساتھ لکھ لی جاتی تھی۔ تجویز ہو یا تقریر، قاضی صاحب ہرایک میں جچے تلے الفاظ استعمال کرتے، حشو وزوائد سے پاک، ایسا متاثر کن اور مسحور کن انداز کہ لوگ عش عش کر اٹھتے۔ مختلف الخیال اور مختلف الممالک لوگوں کے مجمع کو کنٹرول کرنا اور فوری مداخلت کر کے مناقشہ میں اختلاف رائے کو انتشار وخلفشار تک نہ پہونچنے دینا، قاضی صاحبؒ کا ایسا امتیاز تھا جس کے سب معترف تھے۔

کہنے کو سمینار کے لیے اوقات مقرر ہوتے تھے، مگر قاضی صاحب کے کمرہ میں سمینار ہر وقت جاری رہتا تھا، قاضی صاحبؒ سمیناروں کی جگہ پر ایک دو دن پہلے پہنچ جاتے، اور اسی وقت سے سمینار کے موضوعات پر تبادلۂ خیال جاری ہو جاتا، کھانے کے اوقات اور آرام کے وقفہ میں متعلقہ افراد کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا، کتابوں کی تلاش وورق گردانی جاری رہتی۔ پہلے دو فقہی سمیناروں کو چھوڑ کر کہ وہ ہمدرد کنونشن سینٹر تغلق آباد نئی دہلی میں ہوئے، سب سمینار مدارس میں ہوئے، قاضی صاحبؒ اس کام کے لیے مدرسوں کو اس لیے بھی ترجیح دیتے تھے کہ مدارس میں عام طور پر وہ کتابیں مل جاتی تھیں، جن کے حوالے سمینار کے مقالوں میں ہوتے تھے، یا جن کی سمینار کے دوران ضرورت پڑ جاتی تھی۔ کہنے کو لوگ خواہ کچھ بھی کہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تنہا قاضی صاحب کی رائے پر فیصلے ہوتے، نہ قاضی صاحب کی رائے کو آخری مانا جاتا۔ کیونکہ مسئلہ فقہی ہوتا اس میں نہ شخصیت کے لیے گنجائش تھی نہ اکثریت کے لیے بلکہ تجویز کمیٹی کی پیش کردہ تجاویز جو آخری مجلس میں پیش ہوتیں وہی لکھدی جاتی تھیں اور اختلاف رائے کو نام کی صراحت کے ساتھ ساتھ لکھ لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تمام تجاویز مطبوعہ شکل میں اہم فقہی فیصلے کے نام سے موجود ہیں۔ اگر مسئلہ غیر منقح اور الجھا ہوا ہوتا تو سمینار کا موضوع ہونے کے باوجود عجلت نہ کی جاتی بلکہ آئندہ غور کے لیے ملتوی کردیا جاتا۔ چنانچہ بینکنگ کے موضوع پر ہی کئی سمیناروں میں تبادلۂ خیال ہوا۔ اور انشورنس کا

مسئلہ (جو سمینار کے بعد بحث و گفتگو کا موضوع بن گیا تھا) چوتھے فقہی سمینار کے موضوعات میں شامل تھا لیکن صورت حال غیر واضح ہونے کی وجہ سے چوتھے فقہی سمینار میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا بلکہ مزید تنقیح وتوضیح کے لیے ایک کمیٹی بنا کر اسی کے حوالے کر دیا گیا اور ایک سال کے بعد پانچویں سمینار منعقدہ ۱۹۹۲ء میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ'' کے فیصلہ ۱۹۶۵ء اور دارالعلوم دیوبند کے فیصلہ ۱۹۹۰ء کو سامنے رکھ کر اور ملک کے موجودہ حالات کا مزید جائزہ لے کر تنقیح کے بعد تجویز لائی گئی۔

قاضی صاحبؒ وحدت کلمہ کی بنیاد پر مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور مسلکوں میں اتحاد کے سرپرست اور داعی تھے، اسی مزاج کی وجہ سے وہ ان سمیناروں میں ایسے حضرات کو بھی مدعو کرتے رہے جن کا موضوع فقہ وفتاوی نہ تھا۔ بعض اوقات ان کی آراء تنقیح وتوضیح مسئلہ تک نہ رہتیں بلکہ حکم مسئلہ پر بھی اظہار خیال کرتے۔ یہ بات بہت سے اہل علم کے لیے کھٹک اور اشکال کا باعث رہی ہے اور ہے، لیکن قاضی صاحبؒ اتحاد امت کے مذکورہ ذہن ومزاج اور مسلکوں کے اختلاف سے اوپر اٹھ کر آپسی افادہ واستفادہ کے جذبے کے تحت ان حضرات کی شرکت کو بھی پسند کرتے تھے لیکن بہر حال اس میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔

قاضی صاحبؒ نے اس تعلق سے اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کیا ہے:

''میں سمجھتا ہوں کہ اب ملک کے کسی گوشے میں یہ فقہی اور علمی جدوجہد نامانوس نہیں رہی ہے۔ ہر جگہ لوگ اس کو جاننے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے کاموں میں کچھ باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ غیر مقلد ہوتا جارہا ہے اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ حنفیت کی اشاعت چاہ رہا ہے۔ جیسے دل ویسی ان کی فکر اللہ تعالی ان کو معاف فرمائے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو کر علم اور مطالعہ اور تحقیق کے ساتھ آکر بیٹھئے اور ایک دوسرے کے آراء اور خیالات کو سمجھئے اور کوئی بھی رائے کثرت رائے یا جبر کے ساتھ یا میجریٹی کے ساتھ نہیں ہوگی یہ بات اچھی طرح جان لیجئے۔ پوری دیانت داری کے ساتھ۔ فتویٰ کا مسئلہ ہے اس میں ایسی بات نہیں کی جاسکتی''۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

''آج جو سائنس اور ٹکنالوجی میں جدید ترقیاں ہوئی ہیں نئے مسائل آئے ہیں، نئے نظریات آئے ہیں۔ ان میں ہم اپنے عزیز دوستوں سے جنھوں نے یونیورسٹی میں پڑھ کر اس فن میں

کمال حاصل کیا ہے۔ ہم علماء ان سے براہِ راست استفادہ کریں اور آپس میں مسالک کے فرق کو بھول کر شریعت کے عام اصولوں کو سامنے رکھ کر ایک ساتھ جمع ہو کر مسائل کو سوچنے کی کوشش کریں۔ گروہ بندی اور تفرق اسلام میں لعنت ہے، دوستو! کچھ بھی ہو موجب رحمت نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان میں اگر اس امت کا تحفظ کرنا ہے تو محاذ پر آپ کو کلمہ کی بنیاد پر اکٹھا ہونا پڑے گا۔،، (مجلّہ فقہ اسلامی سمینار (۳) ص: ۱۶)

حضرت قاضی صاحبؒ کو نوجوان علماء کی رہنمائی سے کس قدر دلچسپی تھی اس کے لیے ایک آپ بیتی سن لیجئے: دوسرے فقہی سمینار میں ''مصارف سود'' سے متعلق جو تجویز کمیٹی بنی اس کا کنوینر راقم السطور کو بنایا گیا۔ میں چونکہ پہلے سمینار میں شریک نہ ہوسکا تھا، بلکہ کسی بھی سمینار میں یہ میری پہلی شرکت تھی۔ اس لیے تجویز کمیٹی اور تجویز کمیٹی کے طور طریق سے ناواقف تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کام کیسے کروں لیکن اس وقت میری ساری فکر دور ہوگئی جب دیکھا کہ وقت مقررہ پر تجویز کمیٹی کے کمرہ میں حضرت قاضی صاحب بہ نفس نفیس خود تشریف لے آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ اور اپنی رہنمائی اور مشوروں سے نوازتے رہے۔ ان کی موجودگی سے میرا کام بہت آسان ہوگیا، قاضی صاحب اس وقت تک وہاں سے نہیں اٹھے جب تک کام مکمل نہیں ہوگیا، جبکہ اس تجویز کمیٹی کے ارکان میں ان کا نام شامل نہیں تھا۔

قاضی صاحب نوجوان علماء و مفتیان کو تسلی دیتے تھے اگر وہ کسی تجویز کمیٹی میں شامل نہیں کئے جاتے یا کسی اہم گفتگو میں شریک نہیں کئے جاتے تو گھبرائیں نہیں، دل چھوٹا نہ کریں، ایسا نہ سمجھیں کہ انہیں نظر انداز کیا جارہا ہے، ایک وقت آئے گا کہ انہیں کی پوچھ ہوگی، وہی ہر معاملہ میں رائے دینے کے اہل مانے جائیں گے۔ اس ضمن میں انہوں نے بتایا کہ ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا دو روزہ اجتماع جو 'انشورنس' کے موضوع پر ہورہا تھا۔ اس میں قاضی صاحب بھی شامل تھے۔ لیکن انہیں اندر نہیں بلایا گیا، بلکہ باہر بٹھا دیا گیا اور جب اندر گفتگو کوئی موڑ لیتی یا کسی اہم مرحلہ میں داخل ہوتی تو میٹنگ کے بعض ارکان باہر آکر قاضی صاحب سے مشورہ کرتے۔ دوران اجتماع ایسا کئی بار ہوا۔

پھر دھیرے دھیرے قاضی صاحبؒ ان معاملات میں کس طرح سر خیل علما و مفتیان بن

گئے وہ سب کے سامنے ہے۔

فقہی سمیناروں میں علماء ومفتیان اور دانشوران ملت کی جو ایک بڑی تعداد جمع ہو جاتی تھی، ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قاضی صاحب نے ملک وملت کی رہنمائی کے لیے بعض اعلامیے بھی جاری کئے جو فقہی سمیناروں کے اصل موضوعات سے الگ ہوتے تھے، لیکن ملک و ملت کے مفاد میں ہوتے اور ان پر شرکائے سمینار باتفاق رائے دستخط کرتے۔

مثلاً دوسرے فقہی سمینار میں امت کو یہ مشورہ کہ مہر کی تعین سونے اور چاندی کے ذریعہ عمل میں آئے تاکہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کسی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہونچے۔

تیسرے فقہی سمینار میں دینی وعصری اداروں کے طلبہ کی بابت تجاویز، آٹھویں سمینار میں اسلامی نقطۂ نظر سے اطباء کے لیے ضابطہ اخلاق کی تدوین کی تجویز، دسویں سمینار میں اعلامیہ برائے اتحاد امت، بارہویں سمینار میں مسجد کی شرعی حیثیت کے بارے میں تمام مکاتب فکر کے علماء کا متفقہ فیصلہ۔

فقہی سمیناروں کے تعلق سے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کا یہ مختصر خاکہ ہے۔ اس خاکہ میں بہت سے رنگ بدلے جا سکتے ہیں جو ان کی پراثر اور جامع شخصیت کے غماز ہیں، فقہ اکیڈمی کے فقہی سمینار تو انشاء اللہ اب بھی ہوں گے دیگر یادگاروں کی طرح ان کی یہ یادگار بھی باقی رہے گی۔ لیکن نگاہیں قاضی صاحب کو ڈھونڈھیں گی، کبھی گفتگو کرتے ہوئے تو کبھی تقریر کرتے ہوئے کبھی نکتے پر زور دیتے ہوئے، کبھی چلتے ہوئے، کبھی کرسی یا فرش پر بیٹھے ہوئے، کبھی خردوں کے درمیان، کبھی بڑوں کی مجلس میں، کبھی کسی کو ہدایت دیتے ہوئے، کبھی کسی کو کچھ سمجھاتے ہوئے، کوئی تکلف، کوئی تصنع نہیں، میر محفل آپ ہی تھے، رونق بزم آپ ہی کی ذات سے تھی۔

اب یہ تصوراتی کہانیاں ہیں جنہیں آنکھوں میں سجا کر رکھنا ہے یہ یادیں تو زندگی کے ساتھ رہیں گی، انہیں ڈھونڈھیں گی جنہیں دیکھنا اب ناممکن ہو گیا ہے، ان شفقتوں کو تلاش کریں گی جن سے محرومی کا کرب دل و جان کو ہلکان کئے ہوئے ہے۔

کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام

محمد فہیم اختر ندوی

قاضی صاحب کی ''اسلامی عدالت''
ایک تفصیلی تعارف

حرف آغاز

اسلامی عدالت کی وہ باوقار مجلس جسے آج سے چالیس برس پہلے ۶/شوال ۱۳۸۱ھ میں چھبیس سال کے ایک نوجوان فاضل مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نے اپنے مربی کی ہدایت پر جامعہ رحمانی کی مسند درس سے اٹھ کر پھلواری شریف کی امارت شرعیہ میں سجائی تھی، وہ کچھ ایسی بابرکت تھی کہ کیا صبح وشام اور کیا سفر وحضر قدم بہ قدم رونق مجلس بڑھتی ہی رہی، قریہ بہ قریہ اور شہر بہ شہر یہ محفل آراستہ ہوتی رہی، اندرون ملک کے ساتھ ساتھ بیرون ملک بھی سجی، اور پھر تو یہ آپ کی ذات والا صفات کے ساتھ ایسی جڑ گئی کہ بہتوں نے میر مجلس مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کو نہ پہچانا، لیکن اسلامی عدالت کے ''قاضی صاحب'' کو جان گئے، آہ قلم لرزاں ہے کہ دنیا کی سب سے سچی حقیقت کو کیسے لکھے، لوگ کہتے ہیں کہ ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو جمعہ کی شب آتے ہی وہ مجلس برخاست ہوگئی، اور قاضی صاحب عدالت سے چلے گئے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ قاضی صاحبؒ کی قبائے حیات کو آراستہ کرنے والی شخصیت دو تھیں۔ ایک ان کا فکری آئیڈیل تھا، اور دوسرا عملی مربی، پہلے کا نام ہے ابوالمحاسن محمد سجاد، امارت شرعیہ کے بانی، اور دوسرے ہیں امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی، پرسنل لاء بورڈ کے بانی، مولانا محمد سجادؒ نے ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ کی بنیاد ڈالی تو ان کے سامنے ایک بڑی دشواری یہ تھی کہ عام علماء منصب قضاء کی ذمہ داریاں اسلامی قوانین کو جانے بغیر کیسے انجام دے سکیں گے، چنانچہ اس کے حل کے لیے انہوں نے ''نظارت امور شرعیہ'' کے مسودہ میں تجویز فرمایا کہ ''ان مقدمات کی سماعت کا

ضابطہ اسلامی آداب قضاء کے مطابق اردو میں تیار کردیا جائے'' مولانا نے ۲۵/صفر ۱۳۵۷ھ کو یہ تجویز تحریر فرمائی تھی، بیس برس کے بعد ۲۷/ مارچ ۱۹۵۷ء کو مولانا منت اللہ رحمانی نے امیر شریعت منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے فرمان میں یہ تحریر فرمایا کہ'' قاضیوں کی سہولت کے لیے اردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے''۔

۱۹۶۲ء میں جب مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب امارت شرعیہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اپنے بزرگوں کے یہ دونوں فرمان ان کے پیش نگاہ تھے، انہوں نے اس ہدایت کو سینہ کی امانت بنایا اور شب وروز اس خاکہ میں رنگ بھرتے رہتے، یہاں تک کہ جب اس ہدایت کو سینہ سے سفینہ پر منتقل کرتے ہوئے فروری ۱۹۸۸ء میں حضرت قاضی صاحب نے اردو زبان میں پہلی بار'' اسلامی عدالت'' پیش کی تو اس وقت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اپنی حیات ہی میں نہ صرف اپنے فرمان کی تعمیل دیکھ رہے تھے بلکہ اپنے خواب کی تعبیر بھی پا رہے تھے، چنانچہ دہلی میں'' اسلامی عدالت'' کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے مولانا منت اللہ رحمانی نے فرمایا:'' اسلامی عدالت میرے تیس سالہ پرانے خواب کی عملی تعبیر ہے، میرے ناقص علم کے مطابق نظام قضاء پر اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے''

اس آن بان اور شان کے ساتھ قاضی صاحب نے اسلامی عدالت پیش کی، لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ ہوسکتا ہے'' اسلامی عدالت'' کی مجلس برخاست ہوگئی ہو اور قاضی صاحب عدالت سے سے چلے گئے ہوں لیکن'' اسلامی عدالت'' کی کتاب باوقار موجود ہے اور اسکی سطر سطر اور لفظ لفظ قاضیؒ کی زبان حال سے ہم سے مخاطب ہے۔

کتاب کا خاکہ

'' اسلامی عدالت'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اسلام کے عدالتی نظام کے آداب اور ان کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ مولانا سجادؒ نے امارت شرعیہ کی بنیاد ڈال کر مسلمانوں کی زندگی کو قرآن و سنت کی اساس پر اور اسلامی اجتماعیت کے ساتھ استوار کرنے کی دعوت دی، اس کے لیے بڑا تفصیلی خاکہ انہوں نے تیار کیا، جس کا سب سے اہم حصہ نظام قضاء کا قیام تھا، چنانچہ دارالقضاء قائم کیا گیا، لیکن اس کا دائرہ کار جوں جوں بڑھتا گیا، یہ ضرورت شدید ہوتی گئی کہ اسلامی عدالت کے عناصر یعنی قاضی، عدالت، سماعت مقدمہ اور فیصلے پر اسلامی احکام وآداب کو تفصیل کے ساتھ اردو زبان میں منتقل

کردیا جائے۔ یہ ضرورت جہاں عام علماء اور اہل علم کے لیے تھی وہیں خود قضاۃ کی بھی ضرورت تھی، جسکی جانب اشارہ کرتے ہوئے خود قاضی صاحب نے ''اسلامی عدالت'' کے مقدمہ میں کہا ہے کہ:

''قضاء کی حقیقت کیا ہے، قاضی کے لیے ضروری اہلیت اور اس کے فرائض واختیارات کیا ہیں، قاضی کے مقرر کرنے کا حق کسے ہے، کون سے معاملات عدالت میں لے جائے جاسکتے ہیں اور کون سے نہیں، قاضی کو ذاتی طور پر کس کردار کا حامل ہونا چاہئے، فریقین اور گواہوں کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہو، قاضی مقدمہ کی سماعت کس طرح کرے، فیصلہ کی بنیاد کیا ہوگی، اسلامی نقطۂ نظر سے ثالثی کی کیا حیثیت ہے، پھر دعوی کے کیا اصول ہیں، کون سا دعوی صحیح ہے، کون سا نہیں، شہادت وثبوت کے کیا ضوابط ہیں''

ان امور سے خود قضاۃ کو واقف ہونے کی ضرورت تھی۔ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے پیش نظر کام کا یہی خاکہ تھا جسے انہوں نے پہلے فرمان میں اس طرح واضح فرمایا تھا:

''قاضیوں کی سہولت کے لیے اردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر قاضیوں کے اختیارات، فرائض، مقدمات میں شہادت کے شرعی اصول اور ضابطے، فسخ نکاح اور خلع کے وجوہ اور طریقے اور ان سے متعلق مسائل درج کئے جائیں اور بطور مثال ونظیر عہد رسالت وصحابہ اور مشہور قضاۃ اسلام کے فیصلے لکھے جائیں، مقرر کئے جانے والے قاضی اس رسالے کا مطالعہ کریں تاکہ اس کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کریں''

حضرت قاضی صاحب نے ان ہی نقوش پر کام کا آغاز فرمایا، اس وقت قاضی صاحب کے سامنے پوری کتاب کا منصوبہ خود ان کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھا:

''اس کتاب کی جلد اول کا موضوع اسلام کے قانون قضائی کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق قاضی، عدالت، سماعت مقدمہ اور فیصلہ سے ہے، کتاب کی دوسری جلد اصول دعوی اور تیسری جلد ضابطۂ شہادت پر مشتمل ہوگی، اگر اللہ نے مکمل کرادیا تو پھر مختلف ابواب فقہیہ خصوصیت کے ساتھ احوال شخصیہ (پرسنل لاء) سے متعلق احکام جن کا تعلق قضاء قاضی سے ہے ان پر ایک حصہ لکھا جائیگا تب جاکر یہ کتاب مکمل ہوگی''

اس منصوبہ کے مطابق جلد اول چارسو اسی صفحات پر مشتمل طبع ہوئی جس میں متعلقہ

مباحث کو پہلی بار اردو زبان میں دفعات کی شکل میں پیش کیا گیا، اس طریقہ کار کی افادیت کے بارے میں قاضی صاحب خود لکھتے ہیں کہ:

''اسلام کے عدالتی قوانین کی ضابطہ بندی کی گئی ہے، اور اس کو دفعہ وار جمع کیا گیا ہے جونسبتہ مشکل کام تھا لیکن دفعہ وار ترتیب میں کسی قانون کو جاننے میں جو سہولت ہوتی ہے اس کے پیش نظر یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ طرز جدید ہے مگر مفید۔''

مبسوط مقدمہ کتاب

اس طرز جدید اور مفید پر کتاب کا آغاز ایک انتہائی مبسوط اور پر مغز مقدمہ سے ہوتا ہے، جو ایک سو چونتیس صفحات پر مشتمل ہے، یہ قیمتی مقدمہ خود کسی کتاب سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے قاضی صاحب نے اس میں فقہ وقضاء کی تعریف اور تعارف کے بعد ادب القاضی یا ادب القضاء کو علم فقہ کے ایک مستقل باب سے خود ایک مستقل علم کا قالب اختیار کر لینے کی تاریخ بتاتے ہوئے اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف اور قانون قضائی پر ان کی مستقل کتاب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون کے حوالہ سے کیا ہے، اس کے بعد ادب القاضی کے موضوع پر لکھی جانے والی قدیم و جدید کتابوں کا مختصر مگر جامع تعارف کرایا ہے، اس تعارف میں فقہ حنفی کی بیس کتابوں، فقہ مالکی کی بارہ کتابوں، فقہ شافعی کی چوبیس کتابوں نیز اسی طرح فقہ حنبلی اور دیگر فقہی مذاہب کی کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے، یہ طویل فہرست جہاں ایک طرف حضرت قاضی صاحب کی وسعت نظر و مطالعہ کی غماز ہے وہیں دوسری طرف اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے ایک انسائیکلو پیڈیائی رہنما بھی ہے۔

کتابوں کے اس تعارف کے بعد کار قضاء پر بحث کی گئی ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور طریقہ عمل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قضاء کے اہم فریضہ کو خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر ادا کرتے رہے، بلکہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ایسے افراد تیار کیے جو اس فریضہ محکمہ کی ادائیگی کے اہل ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ کو آپ نے یمن کا قاضی بنایا، حضرت معاذ بن جبل کو یہ ذمہ داری سپرد فرمائی، حضرت علاء بن الحضرمی کو بحرین کے لیے قاضی مقرر فرمایا اور ان کے لیے ایک مفصل ہدایت نامہ بھی تحریر کیا، حضرت معقل بن یسار کو بعض مقدمات کے فیصلے سپرد فرمائے، سیدنا عمر فاروق اور عقبہ بن عامر جہنی کو حضورؐ نے اپنے اجلاس

میں پیش مقدمہ کو فیصل کرنے کا حکم دیا، اسی طرح حضرت دحیہ کلبی، حضرت ابوموسی اشعری، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دورنبوی کے قضاۃ رہے۔

عہد نبوت کے اس مبارک تذکرہ کے بعد عہد فاروقی، عہد عثمانی پھر عہد سیدنا علی اور عہد حضرت معاویہ میں کارقضاء اور قضاۃ پر سرسری روشنی ڈالتے ہوئے قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''اس طرح تاریخ اسلامی میں ہزاروں علماء کبار نے اس منصب کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں، اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند ممتاز قضاۃ کے حالات پر مختصر روشنی ڈالیں۔،، قاضی صاحبؒ کی نگاہ دقیق نے ممتاز قضاۃ کی جو فہرست تیار فرمائی ان میں پہلا نام قاضی ایاس بن معاویہ (متوفی ۱۲۲ھ) کا ہے جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا اور جن کی ذہانت وفطانت، دقت نظر اور ورع وتقوی بے مثال تھی، دوسرا نام ہے حضرت حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) کا جن کی والدہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کی پروردہ تھیں۔ تیسری شخصیت ہے قاضی سوار بن عبداللہ (متوفی ۲۴۵ھ) کی، اپنے علم میں ممتاز، حق کے معاملہ میں جری اور کارقضاء میں مضبوط کردار کے حامل، خلیفہ وقت ابوجعفر منصور کو چھینک آئی، اس نے الحمدللہ نہیں کہا تو آپ نے یرحمک اللہ بھی نہیں کہا، دوبارہ اسے چھینک آئی اور الحمدللہ کہا تب آپ نے یرحمک اللہ کہا، جب آپ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو منصور انہیں دیکھتا رہا اور جانے کے بعد کہا: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کسی معاملہ میں کسی کی جانب داری کرسکتے ہیں جبکہ یہ چھینک کے معاملہ میں میری رعایت نہیں کرسکے''۔ چوتھی شخصیت ہے قاضی شریح کی، جن کی عظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ نے انہیں منصب قضا پر فائز فرمایا، ۷۵ سال تک قاضی رہے، حضرت علی بن ابوطالب جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اقضاهم علی'' فرمایا تھا، انہوں نے قاضی شریح کو کہا ''قم فانك اقضى العرب'' (جاؤتم عرب کے سب سے بہتر قاضی ہو) اس فہرست میں آخری نام قاضی امام ابویوسف کا ہے جو اسلامی مملکت میں پہلے قاضی القضاۃ ہیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے ان ممتاز قضاۃ کے احوال پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے امتیازی فیصلے بھی ذکر فرمائے ہیں، جن سے کثیر الوقوع مسائل میں ان قضاۃ کرام کی آراء سامنے آگئی ہیں۔

قضاۃ کے اس دلنشیں اور مفید تذکرہ کے بعد قاضی صاحبؒ نے ہندوستان میں امارت

شرعیہ کے نظریہ پر گفتگو فرمائی ہے، جس میں بڑے مدلل اسلوب میں واضح کیا ہے کہ نظام قضاء کے بغیر مسلمانوں کی زندگی غیر اسلامی رہ جاتی ہے۔ انہوں نے مولانا سجادؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو کام ابھی ہوسکتا ہے اسے حاصل کرو اور جو ابھی نہیں ہوسکتا اس کے لیے جدو جہد جاری رکھو، نیز ہر فرد اور ہر جماعت بقدر استطاعت مکلف ہے اور قوت قاہرہ کے فقدان کی وجہ سے ان احکام شرع کو نہیں ٹالا جاسکتا جنہیں مسلمان اپنی رضامندی سے اپنے اوپر نافذ کرسکتے ہیں، اسی بنیاد پر امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا جسکے تحت امیر کا انتخاب، دارالقضاء کا قیام اور بیت المال کا نظام قائم کیا گیا، ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں مسلمانوں کے پاس قوت تنفیذی نہیں ہے، یہ سوال اٹھتا ہے کہ دارالقضاء اپنے فیصلوں کو کس طرح نافذ کرے گا۔ یہ سوال اس وقت بھی کیا گیا تھا، قاضی صاحب نے اس کا نہایت عالمانہ اور مدلل جواب دیا ہے کہ مادی قوت واقتدار قضاء کی حقیقت میں داخل نہیں ہے اور حکم یعنی فیصلہ کی تعریف میں جس ''الزام'' کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد الزام معنوی ہے الزام حسی نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے ایسے احکام میں ولایت کاملہ کی شرط لگائی ہے جہاں پر حکم قضاء کی تکمیل بغیر قوت قاہرہ کے نہیں ہوسکتی، جیسے لعان کا مقدمہ، قاضی صاحب نے مزید بتایا کہ قضاء کی تخصیص اور قاضی کے دائرہ کار کی تحدید کا مسئلہ متفق علیہ ہے، لہذا جن ممالک میں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے قاضی کے اختیارات عرف، حالات اور امکانیات کی روشنی میں متعین کئے جاسکتے ہیں، یعنی جن احکام شرعیہ کا اجراء ونفاذ ان حالات میں ممکن ہو ان کے متعلق قاضی فیصلہ کرے گا اور جن احکام کا اجراء ممکن نہ ہو وہ قاضی کے دائرہ اختیار سے خارج ہوں گے، پھر قاضی کی صفات بالخصوص اسکے مجتہد ہونے کی شرط پر گفتگو کی گئی ہے، اس گفتگو میں قاضی صاحب کا متوازن نقطہ نظر پوری طرح آشکار انظر آتا ہے۔ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا یا کھلا ہے؟ اس اہم ترین مسئلہ پر قاضی صاحب نے دونوں نقطۂ نظر کو نقل کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ حقیقت دونوں سے دور ہے، قاضی صاحب کی نظر میں دین قیامت تک کے لیے ہے تو باب اجتہاد بھی قیامت تک کھلا رہے گا، اسلئے اصل مسئلہ اجتہاد کا نہیں بلکہ صلاحیت اور اہلیت اجتہاد کا ہے، اگر اجتہاد کا کام بند ہوا تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اجتہاد کے منصب پر اپنی اہلیت وصلاحیت کے ذریعہ فائز ہونے والے علماء مفقود ہوگئے، قاضی صاحب اس قول کو بالکلیہ تسلیم نہیں کرتے کے متاخرین میں کسی صاحب اجتہاد شخص کا پیدا ہونا ناممکن ہے، کیونکہ

ذکاوت وفطانت اور ذہن رسا کی نعمت اللہ نے چھین نہیں لی ہے، وسائل اجتہاد اور علوم ومعارف کے خزانوں تک رسائی عہد متاخرین میں جس طرح آسان ہوگئی ہے پہلے کبھی نہیں تھی، قاضی صاحبؒ کے نزدیک ''مجتہد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ سلف کی تحقیقات کی بساط الٹ کر اپنی طرف سے کوئی نئی بات کہے'' اور ''نہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد اپنے مجتہد ہونے کا دعوی کرے''، اسی لیے قاضی صاحب جہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ آخری دور میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی اہلیت اجتہاد سے کسے انکار ہوسکتا ہے، وہیں وہ ماضی قریب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی اجتہادی صلاحیتوں اور ان کے مجتہدانہ فتاوی کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں اور اس عہد کے پیچیدہ اور الجھے ہوئے پیش آمدہ مسائل کے حل کو سراہتے ہیں اور اس کے بعد صاف لکھتے ہیں کہ ''جو کان لفظ اجتہاد کو سننا گوارہ نہیں کرتے انہیں میرا یہ کہنا بھی شاید پسند نہیں آئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد حضرت تھانوی نے ہندوستان میں کار اجتہاد انجام دیا ہے''۔

اجتہاد کی بابت ان تعارفی کلمات کے بعد قاضی صاحبؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اور انتہائی عالمانہ اسلوب میں اجتہاد پر بحث فرمائی، قرآن وحدیث اور فقہاء اسلام کی تحریروں کے حوالہ سے قاضی صاحبؒ نے اجتہاد کی تعریف ذکر کی ہے اور محل اجتہاد کو بتایا ہے کہ کن امور میں اجتہاد کیا جاسکتا ہے اور کون سے امور اجتہاد کا محل نہیں بن سکتے ہیں، پھر مجتہد کے لئے ضروری شرائط پر کلام کیا ہے قرآن کریم بالخصوص آیات احکام سے واقفیت، سنت رسول اللہ اور بالخصوص احادیث احکام کا علم، ناسخ اور منسوخ کی شناخت، اتفاقی اور اختلافی مسائل کی شناخت، قیاس کا علم، عربی زبان وادب کا علم، علم اصول فقہ اور مقاصد شریعت کا علم مجتہد کے لیے لازمی ہے، کار اجتہاد کے ذیل میں آپ نے تحقیق مناط، تنقیح مناط اور تخریج مناط کا تعارف مثالوں کے ساتھ کرایا ہے، پھر اجتہاد کے باب میں ایک اہم ترین بحث یعنی تجزئی اجتہاد پر روشنی ڈالی ہے، قاضی صاحبؒ کا خیال ہے کہ اس کے بارے میں آج کے عہد کے علماء کو خصوصی طور پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ قاضی صاحبؒ کی رائے میں ''آج کے عہد میں مجتہد کامل مفقود ہے اور بہت سے ایسے مسائل درپیش ہیں جو عہد سلف میں پیش نہیں آئے تو ان مسائل کے حل کے لیے ایسے علماء اقدام کرسکتے ہیں جو کسی خاص باب میں دینی وسعت، علمی کمال اور تحقیق کی بدولت مناط حکم کی تخریج کے اہل ہوں تاکہ ایسے جدید مسائل کا حل ممکن ہو''

اجتہاد کی اس اہم ترین اور نازک بحث کو بڑے اعتدال اور کمال کے ساتھ پورا کرنے کے بعد شرع اسلامی کے مصادر اور سرچشموں پر گفتگو کی ہے، جس میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجتہاد اور قیاس کے متفق علیہ دلائل شرعیہ کا مختصر تعارف کرانے کے بعد دیگر مختلف فیہ دلائل شرعیہ میں سے استحسان اور استصلاح پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے، قول صحابی اور استصحاب پر اجمالی گفتگو ہے، پھر سد ذرائع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور احکام شرع سے اس کے نظائر ذکر کئے گئے ہیں، جیسے حضرت عمر فاروق نے اس درخت کے پاس نماز پڑھنے سے روک دیا جہاں بیعت رضوان ہوئی تھی کہ اس مباح عمل کے نتیجہ میں خطرہ تھا کہ صنم پرستی کا قدیم رجحان نہ لوٹ آئے۔

''اسلامی عدالت'' کا یہ عالمانہ وفاضلانہ اور دقیق و پر مغز علمی مقدمہ کتاب کے سوا سو صفحات پر مبسوط ہو کر ختم ہوا ہے۔ بحث کی آخری سطروں میں مصنف نے لکھا ہے کہ اجتہاد اور اس سے متعلق ضروری مباحث کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں، عرف وعادت اور ضرورت وغیرہ کی بحث انشاء اللہ کتاب کی آخری جلد میں بالتفصیل آئے گی،، اے کاش کہ عمر فانی کچھ اور دراز ہوتی تو جہاں عدالت کے ایام میں علمی کاموں کی رفتار تیز ہوگئی تھی اور کئی اہم کتابوں کی تکمیل سے فارغ ہوکر ''اسلامی عدالت'' کی جلد دوم میں اصول دعوی کی بحث زیر تحریر تھی، اسلامی عدالت کا پورا خاکہ ان کے گہر بار قلم سے نقش قرطاس ہو جاتا۔

اس علمی مقدمہ کے بعد چھ صفحات میں اصل کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے، اس ذیل میں قاضی صاحبؒ کی یہ وضاحت ان کے فقہی نقطۂ نظر اور وسعت ذہنی کی روشن دلیل ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اس کتاب کی ترتیب میں ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء کو سامنے رکھا گیا ہے اور حالات وضرورت کی رعایت کرتے ہوئے کہیں کہیں مسلک احناف سے عدول بھی کیا گیا ہے جس کی صراحت کردی گئی ہے، اور بعض مقامات پر ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کی آراء بھی پیش نظر رکھی گئی ہیں،،

آخر میں اپنے رفقاء ومعاونین کے لیے جذبات تشکر کا اظہار کیا گیا ہے، اور قارئین سے اپنے حق میں نجات کی دعا طلب کی گئی ہے، اور کتاب میں محسوس ہونے والی کسی خامی کی نشاندہی کو اپنے لیے سب سے بڑی خیر خواہی قرار دیتے ہوئے ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۶/ فروری

۱۹۸۸ء، روز سہ شنبہ کی تاریخ کے ساتھ دستخط ثبت کیا گیا ہے۔

آغاز کتاب

خلیفۂ دوم سیدنا عمر فاروق اسلامی تاریخ کی وہ بلند و بالا شخصیت ہیں جنہیں محدث ہونے کا شرف حاصل ہے، انہوں نے اپنے دور خلافت میں نظام حکومت کی تشکیل کرتے ہوئے جہاں بہت سارے جدید اقدامات کئے جنھیں ان کی اولیات کہا جاتا ہے، وہیں نظام قضا کو عادلانہ بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے کئی ایسے خطوط لکھے جن کی حیثیت اسلام کے نظام عدالت میں سنگ میل کی ہے، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے یہ خطوط دراصل اسلامی قانون قضائی کے بنیادی مکتوبات ہیں، یہ کل تین مکتوبات ہیں، پہلا مکتوب بنام سیدنا ابوموسی اشعری ہے، جس کا عنوان ہے ''کتاب سیاسۃ القضاء و تدبیر الحکم''، دوسرا مکتوب بنام سیدنا معاویہؓ ہے، اور تیسرا خط بنام قاضی شریح ہے، ان تینوں مکتوبات میں پہلا خط زیادہ مفصل اور اس کا ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کا دریا سموئے ہوا ہے، اور اسی خط کے مشتملات سے قضاء کے بیشتر اصول و آداب طے ہوتے ہیں دوسرا اور تیسرا مکتوب نسبتاً مختصر ہے۔

حضرت قاضی صاحب نے ان اہم خطوط کو اپنی کتاب کا دیباچہ بنایا ہے، اصل کتاب کے دفعات شروع ہونے سے پہلے یہ تینوں خطوط درج کئے گئے ہیں، اوران کا اردو ترجمہ بھی لکھا گیا ہے۔

پہلا خط عدلیہ کی تاریخ میں اہم ترین دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، اسکی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ اسکی استنادی حیثیت سے بھی پردہ اٹھایا جائے، چنانچہ حضرت قاضی صاحبؒ نے تقریباً پندرہ حوالہ جات کی مستند و مکمل تفصیلات درج کرکے اس خط کی استنادی حیثیت کو واشگاف فرمایا ہے۔

نظام قضاء اسلامی

یہ وہ مرکزی عنوان ہے جہاں سے اصل کتاب ''اسلامی عدالت'' کے دفعات کا آغاز ہوتا ہے، جیسا کہ پچھلی سطور میں تحریر کیا گیا کہ کتاب کا پورا متن قانونی دفعات کے اسلوب میں لکھا گیا ہے، یہاں آکر ہم دیکھتے ہیں کہ دفعات کے نمبرات شروع سے آخر تک مسلسل چلے جاتے ہیں، درمیان میں متعدد جگہوں پر مرکزی عناوین آتے ہیں، اور مرکزی عنوان کے تحت ذیلی عناوین بھی

بکثرت آتے ہیں، دفعہ وار اس اسلوب ہی کا غالباً تقاضا تھا کہ متن میں تو قانونی اسلوب میں احکام لکھے گئے ہیں، لیکن ان کی تفہیم کے لیے جہاں وضاحت کی ضرورت تھی، یا تقریب فہم کے لیے مثالوں کا ذکر لانا تھا، یا متعلقہ مسئلہ پر فقہاء وائمہ کے اختلاف کا تذکرہ ضروری تھا، یا ذکر کردہ مسئلہ کی بابت کتب مراجع سے عربی اقتباسات اور حوالہ جات درج کرنے کی ضرورت تھی، ان جیسے سارے امور و تفصیلات کو، دفعات متن کا تسلسل برقرار رکھنے کی خاطر کتاب کے حاشیہ کا حصہ بنایا گیا ہے، یہ حصہ کتنا مفصل اور مبسوط ہے اسکے اندازہ کے لیے یہ بتانا کافی ہوگا کہ تقریبا ہر دفعہ پر حاشیہ کا نمبر آتا ہے اور ہر نمبر کے تحت کی عبارت بسا اوقات خود دفعہ کی عبارت سے بڑی ہوتی ہے، بلکہ متعدد مقامات پر تو بڑے معرکۃ الآراء مباحث کو حاشیہ میں چھیڑا گیا ہے اور مسلسل کئی کئی صفحات میں وہ بحث حاشیہ میں آئی ہے، یہ حصے حضرت قاضیؒ کی وسعت علمی، عمق فہم اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کے شاہکار ہیں، ایسے چند مفصل حواشی کے عنوانات ہیں: ''اقضیہ رسول اللہ کے موضوع پر لکھی گئی کتابیں''، ''لفظ قضاء کی مفصل لغوی تحقیق''، ''قضاء کی حقیقت میں قوت تنفیذ داخل نہیں''، امت، افراد کی اجتماعی تشکیل ہے اور جاہلیت، انتشار و گروہ بندی اور رہبانیت ہے''، ''مسئلہ امارت کے دلائل''، ''اسلامی حکومتوں کی تاریخ''، '' قضاء کے لیے علم کی ضرورت''، '' حلقہ قضاء میں اختلاف کی صورت میں مقدمہ کس عدالت میں سنا جائے گا''، ''مفقود کا حکم''، '' قاضی کے لیے استعفا دینا''، ''اسلامی عدالت میں مساوات کے تاریخی واقعات''، '' زمانہ کے تغیر اور عرف کی تبدیلی نیز ضرورت و حاجت کی بنیاد پر مسئلہ مجتہد فیہ میں عدول کا مسئلہ''۔ ان عنوانات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حواشی کے اندر کیسے دقیق علمی مباحث پر کلام کیا گیا ہے۔

دفعات کتاب

یوں تو یہ کتاب دفعہ نمبر ا سے شروع ہوتی ہے اور دفعہ نمبر ۷۴۰ پر ختم ہوتی ہے، تقریباً ساڑھے سات سو دفعات پر مشتمل اس کتاب کا پہلا دفعہ قیام قضاء کی فرضیت کے عنوان سے ہے، اور دفعہ کی عبارت قضاء کی تعریف پر یوں ہے ''ایسا نظام جس کے ذریعہ انسانوں کے باہمی نزاعات میں اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ دیا جائے، نظام قضاء ہے۔'' اور آخری دفعہ میں مسل اور کاغذات پر تاریخ و مہر اور لفافہ پر مہر لگانے کا حکم دیتے ہوئے لکھا گیا ہے: '' قاضی کے کاتب کے

لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بھیجی ہوئی مسل پر ارسال مسل کی تاریخ کی تصریح کردے، اپنے بھیجے ہوئے سبھی کاغذات کے ہر صفحہ پر مہر ثبت کرے، لفاف پر مہر لگائی جائے۔''

لیکن یہ پوری کتاب پانچ چھ مرکزی حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں قضاء کی ضرورت، اہمیت وحقیقت، ولایت اور تفویض قضا، قاضی کی صفات اور دائرہ عمل اور عزل قاضی کے مباحث آئے ہیں، اہلیت قضاء کے ذیل میں بتایا ہے گیا کہ کسی نابینا، یا بہرا جو اونچی آواز میں بھی نہ سن سکے اور گونگا کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا، البتہ عورت کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے لیکن وہ حدود و قصاص کے مقدمات میں فیصلہ نہیں دے سکتی، عورت کی قضاء کے مسئلہ پر حاشیہ میں قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عورت مطلقا قاضی نہیں بن سکتی اور امام جریر طبری کے نزدیک مطلقا قاضی ہوسکتی ہے، امام ابوحنیفہ کے مسلک میں تفصیل ہے۔ قاضی کی صفات کی ذیل میں یہ دفعہ بڑا اہم ہے کہ ''ایسے شخص کو منصب قضاء پر مقرر کرنا بھی امیر کے لیے درست نہیں ہوگا جو عہدہ قضاء کا طالب ہو۔'' قاضی کے حلقہ اور دائرہ عمل کی بحث بھی بڑی معرکۃ الآراء ہے، جدید قانون میں بھی (Jurisdiction) کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے، اس بحث کو قاضی صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر نزاع دو ایسے افراد کے درمیان ہو جن کے لئے علاحدہ علاحدہ قاضی مقرر ہیں تو فیصلہ کس حالت میں کس قاضی کے پاس ہوگا، حضرت قاضی صاحب نے اس وسیع بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ''میرے نزدیک اس مسئلہ کا گہرا تعلق انتظامی ڈھانچہ سے ہے جس میں بہرحال اسکی رعایت ضرور ہونی چاہیے کہ صاحب حق کے لیے تحصیل حق کی راہ دشوار نہ ہوجائے اور دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ بلاوجہ کسی شخص کو مدعا علیہ بنا کر پریشان نہ کیا جائے۔''

قاضی کے اختیارات کی بحث کرتے ہوئے یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سے مسائل ایسے ہیں جن میں محض سبب شرعی کا وجود کافی نہیں ہے بلکہ حاکم کا حکم بھی ضروری ہے، ان مسائل کو مثالوں کے ذریعہ بھی مزید منقح کیا گیا ہے، قاضی کا امیر کے ہم مسلک ہونا ضروری نہیں ہے، اس عنوان تحت لکھا گیا ہے کہ امیر حنفی قاضی شافعی کو اور شافعی المسلک امیر حنفی المسلک قاضی کو اسی طرح حنفی امیر کسی اہل حدیث عالم کو قاضی مقرر کرسکتا ہے، اور قاضی اس صورت میں فیصلہ اپنے مسلک کے مطابق کرے گا، آگے کی چند دفعات میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ کیا امیر قاضی کو کسی مخصوص مسلک پر عمل کرنے کا پابند

کرسکتا ہے، اس تفصیلی بحث کا حاصل یہ ہے کہ قاضی پر اس طرح کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی، البتہ اسکے دائرہ کی تحدید کرتے ہوئے ایسے مسائل میں فیصلہ کرنے سے اسے روکا جاسکتا ہے۔

قاضی کے استعفاء اور اپنے منصب سے علاحدگی کے مسئلے پر بتایا گیا ہے کہ محض استعفاء پیش کردینے سے علاحدگی کا عمل مکمل نہیں ہوگا بلکہ ضروری ہوگا کہ امیر اس کا استعفاء قبول کرلے، اور اس عبوری مدت میں کئے گئے اسکے فیصلے نافذ ہوں گے، نیز امیر کی معزولی سے اسکے مقرر کئے ہوئے قضاۃ معزول نہیں ہوں گے، یہی حکم قاضی القضاۃ یا قاضی علاقہ کی معزولی کا ہے۔

آداب قاضی

کتاب کا دوسرا حصہ رکن اول یعنی آداب قاضی پر مشتمل ہے، اس حصہ میں قاضی کی ذات سے متعلق آداب، فریقین اور گواہوں کے ساتھ اسکے برتاؤ، نیابت قضاء اور تحکیم یعنی ثالثی کے قوانین پر بحث ہے۔

قاضی کی ذات سے متعلق آداب پر گفتگو کرتے ہوئے اسکے اخلاقی اوصاف، شکل ولباس، طور طریق، رہن سہن اور سماجی زندگی میں تعلقات وغیرہ کی بابت ایسی ہدایات دی گئی ہیں جنکی وجہ سے قاضی کی زندگی اسلامی آداب کے مطابق، عظمت وقار اور مروت سے آراستہ اور سبھی قسم کے شک وشبہ سے دور رہ سکے، اسی ذیل میں مقدمہ سے متعلق آداب بھی ذکر کئے گئے ہیں کہ قاضی کی اجلاس گاہ کشادہ، روشن اور کھلی جگہ ہو، وہ مقام ایسا معروف ہو کہ عام لوگ بآسانی وہاں پہنچ سکیں، طبعی ضروریات کا وہاں انتظام ہو، سماعت مقدمہ کے دوران قاضی کی نشست و برخاست اور اطوار و انداز بتائے گئے ہیں، مجلس قضا میں علماء کی موجودگی اور ان سے مشورہ کی بابت ہدایات ہیں، فیصلہ سے پہلے معاملہ کی مکمل تحقیق اور اطمینان حاصل کرنے، اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو مقدمہ کو کسی اور قاضی کے پاس بھیجنے کا حکم ہے۔

فریقین کے ساتھ قاضی کے برتاؤ کے سلسلہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ وہ ہدایات دی گئی ہیں جن کی وجہ سے قاضی کے سامنے حق کھل کر آسکے اور بے انصافی کا شبہ بھی کسی فریق کے دل میں جگہ نہ لے سکے، اس ضمن میں فریقین کے بیانات کو سکون ونظم کے ساتھ محفوظ کرنے سے متعلق انتظامی ہدایات بھی ہیں۔

گواہوں کے ساتھ قاضی کے برتاؤ کی بابت لکھا گیا ہے کہ ''ان کے ساتھ خصوصی طور پر موانست اور عزت افزائی کا برتاؤ کیا جانا چاہیے''، نیز کہا گیا ہے کہ '' قاضی گواہ کو شہادت کی تلقین نہ کرے اور نہ گواہی کو بگاڑنے کے لیے جرح کرے''، اس موقع پر ایک اہم مسئلہ گواہوں سے یہ وضاحت ہے کہ ''وہ جس بات کی گواہی دے رہے ہیں اس کا علم انہیں کس ذریعہ سے ہوا ہے''؟ کتاب کے دفعہ میں قاضی کو ایسے سوال سے منع کیا گیا ہے، جو اس بنیاد پر ہے کہ گواہ کے لیے کسی امر کی گواہی دینا اسی وقت درست ہے جب اس نے اس امر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، صرف چند مخصوص مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں قابل اعتماد لوگوں سے سن کر بھی شہادت دینا جائز ہے، لیکن آج کے علمی واخلاقی زوال کے حالات میں جبکہ اکثر وبیشتر گواہ خود فریق سے سنی سنائی باتوں کو شہادت کی شکل میں بیان کردیتے ہیں، ایسے حالات میں اگر ذریعہ علم کی بابت گواہوں سے استفسار نہ کیا جائے تو قاضی عدل قائم کرنے کے بجائے ظلم وجور کا مرتکب ہوجائیگا، حضرت قاضی صاحب کے تجربہ میں ایسے واقعات تھے، چنانچہ آپ نے حاشیہ میں اس پر تفصیلی نوٹ لکھا اور آخر میں اپنی رائے درج فرمائی کہ '' قاضی اگر ضرورت محسوس کرے تو ذریعہ علم کے متعلق گواہوں سے استفسار کرے اور گواہی شروع کرنے سے پہلے شہادت کے ضروری احکام بھی گواہوں کو بتادے۔''

نیابت قضا کی بحث میں واضح کیا گیا ہے کہ امیر کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنا مستقل نائب بنانا یا کسی خاص مقدمہ میں قضاء کے اختیارات سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

ثالثی کی بحث بڑی اہم ہے، اس میں تحکیم کی تعریف کی گئی ہے اور ثالث کی اہلیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، احکام کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ ثالث کو کسی کے ساتھ متعلق نہیں کیا جاسکتا ہے، نیز جن امور کی انجام دہی خود فریقین کے دائرہ اختیار سے باہر ہے ان کے بارے میں ثالث نہیں بنایا جاسکتا، جیسے حقوق اللہ، ان کے علاوہ تمام مجتہد فیہ امور میں ثالث کا فیصلہ نافذ قرار پائیگا، فیصلہ کے بعد فریقین میں سے کسی کو ثالث کے فیصلہ سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا، البتہ ثالث کے فیصلہ کے خلاف قاضی کے سامنے اپیل کی جاسکتی ہے۔

قاضی کا فیصلہ

رکن دوم قاضی کا فیصلہ ہے، اس حصہ میں قاضی کے فیصلوں کی بنیاد، علماء اور اصحاب افتاء

سے مشورہ، کتابوں پر اعتماد اور اپیل ونظر ثانی کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس میں ابتداء فیصلہ سے قبل قرآن، احادیث، اقوال صحابہ، آراء تابعین اور آراء ائمہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر کسی مسئلے میں آراء مختلف ہوں تو شہر کے علماء وفقہاء سے مشورہ کرنے کی ہدایت ہے، نیز مستند کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

اس کے بعد کسی فیصلہ کے خلاف اپیل اور اس کے وجوہ نیز ایسے موقع پر قاضی کے طرز عمل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

فریق مقدمہ

قضاء کا تیسرا رکن فریق مقدمہ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ قاضی کن لوگوں کے مقدمات کو سن سکتا ہے، چنانچہ واضح کیا گیا ہے کہ قاضی اپنا مقدمہ یا اپنی اولاد اور اپنے والدین کا مقدمہ نہیں سن سکتا۔

چوتھا رکن ان امور سے متعلق ہے جو دائرہ قضاء میں آتے ہیں، پانچویں رکن میں اس شخص یا جماعت پر گفتگو ہے جس پر مقدمہ کا کوئی حق عائد ہوتا ہے، اس میں قضاء علی الغائب کی معرکۃ الآراء بحث بڑی تفصیل سے درج کی گئی ہے، اس بحث کا بڑا حصہ حاشیہ میں ہے۔

عدالتی طریقہ کار

یہ کتاب کی آخری بحث ہے، اس میں قاضی کے فیصلے کی اصطلاحات، قاضی کا امر، قاضی کے حکم کا موضوع مقدمہ تک محدود رہنا، قاضی کے تصرفات میں سے کیا حکم ہیں، وہ امور جو حکم حاکم کے محتاج نہیں، دارالقضاء کا نظام کار اور کتاب القاضی پر کلام کیا گیا ہے۔

فیصلہ میں لکھے جانے والے کون سے الفاظ ایسے ہیں جو حکم کا درجہ رکھتے ہیں، اور کس قسم کے الفاظ صرف فتوی قرار پائیں گے، قاضی کے وہ تصرفات جو حکم کا درجہ نہیں رکھتے جیسے سابق قضاۃ کے فیصلوں کی تنفیذ، عبادات کے احکام میں اور محرمات کی حرمت کے لیے قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں، ان پر گفتگو کی گئی ہے۔ پھر دارالقضاء کے نظام کار پر روشنی ڈالتے ہوئے رجسٹروں کی تفصیل، ان میں اندراج کے طریقے، مقدمہ کی ابتدائی کارروائی، کئی مقدمات ہوں تو ان کی سماعت میں ترتیب، دارالقضاء کے کارکن اور ان کے متفرق آداب بتائے گئے ہیں۔

آخری مضمون کتاب القاضی الی القاضی یعنی دو حلقوں کے قاضیوں کے مابین مراسلت سے متعلق ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ حدود وقصاء کے علاوہ تمام امور کے بارے میں ایک قاضی کی بھیجی ہوئی تحریر اور مسل دوسرے قاضی کے نزدیک معتبر ہوگی اور حکم کی بنیاد بن سکے گی، قاضی کی مرسلہ تحریر کے استناد پر بھی گفتگو کی گئی ہے استنادی حیثیت کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء اور موجودہ دور میں دارالقضاء میں مروجہ طریقہ پر بڑی تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔

اختتام

اس طرح سات سو چالیس دفعات اور تقریبا نصف کتاب میں پھیلے علمی حواشی کے ساتھ اپنے موضوع کی یہ منفرد کتاب اختتام کو پہنچی ہے۔ آخر میں ''ماخذ'' کے عنوان سے کتابیات کی فہرست دی گئی ہے جن سے بالخصوص اسلامی عدالت کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے، کتابیات کی اس طویل فہرست میں قرآن وتفسیر پر دو کتابیں، حدیث پر انیس کتابیں، سیر وسوانح کے موضوع پر دس کتابیں، اصول فقہ پر اٹھائیس کتابیں، فقہ کے عنوان پر چالیس کتابیں، تاریخ پر چھ کتابیں، لغت وادب کے عنوان سے تین کتابیں اور متفرقات کے نام سے اٹھارہ کتابیں ہیں۔

اس طرح سوا سو مذکور اور نہ جانے کتنی غیر مذکور کتابوں کے صفحات میں ڈوب کر اور منتشر علوم کے خزانوں سے نایاب موتی ڈھونڈ کر ''اسلامی عدالت'' کی کتاب بے مثال تیار ہوئی، جو پہلی بار ۱۹۸۸ء میں دہلی کے قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس سے شائع ہوئی، اس کا عکسی ایڈیشن پاکستان کے ادارہ معارف اسلامی لاہور سے ۱۹۸۸ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں اسی ادارہ سے شائع ہوا۔

کتاب کا عربی ترجمہ

حضرت قاضی صاحبؒ کی یہ منفرد کتاب آج پندرہ برسوں کے بعد بھی اپنے موضوع پر منفرد ہے، اس خاموش استاذ نے کتنے طلبہ کو فن قضاء سکھائے، کتنے قاضیوں کو مسائل کے حل میں معاونت کی اور تربیت قضاء کے باب میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کیے رہا۔

کتاب کی اہمیت اور افادیت کا تقاضا تھا کہ اسے عربی زبان کا لباس پہنایا جائے، اس اہم ضرورت کی تکمیل جناب مولانا نورالحق رحمانی استاذ المعهد العالی لتدریب القضاء

والافتاء امارت شرعیہ پٹنہ کے ادیبانہ قلم سے بحسن وخوبی انجام پائی ہے، اور ''نظام القضاء الاسلامی'' کے عنوان سے امارت شرعیہ کے مذکورہ ادارہ سے شائع ہوئی ہے، ابھی حال ہی میں اس کتاب کا خوبصورت ایڈیشن بیروت کے ایک اشاعتی ادارہ سے طبع ہوا ہے۔

کتاب کی تکمیل

جیسا کہ سابقہ سطور میں مذکور ہوا، کتاب کا جو پورا خاکہ مصنف کے ذہن میں تھا، مدت حیات نے انہیں اس خاکہ کو پوری طرح صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کا موقع نہیں دیا، حضرت قاضی صاحبؒ اپنی علالت کے آخری ایام میں اس خواہش کا اظہار فرماتے تھے کہ اس کتاب کا بقیہ حصہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مکمل کردیں، یہ مصنف مرحوم خواہش تھی اور علمی دنیا کی ضرورت بھی ہے، مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی گہرے علم وفہم کے ساتھ قضاء کا عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ ان کے اشہب قلم سے یہ میدان ضرور سر ہوگا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بقیہ ص: ۱۲۲

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی فقہی و اجتہادی

اور علماء کو بھی ان حالات پر شرعی نقطۂ نظر سے غور کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ اس قسم کے درجنوں مسائل قاضی صاحب کی توجہات کا مرکز بنے اور ان کی شرعی تشریحات قاضی صاحب نے انفرادی واجتماعی طور پر پیش فرمائیں قاضی صاحب نے سیمناروں کے لئے جو سوالنامے مرتب فرمائے وہ ان کی فقہی ذکاوت فقہ تقدیری کی روح تک رسائی اور عصر حاضر سے ان کی باخبری کی دلیل ہے مسئلہ کا تجزیہ فرما کر تمام اجزاء علماء کے سامنے طور پر رکھ دیتے کہ علماء کے لئے اس موضوع پر مطالعہ بھی آسان ہوجاتا اور حکم لگانا بھی مشکل نہ رہتا۔ سوال کو نصف علم میں نے قاضی صاحب کے سوالنامے ہی سے جانا وہ سوالنامے کیا ہوتے تھے تحقیق واجتہاد کا غیر محسوس درس ہوتا تھا۔ قاضی صاحب نے اپنے سوالات کے ذریعہ جہاں علماء کو جدید علوم واصطلاحات کی طرف متوجہ کرنے کا کام انجام دیا وہیں بحث وتحقیق اور مسائل ونوازل، تحلیل وتجزیہ کا اسلوب دیا۔

غطریف شہباز ندوی☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

منہج فکر، خدمات اور خصائص کا ایک مطالعہ

بڑی شخصیات مختلف طرح کی ہوتی ہیں، مختلف انداز اور ذوق ومزاج کی حامل ہوتی ہیں۔ بعض اپنے افکار ونظریات سے ایک دنیا کو متاثر کرتی ہیں بعض اپنے ورع وتقوی اور خلوص وللٰہیت سے، بعض علمی ودماغی کام کے ساتھ ہی انتظامی وعلمی صلاحیتوں سے بھی مالا مال ہوتی ہیں تاہم ایسا بہت کم ہوتا ہے گرچہ ایسا ہونا مستبعد نہیں۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

بڑی قدآور شخصیات کا مطالعہ اوران کے افکار واعمال کی تقییم (Valuation) بھی علمی دنیا کا ایک دل چسپ موضوع ہے، مگر ہمارے ہاں اس بارے میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی ہے، یا تو اپنی محبوب شخصیت کو ہم نبی ورسول کے برابر پہنچا کردم لیں گے، اگر تخفیف پر آگئے، تو اتنا گھٹائیں گے کہ تحت الثری پہنچا کر بھی تسکین نہ ملے گی، شخصیات کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں کسی حکیم شاعر کے اس قول پر تو عمل درآمد کرنا ہی چاہیے۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی حیات وخدمات اور افکار وخیالات کا مطالعہ کرتے وقت ان کے ابھرے ہوئے اور مفید تعمیری پہلو، امتیازات وخصائص پر جب نظر جاتی ہے، معاصرین سے ان کا تقابل کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا کہ اگرچہ قاضی صاحب کوئی مفکر یا نظریہ ساز نہ تھے، اسی طرح وہ کوئی بہت بڑے مصنف بھی نہ تھے (حالانکہ ان کے اندر مصنف بننے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں) تاہم

☆سب ایڈیٹر ماہنامہ افکار ملی، نئی دہلی

انہوں نے ایک بڑا کام کیا، جو انہیں کا حق تھا، اور انہیں جیسا آدمی کر سکتا تھا انہوں نے ایک خلا پر کیا، کہ فقہ اسلامی سے استفادہ کی ایک نئی بنیاد ڈالی، ان کے اٹھ جانے کے بعد اب یہ خلا مزید وسیع ہو گیا ہے۔

قاضی مجاہدالاسلام صاحب مفکر یا مصنف سے زیادہ عملیت پسند مصلح اور قائد تھے، اور کم از کم موجودہ ہندوستانی مسلم معاشرہ کی صورت حال اور اس کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں اسی کی ضرورت ہے۔ ان کی مجموعی فکر کیا تھی، اس سلسلہ میں انہوں نے وضاحت سے خود نہیں لکھا، البتہ ان کی تحریریں اور تقریریں پڑھنے سے ایک مجموعی تاثر یہ ابھرتا ہے کہ ان کی فکر روایتی تھی، وہ اقامت دین کے وسیع تصور اور ہندوستان جیسے سیکولر معاشرہ میں حکومت الٰہیہ کی دعوت کے علمبردار نہ تھے، یا یہاں کے مسلمانوں کو اس کا مکلف نہیں سمجھتے تھے، البتہ مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کی فکر پر ہندوستان میں نصب قضاء اور امارت شرعیہ کی اقامت کے پرزور داعی اور حمایتی تھے، اور اس سلسلہ میں انہوں نے لکھا بھی ہے (ملاحظہ ہو مباحث فقہیہ کا مقالہ ''اسلامی زندگی اور نظام شرعی کا قیام'' صفحہ:۲۸۲) قاضی صاحب کی سوچ اور فکر کا پس منظر کیا ہے؟ جب اس سوال کا جواب تلاش کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی فکری روایت کا محرک دینی تعلیم کے بعد مولانا سجاد صاحب کی تحریروں سے استفادہ اور افکار سے خوشہ چینی رہی۔ مولانا سجاد صاحبؒ اپنے زمانے کے کم گو کم سخن خاموش طبع تعمیری اور اقدامی سوچ کے حامل عالم تھے۔ اپنے فکر و خیال کے لحاظ سے وہ ایک عبقری شخص تھے، اور عملیت کے لحاظ سے اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، انہوں نے تعمیری جدوجہد کے ذریعہ پورے بہار میں امارت شرعیہ کا نظام قائم کیا۔ اور لوگوں کو اس سے جوڑا بھی۔ یہ امتیاز ہندوستان کے اور کسی عالم کو حاصل نہ ہو سکا، بہار اور اڑیسہ میں امارت شرعیہ کی خدمات اور کارناموں کی اپنی ایک تابناک تاریخ ہے۔ مولانا سجاد صاحب کے افکار و خیالات پر بہت زیادہ کام نہیں ہو سکا، بلکہ اس کی ابتدا بھی نہیں ہوئی، قاضی صاحب نے اس کی بسم اللہ کی تھی اور ابھی تک ان کے چند ہی تبرکات شائع کر سکے تھے کہ شدید علالت اور دوسری اہم ذمہ داریوں کے باعث یہ سلسلہ رک گیا۔

فکری اٹھان کا دوسرا عنصر مولانا منت اللہ رحمانی کی شخصیت، صحبت اور تربیت ہے، جنہوں نے قاضی صاحب کو آگے بڑھایا ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کیا، منت اللہ رحمانی صاحب خود وسیع النظر، وسیع المشرب، کشادہ ذہن اور جوہر شناس بزرگ تھے، ان کی اقدامی صلاحیتوں، موقف پر ثابت قدمی اور

سیاسی بصیرت کا ایک زمانہ قائل تھا۔ ان دو عناصر کے ساتھ قاضی صاحب نے مطالعہ کا شوق و ذوق بھی پایا تھا، ان کے وسیع مطالعہ، نئے علوم وفنون کے دراستہ قدیم وجدید فلسفہائے فکر پر نظر نے ان کی فکری تشکیل اور فکری ارتقا میں مدد دی انہیں نئے زمانہ نئے حالات اور عصر حاضر کے مطالبات اور پیچیدگیوں کی تفہیم میں مدد دی۔ اور اس طرح وہ وہ کام کر سکے جو ان کے لیے مقدر تھا۔

قاضی صاحب کے خصائص وامتیازات میں سب سے بڑی خصوصیت ان کا تفقہ ہے، فقہ فی الدین ایک بڑی نعمت ہے، حدیث میں اسے من اراد اللہ خیرا یفقہ فی الدین (جسے خیر دینا ہوتا ہے اسے اللہ دین کی سمجھ دیتا ہے) سے تعبیر کیا گیا ہے، تفقہ کے لیے حالات زمانہ سے باخبری، رفتار عصر پر نظر، گرد وپیش اور ماحول کے مشکلات ومسائل سے واقفیت ضروری ہے، جو نیا فکر و فلسفہ سرگرم عمل ہے جو نئی ایجادات وتحقیقات ہو رہی ہیں ان کا جاننا لازمی ہے، ہمارے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ تفقہ کے لیے قرآن وحدیث، اصول اور قواعد شرعیہ کے ساتھ ہی زمانہ کے عرف و عادات اور افکار ونظریات وغیرہ کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جو ان سے ناواقف ہو وہ تفقہ کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کو وہ یوں تعبیر کرتے ہیں: من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل، کہ جو اپنے زمانے سے آگاہ نہیں وہ قضا وافتاء کا کام نہیں کر سکتا، قاضی صاحب کے بعض فقہی مقالات کا ایک مجموعہ چھپ گیا ہے، بیشتر مقالات ابھی بکھرے اور منتشر ہیں، اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف نئے مسائل وافکار پر ان کی گہری نظر تھی، اور اس سلسلہ میں ان کا علم سطحی اور جزوی نہ تھا، یوتھینیز یا یادماغی موت و حیات، انشورنس، ضبط تولید، وقف اور اس کے متعلقات، مالیاتی ادارے، بینک ڈپازٹ، سرکاری سودی قرضے وغیرہ پر ان کے خیالات خود بولتے ہیں کہ لکھنے والے نے ان مسائل کا سرسری مطالعہ نہیں گہرا ادراک وشعور حاصل کیا ہے۔

ان کی ایک مختصر سی تحریر ''ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی زندگی اور اسلامی فقہ'' سے بحث کرتی ہے، وہ مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے، اور حالات کے گہرے ادراک وشعور پر مبنی ہے، ان کا مشاہدہ ہے کہ سیاست کا معاشرہ اور معاش دونوں سے گہرا تعلق ہے، آج کی حکومتیں ذاتی معاملات اور سماجی رویہ میں دخیل ہیں، اس طرح مسلمان جہاں اور جس ملک میں رہ رہا ہے، اور جس نظام کے تحت بھی زندگی گزار رہا ہے، وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا (ملاحظہ ہو ۲۷ جدید فقہی مباحث)

مسلمانوں کے موجودہ نظام تعلیم سے متعلق ان کا تاثر یہ ہے کہ:

''مدارس دینیہ کے نصاب اور نظام، تعلیمی میدان میں یکسانیت اور وحدت فکر وعمل پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے، جدید دانش گاہیں کچھ کلرک، بابو اور افسر تو پیدا کرسکیں لیکن وہ اسلام کی روشنی اور عہد حاضر کے علوم کو جمع کرکے فکری قیادت فراہم نہیں کرسکیں، بدقسمتی سے دین ودنیا کی تفریق جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے ہمارے سماج میں اس طرح گھر کرگئی ہے، کہ ہمارا نظام تعلیم دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، اور مغل اقتدار کے زوال کے بعد جو دوئی (ثنویت) پیدا ہوئی ہے وہ آج تک قائم ہے۔ ابھی بھی ہمارے مدرسوں میں قدیم صالح اور جدید نافع کے امتزاج سے عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ جدید کاری کا عمل ممکن نہیں ہوسکا (ایضا ۲۷۹)

عقل ونقل کے استعمال کے حدود اور جدید وقدیم میں فرق وامتیاز کے بارے میں بھی ان کی رائے بالکل واضح ہے

''بدلتے سماجی منظرنامے اور وحی الٰہی کی روشنی میں عقل سے روشنی حاصل کرنا، عقل وسمجھ کے ساتھ اقدامات کرنا، نئی شکلوں اور جہتوں پر غور کرنا، ترقی کے امکانات ومواقع کا جائزہ لینا، وقتی اور اساسی مصالح میں فرق کرنا عقل سلیم کا تقاضہ ہے، مگر جب عقل کی جدت اور جودت کو زنگ لگ جائے اور وحی الٰہی کو نظر انداز کرکے نقل پرستی میں غلو ہو تو پھر بدلتے حالات میں سماجی ارتقاء اور اصلاح کا عمل رک جاتا ہے۔ اقبال کی رائے میں اسلام کا ظہور اصلا استقرائی عقل کا ظہور ہے، مگر عقل ہی سب کچھ نہیں'' (ایضا صفحہ ۲۸۰)

آج ہندوستان میں بعض اسلام پسند اور مخلص مگر زمینی حقائق سے دور نوجوان احیاء خلافت کے معصوم نعرے لگادیتے ہیں، مگر کیا یہاں کا مسلم سماج اس طرح کی پوزیشن میں ہے؟ قاضی صاحب کا تبصرہ ہے:

''واقعہ یہ ہے کہ مسلم معاشرہ انصاف اور عدل اجتماعی کے تقاضوں سے بڑی حد تک خالی ہے، کمزوروں، محتاجوں، یتیموں، بیواؤں اور بیماروں کی جیسی چاہیے، دست گیری، مظلوموں کی مدد اور بھوکوں اور تعلیم سے ناآشنا انسانوں کی جانب توجہ کا فقدان ہے، سماجی انصاف کا مفہوم دھندلا چکا ہے، سدھار سے انکار اور موجودہ حالت پر اصرار کی روش عام ہے، مسلم سماج کو غلو، تشدد، تحقیر و

تنقیص، غربت واسراف، احساس کمتری، ظلم، استحصال، جہالت، گروہ بندی، اور تعصب نے ہر چہار جانب سے گھیر لیا ہے، گویا وہ تضادات کا مجموعہ ہے (ایضا ۲۸۱)

ہندوستان کے مسلمان ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہیں، لیکن وہ نظریاتی گروہ بھی ہیں اور عالمی امت کا حصہ بھی، اپنی ان دونوں حیثیتوں کو توازن کے ساتھ وہ کیسے ملحوظ رکھیں اس بارے میں قاضی صاحب کہتے ہیں:

''مسلم سماج کی یہی وہ داخلی سطح ہے جس میں ہندوستان کے سیاسی، معاشی، سماجی اور قانونی ڈھانچہ اور تناظر میں غور کرنے اور حقائق کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اور یہی فقہ واقعی ہے، دوسری طرف ہندوستانی مسلم اقلیت کی خارجی سطح پر ایک عظیم عالمی برادری اور وسیع انسانی برادری کا حصہ ہونے کی حیثیت سے بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی، اور مثبت کردار ادا کرنا ہوگا۔'' (ایضا صفحہ ۲۸۲)

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کا جو نقشہ رکھتے ہیں اس کے لئے وہ موجودہ ماحول اور نظام کے دائرہ میں رہتے ہوئے سوچتے ہیں وہ اسے ختم کرنے اور اس کی دوسری عمارت کھڑی کرنے کی بات نہیں سوچتے، وہ اقامت دین اور دعوت دین جیسی اصطلاحوں میں بات نہیں کرتے، نہ ہی مسلمانوں کے لئے اس ملک میں کوئی اقدامی کردار کا تصور رکھتے ہیں، بلکہ اس معاملہ میں ان کی فکر تقریباً روایتی تصور کی عکاس ہے، اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ فرد ہو یا جماعت اس کے انفرادی یا اجتماعی فرائض کا تعین اس کی استطاعت کے مطابق ہوگا، اس لئے قرآن نے ایک اصل محکم اور ٹھوس قانونی اساس دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا یعنی ذمہ داری بقدر استطاعت ہوگی، اسلام کے پورے نظام میں اس اصول کی غیر معمولی اہمیت ہے،، (ایضا ۲۸۳) استطاعت کی ایسی تحدید سے کوئی عذر لنگ تراش کر غلط فائدہ نہ اٹھائے اس لئے وہ مزید اضافہ کرتے ہیں کہ ''جہاں یہ اصل ہے، کہ استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں وہاں یہ اصول بھی ہے کہ ذمہ داریوں کا یہ حصہ آج آپ پورا کرنے کی اہلیت اور استطاعت رکھتے ہیں اس لئے اس سے گریز نہیں کیا جاسکتا کہ کچھ اور کاموں کی انجام دہی کی استطاعت آج آپ کو حاصل نہیں (صفحہ ۲۸۴) یہ ان کے فکر اور اپروچ کا جامع خلاصہ ہے، اس اپروچ میں وہ ایک مصلح نظر آتے ہیں،

انقلابی نہیں، یہ اپروچ فقہ الاقلیات کے تصور کو سامنے رکھ کر اختیار کیا گیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ فقہی و قانونی اعتبار سے اس پر حرف نہیں رکھا جاسکتا۔ قرآن مجید کی نوعیت اصولی احکام وہدایات کی ہے فروع اور جزئیات سے وہ زیادہ تعرض نہیں کرتا، حدیث میں بھی زندگی کے بہتیرے ابواب سے متعلق تفصیلی احکام ملتے ہیں تو مگر پھر بھی تشریعی احادیث کی نوعیت زیادہ تر اصولی ہی ہے فروع و جزئیات سے متعلق بہت سے احکام ایسے بھی ہیں جو عہد نبوی کے ذہنی و معاشرتی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس طرح کے احکام میں عہد بعہد تبدیلیوں کے ساتھ تغیر ہونا لازمی ہے۔ پھر قرآن وحدیث دونوں یہ دعوی کہیں نہیں کرتے کہ وہ قیامت تک پیش آنے والے ہر واقعہ، ہر جزئیہ اور ہر حالت سے متعلق تفصیلی احکام کو محیط ہیں، یقیناً ان میں ایسے دائمی اور غیر مبدل اصول ضرور ملتے ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانہ کے مسائل کو حل کیا جائے، اسی کوشش کو اجتہاد کہا جاتا ہے، یہ اجتہاد ہمیشہ ہوتا رہا، حالات کے لحاظ سے اس کی نوعیت میں تبدیلی ہوتی رہی، زوال کے ادوار میں مطلق اجتہاد کم ہوا، حتی کہ بالکل ہی ختم ہوگیا اور عام طور پر عملاً اس کا باب بالکل بند سمجھ لیا گیا، اجتہاد فی المذہب ہوا، اور موجودہ دور میں بھی تقریباً اسی نوعیت کا اجتہاد ہو رہا ہے ماضی میں ایک تو مسائل و مشکلات اتنے پیچیدہ نہ تھے، دوسرے تغیرات بھی معمولی اور جزوی نوعیت کے ہوتے تھے، اور پھر یہ ہمارے نظام تعلیم میں دینی و دنیوی کی وہ تفریق نہ تھی جو آج نظر آتی ہے، اس لئے علماء وفقہاء کو پیش آمدہ مشکلات کو سمجھنے اور ان کا حل نکالنے میں زیادہ مشکل پیش نہ آتی تھی۔ آج مشکلات و مسائل سخت پیچیدہ اور نوع بنوع کے ہیں اور جزوی کی بجائے اصولی سوالات پیدا ہو رہے ہیں، اور دینی و دنیوی علم کی تقسیم کے باعث علماء بڑی حد تک جدید علوم وفنون اور افکار و نظریات سے ناآشنا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ بڑی حد تک قرآن وسنت اور علوم اسلامیہ سے ناواقف ہے۔

اس مشکل اور پیچیدہ صورت حال کا حل قاضی کی حقیقت شناس نگاہ نے یہ نکالا کہ اجتہاد انفرادی کے بجائے اجتماعی ہو، علماء وفقہاء مسائل پر غور وفکر کریں، ان کا گہرا مطالعہ کریں، پھر بحث و مذاکرہ کے ذریعہ اجتماعی طور پر اس کا حل نکالیں، دوسرے یہ کہ جدید علوم وفنون اور نت نئی اختراعات کے نتیجہ میں جو نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ان کے سلسلہ میں ان علوم کے ماہرین سے مدد لی جائے، وہ بحث و مذاکرہ کی محفلوں میں شریک ہوں، عرض مسئلہ اور اس کی تفہیم کریں، اور اس عرض

مسئلہ کے بعد علماء اس پر غور وفکر کریں، واقعہ یہ ہے کہ موجودہ حقیقی صورت حال کو سامنے رکھ کر اس سے بہتر، متوازن اور عملی (Practicl) طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا، فقہی سیمیناروں میں اس طریقہ سے مسلسل فائدہ اٹھایا گیا، اور اس کی افادیت کھل کر سامنے آئی، تاہم ہمارے ہاں معصوم آئیڈیل ازم اور قنوطیت کے شکار بعض حضرات کے نزدیک یہ طریقہ غلط اور قابل اعتراض ہے۔

اختلاف رائے ہمیشہ برا نہیں ہوتا، تاہم اس کے ساتھ رواداری، تسامح، تحمل اور تنقید کا کھلے دل سے استقبال اور آزادانہ اظہار رائے کی فضا نہ ہو تو یہی اختلاف مخالفت میں بدل جاتا ہے، اسلام کی روشن فکری اور تحقیقی تاریخ میں مثبت اختلاف رائے کی فضا پائی جاتی تھی، اسے علماء کے مابین ایک متوارث چیز سمجھا جاتا تھا، اس کے آداب وحدود مقرر تھے، جن کا احترام کیا جاتا تھا، اس سلسلہ میں فقہاء کا ایک زریں اصول تھا، جس سے بڑھ کر تسامح اور عملیت کی اور کوئی مثال نہیں ہوسکتی، وہ یہ تھا کہ **مذهبنا صواب يحتمل الخطأ، ومذهب غيرنا خطأ يحتمل الصواب** (ہمارا مذہب درست ہے جس میں غلطی کا امکان ہے، اور دوسروں کا مسلک غلط ہے مگر اس میں صحت کا احتمال ہے) آج کے مسلم معاشرہ کا ماضی کی ان شاندار روایات اور تاریخ سے موازنہ کیا جائے، تو صورت حال نہایت ابتر نظر آتی ہے، آج ہم اختلاف کے تمام حدود سے تجاوز کر گئے ہیں، اور ہماری تصویر بالکل وہی ہے جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے، **كل حزب بما لديهم فرحون** ہر گروہ اپنی چیز پر نازاں ہے (مومنون: ۵۳) چھوٹے چھوٹے مسائل میں لوگ صف آرا ہیں۔ ایسے فقہی مسائل جن میں صرف افضل وغیر افضل، راجح و مرجوح کی بنیاد پر اختلاف پایا جاتا ہے، لوگ دست وگریباں ہیں۔ ایسے تمام مختلف فیہ مسائل میں قاضی صاحب کے یہاں توسع پایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے معاصرین میں ایسے فقہاء وعلماء بھی (جن میں بعض ان کے اساتذہ تھے) جو فقہی جزئیات (فقہ حنفی کے) کے استحضار و تبحر میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، لیکن اہم بات اور قاضی صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی کے ساتھ ہی وہ مذاہب ثلاثہ نیز فقہ اہل حدیث کا مطالعہ بھی رکھتے تھے، اور سبھی سے (تحفظ کے ساتھ) استفادہ کرتے، سبھی کے ساتھ یکساں احترام کا ثبوت دیتے، قاضی صاحب کے یہاں یہ وسعت اور گنجائش ملتی ہے کہ احتیاط کے ساتھ بقدر ضرورت ایک فقہ کے لوگ دوسری فقہ سے استفادہ کر سکتے ہیں، اس کے مطابق فتوی دیا جا سکتا ہے، جبکہ برصغیر کے

اکثر حنفی علماء وفقہاء کے یہاں یہ وسعت اور تحمل عنقا ہے۔

لیکن قاضی صاحب وحدت ملی کو زیادہ اہمیت دیتے، اور اختلافی مسائل کو انگیز کر کے اہل حدیث یا کسی اور مکتب فکر کی تفسیق وتضلیل کے سخت خلاف تھے، راقم کے ساتھ ایک گفتگو میں انہوں نے کہا تھا، ''اگر یہ توسع ہم اپنے سماج میں پیدا کریں کہ رفع یدین کرنے والا نہ کرنے والے کو باطل پر شمار نہ کرے، اور ترک کرنے والا رفع کرنے والے کو برسر باطل نہ سمجھے تو اس سے سماج میں وسعت نظری اور رواداری پیدا ہوگی اور لوگ اختلافی مسائل کی وجہ سے ایک دوسرے کو الگ الگ نہ سمجھیں گے یہ چیز پیدا کرنے کی زیادہ بڑی ذمہ داری خود علماء پر آتی ہے (افکار ملی جون ۲۰۰۱ء)

بایں ہمہ چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے، اس لیے عملیت کا تقاضہ یہی تھا کہ مسلمانوں کے مابین مختلف فیہ مسائل میں اصولی طور پر فقہ حنفی کو ہی مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے پیش کیا جائے، چنانچہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت شائع کردہ ''مجموعہ قوانین اسلامی'' میں فقہ حنفی کو بنیاد بنایا گیا ہے اہل حدیث حلقہ کی جانب سے اس مجموعہ کی اشاعت پر اس لیے ناگواری کا اظہار کیا گیا کہ ان کے نقطۂ نظر کی کوئی ترجمانی اس میں نہیں ہے، انہوں نے اسے حنفیت کو تھوپنے کا ایک ذریعہ بتایا، ان کی یہ تنقید اور الزام تو درست نہیں، لیکن راقم کے خیال میں ''مجموعہ قوانین اسلامی'' میں حواشی اور نوٹس کی شکل میں دوسرے مکاتب فکر کی آراء کی جانب بھی مختصر اشارے کئے جانے چاہیے تھے۔ اس ضمن میں مجموعہ قوانین اسلامی جسٹس تنزیل الرحمٰن، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ عبدالرحمٰن الجزری اور موسوعۃ الفقہ الاسلامی کے نہج سے استفادہ کیا جانا چاہیے تھا۔

قاضی صاحب کے فکر وخیال اور عملی کاموں پر مختلف قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں، معترضین حضرات میں بھانت بھانت کے لوگ ہیں، کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی تنقیدیں سب وشتم سے زیادہ نہیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو بے دلیل قاضی صاحب اور ان کے علاوہ دوسرے بہتیرے افراد اور جماعتوں وتنظیموں کو دشمنوں کا ایجنٹ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے تجدید فقہ کے نام پر حرام کو حلال کر دیا وغیرہ، چونکہ اس قسم کی تنقید صرف ذاتی رنجش اور پرخاش کے باعث ہوتی ہے اس کے پیچھے نہ کوئی دلیل ہے نہ معقولیت اس لیے ایسی تنقید کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

ایک تنقید بعض بڑے علماء کی جانب سے بھی ہوئی جس کا لب لباب یہ ہے کہ انہوں نے

اسلاف کا راستہ چھوڑ دیا اکابر دیوبند کے طریقے سے انحراف کیا اور غور وفکر کا جو نہج اپنایا ہے اس کے ڈانڈے دوسری جماعت سے جا ملتے ہیں یہ اعتراض مولانا عاشق الٰہی مرحوم کی جانب سے کافی شد ومد کے ساتھ اٹھایا گیا تھا، دہلی کے ایک بزرگ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے بھی قاضی صاحب کی وفات کے بعد ایک مضمون لکھا تھا، جس میں ذم وتحقیر بشکل تعریف وتوصیف کا پہلو ابھرا ہوا تھا، ان کا خیال ہے کہ قاضی صاحب نے آسانیاں تلاش کرنے کی کوشش کی، رخصتیں ڈھونڈیں اور ان کی اس رخصتی فقہ کو قبول عام حاصل نہیں ہوا، عام علماء اور اہل مدارس نے اسے چنداں اہمیت نہیں دی وغیرہ۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب کے مراسلات کے جواب میں خود قاضی صاحب نے ایک مسکت جواب تحریر کردیا تھا جو بحث ونظر میں چھپا بھی۔ اخلاق حسین قاسمی صاحب کے اعتراضات بھی بے حد کمزور اور بے دلیل ہیں۔ حقیقت واقعہ ان کا ساتھ نہیں دیتی، نہ تو قاضی صاحب نے رخصتوں اور حیلوں کی کوئی فقہ ایجاد کی، اور نہ علماء نے ان کی سوچ اور کام کو مسترد کیا۔

قاضی صاحب کے چھوڑے ہوئے کاموں میں راقم کے نزدیک فقہ وفتوی کے سلسلہ میں قرآن وسنت سے براہ راست استفادہ واستنباط، موجودہ حالات ومشکلات کے لحاظ سے ان سے مناہج استنباط کا اخذ اور اجتماعی اجتہاد کی جو طرح انہوں نے ڈالی ہے اس کو آگے بڑھانا سب سے اہم ہے۔

- قاضی صاحب کے ماقبی فقہی کاموں کی تکمیل کی جائے۔
- نئے مسائل پر غور وفکر کو اسی انداز میں آگے بڑھایا جائے، جس کی ابتداء قاضی صاحب نے کی۔
- حقوق انسانی اور حقوق نسواں کے سلسلہ میں اسلام کے صحیح اور اصولی موقف کی تفہیم کیلئے وہ علمی کام کئے جائیں جو قاضی صاحب کے زیر تجویز تھے اور جنہیں شدید علالت اور مصروفیات کے باعث وہ نہیں کرسکے۔

بدرالحسن القاسمی ☆

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی زندگی پر ایک نظر

ہمارے مضمون کے مصداق حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کے چہرے پر خلقی طور پر ڈاڑھی کے بال نکلے ہی نہیں تھے، اخیر میں چند بال برائے نام نظر آنے لگے تھے۔

اس معاملہ میں وہ اپنے پیشتر و مشہور تابعی فقیہ قاضی شریحؒ کے مشابہ تھے جن کے بارے میں تاریخ وتراجم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ اس پایہ کے فقیہ تھے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ تک ان کی فقہی بصیرت اور قضا میں مہارت کا لوہا مانتے تھے لیکن خلقی طور پر وہ ''اطلس'' تھے اور ان کے چہرے پر بھی حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ہی کی طرح ڈاڑھی کے بال اُگے ہی نہیں تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے انہیں کوفہ کا قاضی بنایا تھا۔ وہ ساٹھ سال تک اپنے منصب پر فائز رہے۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ اکثر وبیشتر میر مجلس ہوا کرتے تھے اور ان کے اردگرد بعض دفعہ بڑی بڑی ڈاڑھیوں والے علمائے کرام کو دیکھنے اور پھر ان کی باتیں سننے کے بعد اکثر وبیشتر خیال ہوتا تھا کہ ڈاڑھی یقیناً ایک عالم کے لئے زینت ہے لیکن محض کسی کے باریش اور معتبر شکل وصورت والے انسان ہونے سے علم وفضل میں امتیاز ثابت نہیں ہوتا اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ:

اگرچہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں ''مولوی مدن'' کی سی

قاضی صاحب مرحوم میں وہی ''مولوی مدن'' والی جو خاص شان تھی اس کی وجہ سے وہ ہر مجلس میں ممتاز اور علماء کے طبقے کے سرخیل سمجھے جاتے تھے۔ ''مولوی مدن'' کی داستان پڑھنی ہو تو مولانا گیلانی کی سوانح قاسمی پڑھیے۔ کسی انسان کی غیر معمولی خوش بختی اور سعادت کی علامت نبی

☆ وزارۃ الاوقاف (کویت)

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بتلائی گئی ہے کہ اسے دینی احکام کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی خصوصی لیاقت اور فہم وبصیرت اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کی جائے۔ صحیح بخاری شریف کی روایت کے الفاظ ہیں: من یرد اللہ به خیر ا یفقهه فی الدین.

اسکی دوسری روایت میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ الفاظ یہ ہیں: اذا أراد اللہ بعبد خیرا فقهه فی الدین. چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی: اللهم فقهه فی الدین وعلمه التأویل

پچھلے چند دنوں سے پورے ہندوستان اور بعض عرب اور غیر عرب ملکوں میں بھی جس شخصیت کے اٹھ جانے کا غم منایا جارہا ہے اور جسے ملت اسلامیہ کے لئے زبردست خسارہ قرار دیا جارہا ہے۔ وہ ایک بوریا نشین مولوی، ایک بے لوث خادم دین، ایک مخلص رہنما، ایک نامور خطیب اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم اور بے مثال ''فقیہ'' مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی ذات ہے۔ جنہیں اللہ نے دین میں تفقہ اور شرعی احکام میں غیر معمولی بصیرت عطا فرمائی تھی، اور وہ صحیح معنوں میں ان سعادتمند لوگوں میں تھے جنہیں اللہ نے اس ''خیر'' سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔

مولانا مجاہدالاسلام صاحبؒ کو قدرت نے ''فقہ'' پر بے پناہ دسترس اور قضاء وافتا کی گتھیوں کو سلجھانے کی زبردست مہارت عطا کی تھی وہ برسہا برس تک ''امارت شرعیہ'' سے وابستہ ہو کر ملّی وسماجی کاموں میں الجھے رہے اور درس وتدریس کا مشغلہ ان کا باقی نہ رہا اس کے باوجود درسی کتابوں کو انہوں نے جس شان سے پڑھا اور پڑھایا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ بظاہر ایک طویل عرصہ تک علمی مشغلہ سے دور رہ کر بھی ان کے علمی کمال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ''قضا وافتاء'' تو ان کی مہارت کا خاص میدان تھا اور فقہ وفتوے کے بنیادی مراجع ہی نہیں قضا سے متعلق متقدمین ومتاخرین کی تمام ہی کتابیں ہمیشہ ان کی نظر میں رہیں۔

دیوبند کے ایک سفر میں میرے فتوی کے استاذ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے انہیں خاص طور پر علامہ القرافی مالکی کی اہم ترین کتاب ''الأحکام فی تمییز الفتاوی عن الأحکام'' بطور ہدیہ عنایت فرمائی، اور اس پر اپنے ہاتھ سے نوٹ بھی تحریر فرمایا۔ کتاب مشہور محدّث فقیہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ مرحوم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بڑے آب وتاب کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔

امارت شرعیہ کے قاضی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے جو اہم فیصلے کئے ہیں وہ اپنی ترتیب، دلائل کے وزن اور فنی مہارت میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ مولانا مجاہد الاسلام صاحبؒ کوئی پیشہ وریا ماہر مصنف نہیں تھے لیکن یہ بات ان کی زندہ کرامتوں میں سے ہے کہ مرنے سے پہلے ہزاروں صفحات تالیف، ترتیب، تحقیق وایڈٹ یا مطبوعہ خطبات ومقالات کی شکل میں اپنے نام کی نسبت سے چھوڑ کر گئے ہیں اور جوان کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت کسی نہ کسی اعتبار سے ضرور رکھتے ہیں۔

مولانا کی تصنیف وتالیف سے اشتغال کی داستان بھی عجیب وغریب ہے۔ ان کی واحد با قاعدہ لکھی ہوئی کتاب ''اسلامی عدالت'' نہ جانے کتنے سالوں تک نامکمل شکل میں ان کے اٹیچی کی زینت بنی رہی۔ بلکہ اس کا مسودہ بھی ٹرین کے ایک سفر میں کھو گیا تھا، اور اب بھی کتاب کا صرف ایک ہی حصہ سامنے آسکا ہے دوسرا حصہ لکھنے کا ارادہ ہی رہا جو میرے علم کی حد تک غالباً پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

درحقیقت غیر معمولی ذہین وذکی اور عبقری لوگوں میں عام طور پر صبر وتحمل کے ساتھ اور جم کر کام کرنے کا مزاج نہیں ہوا کرتا۔ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول نے اس کی توجیہ مشہور یونانی فلاسفر افلاطون کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ غیر معمولی ذہانت مزاج میں حرارت کا تقاضا کرتی ہے اور صبر وتحمل کے لئے مزاج میں برودت درکار ہے اور ایسا کم ہی اتفاق ہوتا ہے کہ حرارت و برودت دونوں متوازن طور پر کسی شخص میں جمع ہو جائیں اور وہ غیر معمولی ذکی وذہین ہونے کے ساتھ اسی طرح محنت ویکسوئی کے ساتھ کام کا خوگر بھی ہو۔

حضرت قاضی صاحب مرحوم کے مزاج سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی زندگی میں ان کا حال یہ تھا کہ کبھی کسی بات یا کام کا دھن سوار ہوتا تو خوب دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اسے انجام دیتے پھر طبیعت اچاٹ ہوتی تو مہینوں اس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے۔ لیکن مولانا رحمانی کے انتقال کے بعد انہوں نے ملت کے بڑے بڑے مسائل کا بوجھ اٹھایا اور پھر پوری بے جگری سے اپنی صحت و عافیت کا خیال کئے بغیر ان کو حل کرنے میں لگے رہے۔ اور انتہائی غیر مرتب زندگی گزارنے اور ہمہ وقت سیاسی واجتماعی لیڈروں، بھانت بھانت کا مزاج رکھنے والے افراد میں گھرے رہنے کے باوجود علمی کام بھی مسلسل کرتے رہے اور ان کی بیشتر تحریریں اور مرتب شدہ تقریریں بھی عمر کے

انہیں چند آخر کے سالوں کی دین ہیں۔

مولانا سجاد صاحب اور امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی مجلسوں کا خاص امتیاز دینی وعلمی اور ملی وسیاسی سبھی مسائل پر اجتماعی غور وخوض رہا ہے۔ یہ ایسی بزم ہوا کرتی تھی جس کی مثال شاید امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اپنے مایۂ ناز چالیس سے زائد شاگردوں کے ساتھ فقہی مسائل پر بحث وگفتگو کی مجلس کے علاوہ کہیں اور مشکل ہی سے مل سکے گی۔ اس بزم کا خاص امتیاز یہ تھا کہ اس میں سوائے علمی کمال اور فنی بصیرت ومہارت میں فرق وامتیاز کے نہ کوئی چھوٹا ہوتا تھا اور نہ بڑا۔ دلائل سے جو رخ قابل ترجیح ہو وہی میر مجلس کی رائے ہوا کرتی تھی۔ مونگیر میں اساتذہ کی مجلس ہو یا پٹنہ میں قاضیوں اور منتظمین کی مجلس ہو یا دیوبند اور دہلی میں پرسنل لا اور دیگر ملی مسائل کی مجلسیں ہوں، ہر جگہ یہ خصوصیت غالب رہا کرتی تھی۔

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی فطری قائدانہ اور فقیہانہ صلاحیتیں انہیں مجلسوں میں پروان چڑھی تھیں اس لئے ان کے مزاج میں بھی یہ بات پورے طور پر رچ بس گئی تھی اور فقہی سیمناروں میں اس کے جلوے تو ساری دنیا نے دیکھے ہیں۔ مولانا مجاہدالاسلام صاحبؒ کا ایک امتیاز مخالف دلائل کو سننا اور کسی پہلو کے بارے میں دلائل فراہم ہو جانے پر بلا تردد حق کا اعتراف کر لینا بھی تھا۔ یہ بات سیکڑوں موضوعات پر ان سے بات چیت کرنے اور دسیوں نشست میں بحث ومباحثہ میں حصہ لینے کے بعد بطور شہادت کہی جارہی ہے کہ قاضی صاحب مرحوم علمی مسائل میں انتہائی عالی دماغ، بے حد کشادہ قلب اور اعتراف حق کے حد درجہ خوگر تھے۔ اگر اپنی بات کو ترک کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی شرط تھی تو یہ کہ دلائل سے ان کو قائل کر لیا جائے۔

اس کی تازہ ترین مثال موسوعہ فقہیہ کے ترجمہ کی ہے جس کا سودا ان کے ذہن پر سوار ہوا تو اسے بڑی عزیمت کے ساتھ پورا کرانے کی ذمہ داری انہوں نے لی۔ اور تقریبا چالیس سے زائد نوجوان اور باہمت وباصلاحیت علما کی ٹیم کو خود اپنی نگرانی میں اس کام کے لئے انہوں نے مامور کیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اتنے بڑے علمی کام کی انجام دہی میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور ترجمہ کی نظر ثانی کے بعد نظر نہائی کا کام انہوں نے خود اپنے ذمہ رکھا تھا۔ چنانچہ اس کی جلدیں مکمل کر کے انہوں نے طباعت کے لئے بھیجنی شروع کیں۔

یہاں کویت میں اس اہم اور علمی کارنامہ کے ترجمہ کے بارے میں افتا اور بحوث شرعیہ کے ذمہ

دار اعلی شیخ مشعل مبارک الصباح نے میری سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل دیدی، تاکہ وہ اصل اور ترجمہ کا موازنہ کرکے اپنے ''ملاحظات'' لکھے۔ اندازہ یہ تھا کہ شاید نظر ثانی اور نظر نہائی کے بعد فروگذاشتیں نہیں ہونگی، لیکن جب اصل اور ترجمہ کا موازنہ کرکے ہم نے ایک ایک سطر پڑھنے کا سلسلہ شروع کیا تو ترجمہ کے عمومی طور پر اچھے اور معیاری ہونے کے باوجود ہر انسانی کام کی طرح اس میں بھی کچھ فروگذاشتیں نظر آئیں چنانچہ ایک فارم بنا کر موجودہ ترجمہ، اصل عربی عبارت، اور اس کا ہماری نظر میں جو صحیح ترجمہ ہونا چاہئے وہ لکھ کر پہلی جلد پر اپنے ملاحظات کا پلندہ ہم نے رسمی طور پر مولانا کی خدمت میں بھجوایا اور اسی عرصہ میں خود مولانا کویت کے دورہ پر تشریف لے آئے تو کہنے لگے آپ اپنے ملاحظات کی کاپی اور کتاب لے آئیے۔ چنانچہ میریڈین ہوٹل میں جو ٹائم ملتا مولانا کی موجودگی میں ہم اپنے ملاحظات پڑھتے، چند ایک سرسری ملاحظات کو چھوڑ کر بیشتر تبدیلیاں مولانا نے بغیر کسی تامل کے قبول کیں اور فرمایا تم لوگوں نے واقعی کتاب بڑی محنت سے پڑھی ہے نہ معلوم اس طرح کی غلطیاں کیسے رہ گئیں؟

انہوں نے کہیں بھی اپنی بات کی پچ رکھنے یا غلط ترجمہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ ان کی بڑائی کی بات تھی اور یہی ان کا علمی مزاج بھی تھا۔ ان کے کسی بھی مضمون، کتابچہ یا کتاب پر کبھی بھی میں نے کوئی اعتراض کیا تو انہوں نے پوری سنجیدگی سے ہمیشہ اعتراض کو سنا اور ہر معقول بات یا ضروری تبدیلی کو بغیر کسی چوں وچرا کے قبول کیا۔

بعض دفعہ ان کے علم میں لائے بغیر کوئی اخباری بیان میں نے ترتیب دیدیا تو حیرت کرتے کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں یہ کہوں گا؟ بعض کانفرنسوں میں شرکت سے پہلے مقالہ کے موضوع کو اختیار کرنے یا اس کے ضروری مصادر ومراجع کی نشاندہی کے لئے بھی اکثر ٹیلیفون کرتے اور اگر میں ان کے کسی مضمون کی تعریف کرتا تو فرماتے: ''غنیمت ہے آپ کو میری کوئی بات پسند تو آئی''، جس سے محبت اور عتاب کے دونوں ہی پہلو عیاں ہوتے۔

آخر کے چند سالوں میں عرب دنیا سے مولانا کا تعلق خاصا بڑھ گیا تھا اور خاص طور پر کویت سے ان کو اور کویت کے بعض ذمہ داروں کو ان سے ایک طرح کا تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ کویت آنے کے لئے وہ سخت بیماری میں بھی آمادہ رہتے تھے، افسوس ہے کہ جدہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی کا آخری اجلاس جو گزشتہ مارچ میں کویت میں منعقد ہوا اس میں شرکت کے لئے وہ بالکل پابہ رکاب

تھے لیکن عین ایرپورٹ کے لئے روانگی سے پہلے ان کی طبیعت اس قدر ناساز ہوگئی کہ وہ شرکت سے معذور ہوگئے جبکہ یہاں کے بھی منتظمین اور شرکائے کانفرنس ان کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔

کویت کی اہم دینی شخصیتیں اور خاص طور پر وزارت اوقاف کے انڈر سکریٹری اور معاون انڈر سکریٹری وغیرہ تو انہیں دل سے چاہتے تھے۔ فقہ اکیڈمی کا بمبئی میں اجلاس ہوا تو ڈاکٹر خالد مذکور کی قیادت میں آٹھ افراد پر مشتمل کویت کا نہایت ہی موقر وفد ہمارے ساتھ تھا۔ پٹنہ میں امارت شرعیہ کی مجلس ارباب حل وعقد کا اجلاس تھا تو چار چار وکلائے وزارت وہاں ہمارے ساتھ موجود تھے اور دہلی میں آبجیکٹیو اسٹڈیز کے سیمینار کے بعد پٹنہ میں امارت کے کام اور مولانا کی شخصیت سے گہرا تاثر لیکر لوٹے اور پھر ہمیشہ مولانا کی سادہ وپُر کار شخصیت کا گن گاتے رہے۔

کویت کی ان سربرآوردہ شخصیتوں کو مولانا سے اس درجہ گرویدگی ہوگئی تھی کہ ہر صبح وشام ان کی خیریت معلوم کرتے تھے اور ان کے پیش کردہ ہر علمی وغیر علمی منصوبہ کو کافی اہمیت دیتے تھے بلکہ وکلائے وزارت میں سے ڈاکٹر عادل الفلاح نے تو مجھ سے باصرار مولانا کو یہ خط لکھوایا کہ:

> ''آپ کی شخصیت پوری ملت کا گرانقدر سرمایہ ہے اور آپ کی حیثیت ایک ''وقف'' کی ہے اور میں اس کا ناظر یا ٹرسٹی ہوں اسلئے اپنی صحت کا خیال رکھے بغیر آپ کہیں کا سفر میری اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے''۔

اس جملہ میں جو محبت اور لگاؤ ہے اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے مولانا کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی کی ایک وجہ ان کی یہ ادا بھی تھی کہ انہوں نے سوائے کتابوں کے ''اپنی'' کوئی ضرورت اصرار کے باوجود کسی کے سامنے نہیں رکھی، جو بلاشبہ اس زمانہ میں ایک نایاب بات ہے۔ مولانا کی طرف سے اسلامی فقہ اکیڈمی کے سالانہ اجلاس میں جہاں ایک طرف ہندوستان کے نامور علما مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ نے شرکت کی ہے وہیں عرب ملکوں سے فقہ وافتا کی دنیا کی مایہ ناز شخصیتیں، شام کے ڈاکٹر وھبہ الزحیلی اور ڈاکٹر محمد رواس قلعجی، کویت کے ڈاکٹر خالد المذکور، عراق کے شیخ محروس المدرس اور ڈاکٹر طہ جابر العلوانی، پاکستان کے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور ان کے نامور برادر خورد اور فقیہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی، تیونس کے شیخ الحبیب بلخوجہ اور مقالہ کی حد تک شرکت میں شیخ محمد مختار السلامی اور دوسرے، قطر کے شیخ عبدالرحمٰن آل محمود اور دیگر ارباب علم ودانش شامل ہیں۔

کویت کا سفر انہوں نے متعدد بار کیا اور اپنی صحت کی انتہائی خرابی اور اضمحلال کے باوجود ہمیشہ اچھے نقوش چھوڑے۔کویت کی وزارت اوقاف کی طرف سے ان کی زندگی کے آخری علمی شاہکار ''صنوان القضا'' کو بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ان کے متعدد علمی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اہل کویت نے خصوصی دلچسپی لی ہے۔سیاسی اور ملی سرگرمیاں آخر کے چند سالوں میں مولانا کی زندگی کا ایک لازمی جز بن گئی تھیں اس لئے علمی کاموں اور تصنیف وتالیف کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ انہیں میسر نہیں تھی ان کی زندگی کا یہ پہلو بہر حال لوگوں کو یادرہے گا کہ:امارت شرعیہ کی سطح پر سجاد ہاسپٹل کی ترقی،''معهد التدريب فی القضاء والافتاء'' کا قیام، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا ایک جال،فتاوی امارت شرعیہ کی ترتیب وطباعت،مولانا سجاد سیمینار کا انعقاد اور مولانا سجاد مرحوم کی یادگار تحریروں کا احیاء۔

پرسنل لابورڈ کی سطح پر آفس کی ترتیب جدید، پرسنل لاء کے مسئلہ کا مؤثر تعارف، مجموعہ قوانین اسلامی کی اردو اور انگلش میں طباعت، ملک کے مختلف علاقوں میں دارالقضا کے قیام میں توسیع ساؤتھ افریقہ کے لئے مسلم پرسنل لا کی ترتیب وتدوین میں حصہ۔

ملی کونسل کی سطح پر ٹاڈا کے قانون کی مؤثر مخالفت، صوبائی الیکشنوں میں مسلمانوں کی بر وقت رہنمائی، ملت کے مسائل کو خوداعتمادی اور حوصلہ کے ساتھ پیش کرنے کا طریقہ۔اسلامی فقہ اکیڈمی کی سطح پر ۱۳/سیمیناروں کا انعقاد، سیکڑوں مسائل پر اجتماعی طور پر غور وخوض اور ان کے بارے میں صحیح قراردادوں کا صدور، تمام فقہی سیمیناروں کی ابحاث اور متعدد موضوعات پر کتابوں کی ترتیب اور نشر واشاعت۔تصنیف وتالیف کے میدان میں اسلامی عدالت اور مباحث فقہیہ کی تالیف، صنوان القضا کی تحقیق، متعدد فقہی رسالوں کی ترتیب اور بحث ونظر جیسے علمی میگزین کی ترتیب وادارت۔

یہ سارے کام ان کی زندگی کے انہیں چند سالوں میں انجام پائے ہیں جب وہ بیمار بھی تھے اور مختلف ومتضاد قسم کی مشغولیات سے زیر بار، اسلئے ان تمام کاموں بلکہ کارناموں کو بلاشبہ ان کی زندہ کرامتوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

اخلاص ہے نقاش خدوخال مشیت
گفتار خرد کشف وکرامات کہے ہے

نسیم اختر شاہ قیصر شاہ☆

اکابر دیو بند کی شخصیت کا پرتو
قاضی مجاھد الاسلام قاسمی

انسانوں کی بھیڑ میں اپنی شناخت بنانا اور پھر اس شناخت کو قائم رکھنا ایک دشوار کام ہے۔ اور یہ کام صرف وہی لوگ انجام دے پاتے ہیں جن کو خداوند قدوس خصوصی مقصد کی تکمیل کے لیے اس دنیا میں بھیجتا ہے۔ اس راہ پر بہت سے لوگ ابتدا ہی میں حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں کچھ قدم چل کر تھک جاتے ہیں اور کچھ آخر دم تک لڑتے اور جد جہد کرتے ہیں جو جدو جہد کرتے اور راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں وہی دراصل کچھ کر پاتے ہیں اور ان کا نام زندہ رہتا ہے۔

حضرت مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ کا شمار بلاشبہ ان ہی افراد میں ہوتا ہے جن کی پوری زندگی سعی ومحنت، جدو جہد اور عزم وارادے کی ایسی داستان ہے جس کے ہر ورق اور ہر صفحہ پر ایک مرد مومن کی زندگی کا عکس جھلکتا اور ایک دردمند انسان کے نقوش ابھرتے ہیں۔ ایک ایسے مرد مومن کی جھلکیاں جو رات کو شب بیدار اور دن میں بیدار مغز رہتا ہے۔ ذاتی زندگی میں ایک نیک خو، خوش خلق اور ملنسار طبیعت کا مالک ہے تو اجتماعی زندگی میں دردمندی، خیر خواہی اور ہمدردی کا نمونہ ہے اس کے اوصاف اور کمالات کا دائرہ اتنا وسیع اور اسکے کاموں وکارناموں کی حدود اتنی کشادہ اور مختلف النوع ہیں کہ ہر سمت میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی زندگی کے مطالعہ کا حاصل یہی سامنے آتا ہے کہ انہوں نے خود کو دین اور ملت کے لیے وقف کر دیا تھا ملت کو جس رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی وہیں وہ آگے بڑھتے نظر آتے ہیں یہ تو نہیں کہتا کہ انہوں نے بہت سوں کو پیچھے چھوڑ دیا لیکن یہ لکھنے میں حقیقت سے قطعی انحراف نہیں ہے کہ انہوں نے بہت سوں کو یہ ضرور بتایا اور سمجھایا کہ کام اس طرح کیے جاتے ہیں اور خداداد صلاحیتوں کا استعمال اس طور پر ہوتا ہے۔

☆ استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

ظاہری طور پر قاضی جیؒ میں کوئی کشش نہیں تھی کسی بھی زاویے سے ان کے رنگ وروپ، خدوخال اور لباس سے دل میں ان کی وجاہت کا کوئی اثر نہیں ابھرتا تھا اگر وہ بھیڑ میں ہوں تو ناواقف کے لیے بحیثیت مجاہد الاسلامؒ ان کی پہچان آسان نہیں تھی مگر جب وہ بولتے، گفتگو کرتے اور علمی، تاریخی مسائل ومباحث پر لب کشائی کرتے تو سننے والے ان کی علمیت اور ہمہ گیری کے دل سے قائل ہوتے اور یہ ماننا پڑتا کہ ایک صاحب علم وفضل انسان ان کے سامنے ہے۔ قاضی جیؒ نے زمانہ طالب علمی سے بڑی محنت کی تھی۔ مطالعہ اور علمی دنیا سے گہری مسلسل وابستگی نے ان کو علمی بلندیوں پر پہونچا دیا تھا ایک نئے ذہن، نئی فکر اور جوان ارادوں کے ساتھ عملی دنیا میں پہونچے اور زندگی کا بیشتر حصہ بغیر پیچھے مڑے بڑی کامیابیوں کے ساتھ گزارا وقت کا کارواں گزرتا گیا اور قاضی جیؒ کی حیثیت اور مقام میں نمایاں اور قابل رشک تبدیلیاں ہوتی چلی گئیں عمر کی ہر منزل ان کے لیے کامرانیوں کا ایک پیغام لے کر آتی یہ مقبولیت ان کی شب وروز محنتوں کا نتیجہ تھی اپنے معاصرین میں وہ اس لیے بلند قامت دکھائی دیتے ہیں کہ جس کام کو بھی انہوں نے چھیڑا پوری استقامت، لگن اور دلجمعی کے ساتھ اس کو انجام دیا وہ کام کرنا بھی جانتے تھے اور کام لینا بھی، خود بھی مستعد تھے اور دوسروں کو بھی مستعد دیکھنے کے عادی تھے، زندگی کے یہ آخری دس سال ان کی علمی مستعدی کی مثال ہیں گو جسمانی طور پر لاغر ہوتے چلے گئے اور امراض کے لگاتار حملوں نے ان کے جسم وجاں کی تمام توانائیاں مضمحل کر دیں مگر ان کی مصروفیات اور مختلف جہات میں ان کی مشغولیات سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ ان کاموں کا محرک وہ شخص ہے جس کی زندگی کی بساط سمٹتی جارہی ہے اور موت نے جسکے دروازے پر دستک دے دی ہے۔

قاضی جیؒ کی زندگی میں اکابر کی زندگی کا خاص اثر اور رنگ دکھائی دیتا ہے خصوصا اکابر دیوبند کے حیات واحوال سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا اور بہت کچھ پایا آپ اگر اکابر دیوبند کی خدمات کا جائزہ لیں تو اس نکتہ پر آپ کو اتفاق کرنا ہوگا کہ سب ہی نے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور سب کی زندگی کا مقصد خدمت دین اور خدمت خلق تھا ہاں سمتیں

الگ تھیں جہتیں جداگانہ تھیں طریقۂ کار مختلف تھا آگے بڑھنے کے طور طریقے الگ تھے مگر سب کی منزل ایک تھی۔ راستوں کے تنوع سے کوئی فرق نہیں پڑا جس نے جو میدان منتخب کیا اس میدان میں ممتاز بن کر رہا اور آج جتنا کچھ بھی سرمایہ ہمارے پاس ہے اسمیں کافی حصہ اکابر دیوبند کا بھی ہے ان کے اخلاق، ان کے عمل، ان کے کردار، ان کے علم، ان کے کمال، ان کے تقوی، ان کی للّٰہیت، ان کے جذبے اور ان کے ایثار کی اتنی مسلسل اور مربوط تاریخ ہے کہ زمان اور مکان کی قید سے اگر اس تاریخ کو آزاد کردیا جائے تو قریبی وقت میں نہیں بلکہ پچھلی کئی صدیوں میں ہی اس کی نظیر مل پائیگی۔

ہر دور کے اپنے تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کو صحیح طور پر سمجھ کر قدم آگے بڑھانا بیداری، شعور اور دور اندیشی کی علامت ہے۔ ایسے مواقع پر کارآمد، متحرک اور فعال افراد کا سامنے آنا نعمت خداوندی ہے مسلمانان ہند کی زندگی میں ایسے مراحل بھی آئے جب انہوں نے خود کو مجبور، بیکس اور لاچار پایا مگر رحمت الٰہی نے مایوسیوں کے اندھیروں میں امید کے چراغ بجھنے نہ دیے۔ تحریک قیام مدارس کے لیے حجۃ الاسلام امام الاکبر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مسیحا بن کر سامنے آئے جن کے ابتدائی کارناموں کے دیرپا، دوررس نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ آزادی کی تحریک میں جس مجاہد کی ضرورت تھی وہ سیدنا حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی صورت میں ہم کو ملا ان کی ریشمی رومال تحریک نے آزادی کی روح پھونکی اور یہ تحریک انتہائی نتیجہ پر پہونچنے سے بھلے ہی محروم رہی مگر سورج تو طلوع ہو چکا تھا صرف دن چڑھنے کا انتظار تھا غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں اور آزادی کا سفر شروع ہوا قادیانیت نے گمراہی کا جال بچھایا تو امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ پوری قوت اور جذبے کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو گئے ایک جماعت جس میں ان کے تلامذہ کی بڑی تعداد تھی اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے کمربستہ ہوگئی قادیانیت کا ہر جگہ پیچھا کیا گیا اور ہر محاذ پر اس کے حصہ میں شکست آئی یہ تحریکات اور سرگرمیاں ان اکابر دیوبند کی ہیں دین کی سربلندی اور ملک و وطن کی صحیح رہنمائی کو جنہوں نے اپنی زندگی کا مشن بنایا تھا یہاں موازنہ مقصود نہیں اور نہ ہی ان تقدس مآب شخصیات کی تحریکات اور کارناموں کا موازنہ ممکن ہے مگر یہاں اس نکتہ پر نگاہ مرکوز رکھنے کی ضرورت ہے کہ پچھلے دور میں ان عظیم اور بلند و بالا شخصیات نے جو کارہائے نمایاں انجام

دیے اس کی جھلکیاں ہمیں اپنے اس دور میں بھی دکھائی دیتی ہیں گو یہ دور افراد کی کمیابی سے دوچار ہے اور ملت دردمند و مخلص قیادت کے بحران سے گزر رہی ہے مگر پھر بھی ایسے لوگ ہمیں میسر ہیں جو کاموں میں مخلص اور اپنے ارادوں میں مضبوط ہیں۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ آل انڈیا ملی کونسل کے جنرل سکریٹری تھے اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی قیادت بھی ان کے ہاتھ میں رہی گو اس قیادت کا زمانہ زیادہ طویل نہیں مگر انہوں نے مستقبل کا جو خاکہ ہمیں دیا وہ ان کی فراست کی دلیل اور پیش آنے والے حالات پر گہری نظر رکھنے کا ثبوت ہے ان تمام امتیازات کے ساتھ ان کی فقہی خدمات میرے نزدیک زیادہ وقیع، باوزن، باوقار اور بھاری بھرکم ہیں اور ایک فرد جس سطح اور حد تک اپنے کاموں کو پھیلا سکتا اور سمیٹ سکتا ہے فقہ اکیڈمی نے ان کی نگرانی اور سرپرستی میں وہ سب کچھ کر دکھایا ملک بھر کے قابل، باصلاحیت، ذی علم، ذی رائے، صاحب فضل انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر ایک مقصد کے تحت جمع کر لینا اور پھر ان سے کام لینا اور کام بھی خالص علمی اور تحقیقی کسی مجاہد کے کام سے کم نہیں ہے خوشی ہوتی اور دل میں مسرت کی لہریں موجزن ہوتی ہیں کہ اس زمانے میں داد تحقیق دینے والی ایک جماعت ہمارے سامنے ہے جس نے خالص فقہی بنیادوں پر دور جدید کے مسائل اور حالات حاضرہ کی پیچیدگیوں پر پوری نظر رکھتے ہوئے تحقیق کی راہیں ہموار کیں اور ایک ایسے نتیجہ پر پہونچنے کی مخلصانہ مساعی کیں جو مسلمانانِ عالم کے لیے خصوصاً اور مسلمانانِ ہند کے لیے عموماً اطمینان بخش ہی نہیں بلکہ نفع بخش ہیں اور یہ کلیہ ہے کہ جب اس طرح کی کوششیں ہوتی ہیں تو اختلاف رائے بھی ضرور سامنے آتا ہے مگر چونکہ اتفاق اور اختلاف دونوں کی بنیاد خلوص و دیانت پر ہوتی ہے اس لیے ان پر زیادہ گفتگو نہ تو مناسب ہے اور نہ ان پر ایک عام آدمی کو تشویش کا اظہار کرنا چاہیے یہ علماء کے درمیان کی چیزیں ہیں اس لیے بحث و تنقید کی ذمہ داری بھی ان ہی پر عائد ہوتی ہے اور بولنے یا لکھنے کا حق بھی ان ہی کا بنتا ہے۔

قاضی جیؒ کی انتھک محنتوں اور غیر معمولی دلچسپی نے ہمارے مفتیانِ کرام اور علماء باحترام کو سوچنے اور کچھ کرنے کی دعوت دی اور جو کام انفرادی طور پر انجام دیتے جا رہے تھے وہ اجتماعی صورت میں سامنے آنے لگے آج بہت بڑا مطبوعہ ذخیرہ ہمارے سامنے ہے جس سے قاضی

صاحبؒ کے رسوخ فی العلم اور رسوخ فی الدین ہونے کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی فقہی بصیرت وبصارت اور غیر معمولی درک کا اعتراف نہ کرنا قاضی صاحبؒ کے ساتھ ناانصافی کہلائے گا یہ میدان بلاشبہ ان ہی کا تھا اس میدان کے وہ مرد مجاہد ثابت ہوئے۔

میں نے بہت سی نامور شخصیتوں، صاحب نسبت بزرگوں اور جلیل القدر انسانوں کو قریب سے دیکھا اور ان کے علم وفضل اور کردار وعمل کا مشاہدہ کیا ہے قاضی صاحبؒ اسی صف کے لوگوں میں سے تھے ان میں ہر ادا اور ہر خوبی بڑوں کی سی تھی۔ تحمل، بردباری، سنجیدگی، متانت اور نیک جذبہ نے ان کی شخصیت کو خوب نکھارا اور سنوارا تھا عمر کے جس دور میں وہ کھڑے تھے اس دور اہے کا اختتام مقبولیت اور مرجعیت پر جاکر ہوتا تھا اور آج انہوں نے جہاں ٹھکانا بنایا ہے خدائے واحد کی ذات سے امید ہے وہاں بھی رحمتوں اور نعمتوں سے وہ محروم نہیں رہینگے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

دھشت گردی کی کسی بھی حرکت کو اسلام کی طرف منسوب کرنے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرنے کی کوئی بھی کوشش انتھائی درجه قابل مذمت ھے، لھذا ھماری ذمه داری ھے کہ ان تمام لوگوں کی غلط فھمیاں دور کریں جو اسلام کے بارے میں نادانستگی سے مختلف پروپیگنڈے کا شکار ھوکر ایسی بات سوچ رھے ھیں یا کہ رھے ھیں۔

(قاضی مجاھد الا سلام قاسمیؒ)

مولانا محمد اسلام قاسمی ☆

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

خدمات کے چند گوشے

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیت اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے جو بیک وقت ملک گیر پیمانے پر خدمت انجام دینے والی کئی تنظیموں کے سربراہ اور نگراں اور ایک عالم دین اور ملت کے قائد کے طور پر متعارف تھے، امارت شرعیہ بہار، جھارکھنڈ واڑیسہ کے نائب امیر شریعت و قاضی القضاۃ، اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی و سربراہ، آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل اور مسلمانوں کے اجتماعی پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر ہونے کے علاوہ عرب ممالک کی معروف اسلامی وفقہی تنظیموں کے رکن بھی تھے، ہندوستان میں مجتہدانہ بصیرت کے مالک عالم دین کی حیثیت سے مستند و مقبول تھے تو ہندوستان سے باہر عرب ممالک، امریکہ، ساؤتھ افریقہ اور یورپ میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کے علمی وملی قائد کے طور پر معتمد ومعروف تھے۔

آج سے دس بارہ سال قبل عام طور پر ہندوستان بھر میں اگر قاضی صاحبؒ کا تعارف تھا تو ایک باصلاحیت عالم دین کے طور پر یا امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ کے علمی معاون کی حیثیت سے، ارباب مدارس ان کو فقہی جزئیات پر دسترس رکھنے والے فاضل دیوبند کے عنوان سے بھی جانتے تھے، مگر صوبہ بہار (متحدہ) واڑیسہ کے اہل علم، دانشور حضرات، ارباب سیاست اور عام مسلمان اس سے بڑھ کر ان کی شخصیت کے اور بہت سے پہلوؤں سے بھی واقف تھے، اور ان کی خدمات کے معترف بھی۔

حضرت قاضی صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے نمایاں نمبرات سے کامیابی حاصل کی تو

☆ استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی نگاہِ دوررس نے ان کے کمالات کو پہچانا اور سب سے پہلے جامعہ رحمانی مونگیر میں ان کو مدرس کی حیثیت سے رکھا، تدریس کے دوران طلبہ واساتذہ نے ان کی اس صلاحیت سے استفادہ کیا، یہ تقریباً چالیس سال قبل اس وقت کی بات ہے، جب جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر درس نظامی کا ایک معروف ومستند ادارہ سمجھا جاتا تھا، لائق وفائق اور ممتاز اساتذہ کی بہت بڑی تعداد یہاں حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں تعلیم وتربیت میں مشغول تھی، اس ادارہ کو بہار میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

پھر حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے امیر شریعت منتخب ہونے کے بعد امارت شرعیہ کے دائرۂ کار کو جب وسیع کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کو مونگیر سے پٹنہ منتقل کردیا اور ان پر دارالقضاء کے علاوہ امارت وتوسیع کی ذمہ داری بھی آئی۔ درحقیقت اس وقت (آج سے تیس سال پہلے) امارت شرعیہ بہار واڑیسہ حضرت قاضی صاحب اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب (موجودہ امیر شریعت) کے نام سے ہی جانی جاتی تھی، ان دونوں حضرات نے بہار کے گاؤں اور شہر شہر کے دورے کئے، ہر جگہ دعوتی پروگراموں میں شرکت کی، مدارس کے اجتماعات اور میٹنگوں کو خطاب کیا، اس طرح لوگ ان دونوں حضرات کی شخصیت اور خدمات سے واقف ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امارت شرعیہ، پٹنہ کے مضافات میں واقع ایک پسماندہ علاقہ پھلواری شریف کی تنگ گلیوں سے گزر کر ایک بوسیدہ سی عمارت میں واقع تھی، جہاں ابتدائی زمانہ میں تو بجلی کی سہولت بھی نہیں تھی، یہ درویش صفت افراد قوم کی خدمت اور ملت کے مسائل کے لیے اس ''امارت شرعیہ'' کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے رہے۔

اس طرح بے لوث خدمت، بے انتہا جد وجہد اور فنائیت کے ساتھ جب قوم کے درمیان حضرت قاضی صاحب پہونچتے تو لامحالہ عام مسلمان ان کی قدردانی کرتے، یوں حضرت قاضی صاحبؒ سے بہار کے دور دراز کے لوگ بھی واقف ہوگئے اور ان کے خطابات سے مستفید نیز ان کی خدمات کے معترف بھی۔

امارت شرعیہ کے واسطے سے اب حضرت قاضی صاحبؒ کا نام ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی مشہور ہوا اور اب امارت کی اپنی عمارت بھی تعمیر ہوئی، دفاتر اس میں منتقل ہوئے تو محسوس ہوا

کہ اتنی لمبی عمارت بلکہ کمپلیکس میں اس محدود پیمانہ کی تنظیم ادھر ادھر ڈولتی پھرے گی بلکہ بعض ''بہی خواہوں'' نے اس پر طنز بھی کئے جسے ایک دفعہ حضرت قاضی صاحب نے ہی سنایا تھا ''ایک آفس میں قاضی جی اور ایک میں ناظم صاحب ہوں گے اور باقی ہال اور کمروں میں الو بولیں گے ''۔

ایک ظاہر بیں جو امارت شرعیہ کا مخلص بھی ہوتا یہی خیال کرتا کہ خواہ مخواہ اتنی بڑی عمارت اور اتنے کمرے بنوائے گئے، مگر حضرت امیر شریعت کا مستقبل کا پروگرام اور حضرت قاضی صاحبؒ کا اس پروگرام کو عملی شکل دینے کا جذبہ عام نظروں سے اوجھل تھا، چنانچہ جب امارت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جانے لگا اور اس کا دائرہ کار وسیع ہوتا گیا تو یہ لمبی چوڑی عمارت بھی تنگ ہوتی گئی، اسی عمارت کے برابر میں سجاد ہاسپٹل کی عمارت اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کی بلڈنگ حضرت قاضی صاحب کی کوششوں اور محنتوں کے ساتھ عمارت کے توسیعی منصوبے کی عمدہ ترین مثال ہے۔

پھر جب امارت شرعیہ کے روح رواں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا انتقال ہوا تو امارت کی خدمات کی عملی ذمہ داری حضرت قاضی صاحبؒ پر عائد ہوئی جس سے وہ خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے کہ آج امارت شرعیہ پٹنہ چند صوبوں کی محدود تنظیم نہیں رہی بلکہ ملک گیر سطح پر بے حد فعال، معتمد اور خواص و عوام میں مقبول ادارے کی صورت میں جانی جاتی ہے۔

حضرت قاضی صاحب کے اسی دور میں جب وہ قاضی القضاۃ کے ساتھ نائب امیر شریعت بھی تھے اور عملی طور پر ملک و بیرون ملک اس کے سربراہ کے طور پر تسلیم کئے جاتے تھے۔ تدریب افتاء وقضاء کے لیے ''المعهد العالی '' کے نام سے ایک تدریسی و تدریبی ادارے کا قیام عمل میں آیا، اس کے لیے حضرت قاضی صاحب مخلصین امارت شرعیہ اور دردمندانہ ملت سے اپیل بھی کرتے رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے پرخلوص جذبے اور انتھک محنت کا ثمرہ ایک مستقل عمارت کی شکل میں عطا فرمایا جو ''امارت کیمپس'' سے الگ ہے۔

جس طرح ملک میں مفتی اور قاضی کی ضرورت بڑھی اور اس کی تکمیل کی خاطر اس المعهد العالی میں منتخب فضلاء کی تعلیم و تربیت کا نظام قائم ہوا اسی طرح صوبہ بہار کے طلبۂ علوم دینیہ کی ضرورت اور اہل علم و ارباب مدارس کے درخواست پر ''دارالعلوم امارت شرعیہ'' کی بنیاد حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے عملی منصوبوں کا ایک حصہ ہے، ابھی اس دارالعلوم کی ابتداء ہے اور ایک

عظیم جامعہ کا منصوبہ ہے جس کے لیے بہت وسیع آراضی بھی حاصل کرلی گئی ہیں یہ جامعہ ابتدائی مرحلے میں اپنی تکمیل کے لیے ایسے ہی کسی مرد مجاہد کا منتظر ہے۔

اب جب کہ ملک کے مختلف علاقوں میں دارالافتاء اور قضاء قائم ہو چکے تھے اور فقہ و افتاء سے وابستہ تمام افراد حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے نام اور ان کی فقہی بصیرت، شرعی قوانین پر ان کی مہارت سے واقف ہو چکے تھے، ملک کے علمائے دین اور مفتیان کرام کتاب و سنت کی روشنی میں عصر حاضر میں پیش آنے والے نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کی کوشش میں تھے، ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اہل فقہ و افتاء اجتماعی صورت میں اس حل کے صورت سوچیں، بسا اوقات عصری تعلیم یافتہ افراد کی جانب سے اسلامی شریعت کی تشریح غلط انداز میں بھی آنے لگی تھی یہاں تک کہ بعض افراد نے مل کر ''فقہ اسلامی کی تشکیل جدید'' کے عنوان سے اجتماعات وغیرہ بھی منعقد کیے۔

ایسے وقت میں حضرت قاضی صاحب نے بعض مخلصین کے مشوروں اور تعاون سے ''اسلامی فقہ اکیڈمی'' کی داغ بیل ڈالی اور اب یہ پودا تناور درخت کی شکل میں موجود ہے اور اپنے تیرہ اجلاس کر چکا ہے، اس کا فیضان جاری ہے، اور اس سے وابستہ جید علمائے دین اور اصحاب فقہ و افتاء کی ایک بڑی جماعت اس سے وابستہ ہے، حضرت قاضی صاحب کی قیادت میں فقہ اکیڈمی نے جدید مسائل کے شرعی حل کی اجتماعی کوشش کی ہے جو تا حال جاری ہے، اکیڈمی کے سمینار میں ملک کے اہل فقہ اور ممتاز علماء دین کی ایک بڑی تعداد اس طرح شریک ہوتی ہے کہ کئی ماہ پہلے ان حضرات کو مختلف عنوانات پر تحقیقی مقالے لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے اور سمینار میں اس پر بحث ہوتی ہے پھر تمام حضرات کی مدلل رائے پر مشتمل مسئلوں کا حل پیش کیا جاتا ہے، اب تک چالیس سے زائد جدید مسائل اور مشکلات پر غور وخوض کیا جا چکا ہے اور اجتماعی فیصلے کئے گئے ہیں، یہ مباحث اور فیصلے کتابی صورت میں اکیڈمی شائع کرتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ حضرت قاضی صاحب کی فکر کا امتیاز عدل و اعتدال تھا وہ مقلد بھی تھے اور روشن خیال بھی مگر اس طرح کہ تقلید کو ایک ضرورت سمجھتے تھے مگر حالات کی تبدیلی سے قطع نظر صرف فقہاء کی جزئیات پر مکمل جمود بھی نہیں تھا، نئے مسائل کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انفرادی

اجتہاد کے بجائے ان پر اجتماعی غور وفکر کی راہ اختیار کی جائے، اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام اسی پس منظر میں تھا اور اب ادارہ کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ملک سے باہر بھی ہے اور اس خدمات کا اعتراف عالم عرب کے نامور حضرات نے بھی کیا ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا اصل میدان علم وتحقیق تھا اور امتیازی پہلو فقہ وقوانین پر عبور، مگر امت کے دوسرے سیاسی، تعلیمی، ثقافتی اور معاشی مسائل سے بھی دل چسپی تھی، قوم کا درد بھی تھا اس لیے ملی امور اور قومی مسائل سے وابستگی بھی رہی مشکلات کے تدارک کے لیے کوشاں بھی رہے۔ اسی پس منظر میں ''آل انڈیا ملی کونسل'' کا قیام عمل میں آیا جس کے وہ بانی تھے اور تا حیات سکریٹری جنرل، دراصل قوم کی سیاسی رہنمائی اور پیش آنے والے مشکلات کے حل کے لیے حضرت قاضی صاحب نے ۱۹۹۲ء میں اس کی تشکیل فرمائی جو ملک بھر کے صلاحیت مند سیاسی بصیرت رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک جماعت تھی جس کا مقصد میدانی طور پر عمل اور سرگرمی تھی اور خاص طور پر ایسے وقت میں جب مسلمانوں کی بعض نیم سیاسی تنظیمیں عملی طور پر ناکارہ ہو چکی تھیں۔ قوم کے نوجوانوں کو اس کونسل سے بڑی توقعات وابستہ ہوگئیں، کچھ مسائل اور بعض مشکلات میں اس کی خدمات بہت نمایاں ہیں جیسے حکومت کے سیاہ قانون ٹاڈا کی تنسیخ کے لیے مسلسل اور مربوط جدوجہد، اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور عمل کی بھرپور کوشش، جس کا ایک عمدہ نمونہ ملک گیر پیمانہ پر ''کاروان آزادی'' کی صورت میں سامنے آیا، انتخابی سیاست میں مسلمانوں کی رہنمائی اور ووٹ کو متحد کرنے کی کوشش بھی ملی کونسل کی جانب سے ہوتی رہی گو کہ اس نقطۂ نظر سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی اس مخلصانہ جدوجہد میں کوئی کمی نہیں آئی مگر ان کی علالت کی وجہ سے ملی کونسل کی رفتار سست ضرور ہوئی اور اس کی ہمہ جہتی متاثر ہوئی۔

حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ گزشتہ چار سالوں سے علیل تھے اور زیادہ تر وقت دہلی میں گزرتا تھا تاکہ وقت ضرورت فوراً اسپتال جاسکیں اور ڈاکٹروں سے رجوع کرسکیں، اپنے اصل مرکز پٹنہ سے دور رہ کر وہ صرف آرام کے لیے یہاں مقیم نہیں رہے بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ ان چار سالوں میں حضرت قاضی صاحب نے تالیف وتصنیف اور تحقیق کے کچھ زیادہ ہی کام کیے، اب تنظیمی

یا دعوتی دورے محدود ہوئے تو فرصت کے اوقات میں لکھنے کا مشغلہ زیادہ رہا، امارت شرعیہ کے تنظیمی امور، دارالافتاء و القضاء کی نگرانی و رہنمائی، ملی کونسل کے اجتماعات، علماء دین وعمائدین سے ملاقاتیں، اور متعلقہ افراد سے روابط برقرار رہے اور اسلامک فقہ اکیڈمی کا کام زوروں پر رہا، ''الموسوعة الفقهيه'' کے ترجمہ پر نظر ثانی یا دوسرے تحقیقی کا کام بھرطور پر پورجاری رہے۔

اور جب ۲۰۰۰ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر مفکر ملت حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا تو ملک کے اصحاب بصیرت علماء، ارباب سیاست، اہل فکر و دانش اور مختلف جماعتوں کے نمائندہ افراد نے اس اہم اور مسلمانوں کی متحدہ جماعت کی سربراہی آپ کے سپرد کردی، یہ جانتے اور اعتراف کرتے ہوئے کہ اس عظیم منصب کے لیے حضرت قاضی صاحب کی عبقری شخصیت ہی متفقہ طور پر موزوں ہے، اور اس مختصر عرصۂ صدارت میں بھی مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اپنی خدمات کو نمایاں طور پر جاری رکھا، ''اسلامی قوانین'' کا وہ مجموعہ بھی شائع ہوا جو حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے دور نظامت ہی میں مرتب ہو چکا تھا مگر اب تک شائع نہیں ہو سکا تھا، اور جب اکتوبر ۲۰۰۰ء کا اجلاس عام بنگلور میں منعقدہ ہوا تھا تو ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود حضرت قاضی صاحب نے جو فی البدیہہ خطبہ دیا وہ جرأت مندانہ، مجاہدانہ اور حضرت قاضی صاحب کے کمالات کا آئینہ تھا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت پر تو حضرت قاضی صاحب دو سال تک فائز رہے لیکن بورڈ کے لیے ان کی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے، جب ۱۹۷۲ء میں اس متحدہ پلیٹ فارم کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے صدر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے اور بورڈ کی عملی ذمہ داری حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری کے حصہ میں آئی۔ اور حقیقۃ بورڈ کی کارکردگی اور فعالیت حضرت مولانا رحمانی کی بے پناہ محنت اور عالی دماغی کی رہین منت تھی، قاضی صاحبؒ ان کے دست راست اور معتمد تھے انہیں بلاشبہ بورڈ کے ترجمان کا نام دیا جاسکتا ہے تیس سال کی طویل مدت تک حضرت قاضی صاحب بورڈ کے ہر اہم معاملے میں نہ صرف شریک رہے بلکہ اس کے تمام اجلاس میں پرسنل لاء اور اس سے متعلق پیش

آمدہ مسائل کو بڑی خوش اسلوبی ، مضبوط دلائل اور خدا داد تفہیمی صلاحیت کے ذریعہ پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ کسی اجلاس میں کسی طرح کی کوئی کشیدگی پیدا ہوتی تو اسے دور کرنے اور اپنے خطاب سے سبھوں کے دل موہ لینے میں ان کو کمال حاصل تھا، اس لیے ابتداء سے لے کر اپنی صدارت کے دور تک وہ بورڈ میں کلیدی حیثیت کے حامل رہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی خدمات اور کارناموں کے یہ چند گوشے تھے، بحیثیت قاضی ایک متبحر عالم دین، غیر معمولی ذہین، فقہ وافتاء کے ماہر، تواضع اور سادگی کے پیکر، قوم کے ہمدرد قائد، اتحاد بین المسلمین کے علمبردار اور علماء دین اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان آہنگی پیدا کرنے کے جذبہ سے سرشار عبقری شخصیت کے مالک تھے۔

تصنع یا تکلف سے قطعی دوران کی اجتماعی اور نجی زندگی اور ان کے بے مثال کارناموں کی وجہ سے ملک و بیرون ملک طبقہ علماء اور دانش وروں میں انہیں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی۔

ایک طرف وہ بے مثال خطیب تھے کہ ہوش و جوش کی آمیزش سے عوامی خُطاب عوام کی قوت فہم کے مطابق، طبقہ علماء میں ان کے معیار کے موافق، اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے درمیان نقلی اور عقلی دلائل کی مضبوطی کے ساتھ جس طرح تقریر کرتے تھے یہ ان کی وہ نمایاں خوبی ہے جس کی نظیر موجودہ وقت میں مشکل سے ہی ملے گی، تو دوسری طرف صاحب قلم بھی، علمی مضامین اور دقیق مسائل کو بھی سہل اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کا عمدہ سلیقہ تھا جس کے نمونے ان کے مضامین اور مرتب کردہ رسائل اور کتابیں ہیں۔

ان کی وفات کے بعد اب ضرورت ہے کہ ان کے علمی، فکری اور سیاسی مشن کو برقرار رکھا جائے اور اسے بڑھایا جائے، خواہ امارت شرعیہ کی شکل میں ہو یا اسلامک فقہ اکیڈمی، ملی کونسل یا مسلم پرسنل لاء بوڈ کی صورت میں ہو، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان اداروں کے لیے حضرت قاضی صاحبؒ کی صفت رکھنے والے ان کے صحیح جانشین کو پیدا کرے۔

محمد فہیم اختر ندوی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
قاضی صاحب کی خدمات کا ایک شاہکار

اپریل ۱۹۸۹ء کی ابتدائی تاریخیں ہیں، جامعہ ہمدرد دہلی کے کونشن ہال کا پر شکوہ مسرہے، وقت کی اکابر ہستیاں اسٹیج پر جلوہ فگن ہیں، پورے ملک کی منتخب ترین سو سے زائد باوقار شخصیتیں ہال میں موجود ہیں، چہروں پر سنجیدگی و متانت اور ذہن وفکر مسائل کے حل میں مصروف۔

ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب امت کو درپیش مسائل کے شرعی حل کی دریافت کے لئے اہل علم، ارباب افتاء اور عصری علوم کے ماہرین ایک جگہ جمع ہیں۔ ملک بھر کے تمام اہم علمی و تحقیقی اداروں، تعلیمی درسگاہوں اور قضاء و افتاء کے مراکز سے اکابرین تشریف فرما ہیں، اور ان کے شانہ بہ شانہ جدید علوم کے ماہرین موجود ہیں، یہ مسائل کی تصویر کشی کر رہے ہیں اور وہ قرآن وحدیث کے بحر بیکراں میں غواصی کرتے ہوئے ان مسائل کے حل کی تلاش میں غلطاں و پیچاں ہیں، ایک پرسکون ماحول ہے، ایک سنجیدہ گفتگو، قدیم اور جدید کی مصنوعی خلیج ختم ہو چکی ہے، نہ انانیت کا دخل ہے اور نہ اپنی بات پر پچ کرنے کا جذبہ، کیسا دلکش سماں ہے، علمی فضاء ہے، پرخلوص جذبہ ہے اور سنجیدہ جستجو، پندرہ صدیوں بعد کی بوریہ نشینوں کی یہ مجلس اپنے اجتماعی طرز فکر، اپنے بلند ترین مقصد اور جدید مسائل کے شرعی حل دریافت کرنے کے لئے اجتماعی کوشش کے اپنے اسلوب سے کبھی عہد عالمگیری کے اجتماعی ترتیب مسائل کی مجلس کا منظر پیش کر رہی ہے، کبھی حضرت الامام الاعظم ابوحنیفہ نعمان اور ان کے باکمال تلامذہ کی مجلس تدوین فقہ کی یاد تازہ کر رہی ہے اور کبھی شہر نبی مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ کی اجتماعی کوشش اور ان سب کے پیشوا خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ کی نئے مسائل کو حل کرنے میں مشورہ واجتماعی غور کا طریقہ اپنانے کی سنت کو زندہ کر رہی ہے۔

یہ ہے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا پہلا سیمینار، اور غور وفکر کے موضوعات ہیں:
ضبط ولادت یعنی تحدید نسل یا فیملی پلاننگ، اعضاء کی پیوند کاری، پگڑی کا مسئلہ

قیام کا پس منظر

اہل علم کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ شریعت کے نصوص اور ہدایات محدود ہیں، اور پیش آنے والے واقعات و مسائل لامحدود، دوسری جانب یہ امر بھی اسلامی عقیدہ کا جزو ہے کہ قیامت تک پیش آنے والے ہر زمانہ کے مسائل میں اسلام اور اسلامی شریعت کو رہنمایانہ کردار ادا کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ شرعی نصوص میں کچھ تو جزوی اور تفصیلی احکام ہیں، اور کچھ اصولی ہدایات اور رہنما خطوط، اسی طرح شریعت کے کچھ احکام تو ٹھوس اور ناقابل تبدیل ہیں اور کچھ احکام زمانہ اور حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں، یہ وہ پس منظر ہے جس میں ہر دور میں اس عہد کے نو پیش آمدہ مسائل میں شرعی رہنمائی فراہم کرنے کے لئے دو سطحوں پر بڑی عظیم الشان خدمات انجام دی جاتی رہیں، ایک سطح انفرادی کوششوں کی تھی جس کا تسلسل عہد صحابہ سے لے کر ہر عہد کے فقہاء عظام اور ائمہ مجتہدین سے ہوتے ہوئے آج تک جاری ہے، اور یہ انفرادی کوشش تا قیامت جاری رہے گی۔ دوسری سطح اجتماعی غور وفکر اور اجتماعی انداز سے مسائل کو حل کرنے کی رہی ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه برأي واحد ،، (معجم طبرانی) اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے نمونے سامنے آتے رہیں ہیں۔

بیسویں صدی ہجری اس لحاظ سے امتیاز رکھتی ہے کہ اس میں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ زبردست تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ حیرت انگیز انکشافات اور سائنسی ترقیات نے زندگی کے تمام میدانوں میں ایک جانب تو نئے مسائل کے انبار لگادئے اور دوسری جانب قدیم مسائل ومعاملات کی نئی نئی شکلیں سامنے آنے لگیں، تیسری جانب علوم وفنون اور معلومات کا دائرہ اس قدر پھیل گیا کہ اب ایک فرد کا تمام میدانوں میں دسترس رکھنا ناممکن ہوگیا۔

حالات کے اس تناظر نے پوری دنیا میں ارباب فکر وعمل اور اہل علم کو مجبور کیا کہ وہ مختلف علوم اور میدانوں کے ماہرین پر مشتمل اکیڈمی یا اجتماعی پلیٹ فارم بنائیں جہاں درپیش مسئلہ سے

متعلق اس کے تمام پہلوؤں میں سے ہر پہلو کے ماہر فن مسئلہ کا صحیح اور حقیقی رخ پیش کریں، اور اسکی تفصیلات بتائیں، پھر شرعی علوم میں سے ہر علم پر اختصاص رکھنے والے علماء دین اس کی بابت شرعی نقطۂ نظر واضح کریں، اور اس طرح باہمی غور وخوض کے بعد اس کا شرعی حکم طے کیا جائے، کیونکہ یہ اجتماعی طریقہ غور اور اجتماعی اجتہاد حق تک رسائی سے زیادہ قریب اور امکانی غلطیوں سے زیادہ محفوظ ہے۔

اس تصور کے ابھرنے کے بعد عالم اسلام میں جگہ جگہ ایسے ادارے اور اکیڈمیوں کا قیام عمل میں آنے لگا، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے ۱۳۹۳ھ میں اسی غرض کے لئے المجمع الفقهي الاسلامي قائم کیا، آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس نے اپنے ماتحت ۱۹۸۱ء میں مجمع الفقه الاسلامي الدولي قائم کیا، سعودی حکومت نے هيئة كبار العلماء کے نام سے ادارہ کی تشکیل کی، مصر میں مجمع البحوث الاسلاميه کا قیام ۱۹۶۹ء میں عمل میں آیا، اردن میں ادارہ قائم کیا گیا، پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی، شمالی امریکہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی تشکیل ہوئی، یورپ میں المجلس الاوروبي للافتاء و البحوث کے نام سے ادارہ قائم ہوا، سوڈان میں بھی ابھی حال میں فقہ اکیڈمی قائم ہوئی۔

ہندوستان جہاں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود انڈونیشیا کے بعد پوری دنیا میں سب سے بڑی تعداد میں ہیں، یہاں کے سماجی حالات، تاریخی مد وجزر اور غیر اسلامی حکومت کی ماتحتی کی وجہ سے نیز سائنس وٹکنالوجی کی عالمی ترقیات کے نتیجہ میں مخصوص انداز کے بے شمار مسائل روز بروز جنم لے رہے تھے، جس قدر ان کے حل کی انفرادی کوششیں تھی، اس سے زیادہ گمبھیر مسائل ومشکلات کی پیداوار تھی، اس حالت میں ایک بے چینی تھی جو فکر مند ذہنوں کو پریشان کئے ہوتی تھی، ایک ضرورت تھی جس کی تکمیل کی آرزوئیں سینوں میں کروٹیں لے رہی تھیں اور ایک طاقتور خیال تھا جو موقع پاتے ہی نوک زباں پر امنڈ آتا تھا ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم ہوا تو جلد ہی انہیں بھی قدم قدم پر احساس ہونے لگا کہ ان پیچیدہ سماجی مسائل کے حل کے لئے علماء اور عصری علوم کے ماہرین کو یکجا بیٹھنا چاہیے، بورڈ کے اجلاس حیدرآباد میں یہ دلی تمنا زبان سے منتقل ہوتے ہوئے تجویز کی شکل اپنا کر کاغذ پر آگئی، لیکن ابھی شاید قدرت کی جانب سے اس کا وقت مقرر نہیں آیا تھا۔

اکیڈمی کا قیام

غالباً ۸۸ء سے پہلے کی بات ہے، ساؤتھ افریقہ سے جناب مولانا یونس پٹیل صاحب پٹنہ آئے، مسلمانان جنوبی افریقہ کو متعدد جدید مسائل ومشکلات نے پریشان کر رکھا تھا، اور وہ ان میں شرعی رہنمائی چاہتے تھے، اکابرین نے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کو اس کے لئے سب سے موزوں پاکر مولانا یونس پٹیل کو ان کے پاس بھیجا تھا، ان کی دعوت پر قاضی صاحب ساؤتھ افریقہ تشریف لے گئے، خانگی زندگی اور میڈکل سائنس کے بے شمار الجھے مسائل پر قاضی صاحب نے وہاں گفتگو کی، تقریریں فرمائیں، لیکن یہاں آکر وہ بے چینی جو ہندوستان میں ہر صاحب علم کو فکرمند کئے ہوئے تھی قاضی صاحب کے ذہن میں فزوں ہوگئی، خیال میں پختگی آنے لگی، اور ہندوستان واپس آکر اپنے چند مخلص رفقاء کو جوڑ کر حیدرآباد میں ایک ایسے ادارہ کا خاکہ تیار کیا، جس کا نام طے پایا، **مرکز البحث العلمی**، آفس کے لئے امارت شرعیہ پھلواری شریف کا مقام مقرر ہوا، اور مقاصد رکھے گئے، امت کو درپیش مسائل کے حل کے لئے اجتماعی غور وفکر۔

یہ پہلا بیج تھا جو حالات کی زرخیز زمین میں پڑا تھا، **مرکز البحث العلمی** کی جانب سے ضبط تولید کے موضوع پر کچھ سوالات اہل تحقیق علماء کو بھیجے گئے، اور ان کے جوابات کے ساتھ رسالہ ''بحث ونظر'' میں شائع کئے گئے، اسی دوران قاضی صاحبؒ کی ملاقات انسٹی ٹیوٹ آف اوبجکیٹو اسٹڈیز کے چیرمین جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب سے ہوئی، اور اس موضوع پر تبادلہ خیال کے بعد مرکز البحث العلمی کی جانب سے انسٹی ٹیوٹ کے زیر تعاون فقہی سیمینار منعقد کرنا طے پا گیا، جامعہ ہمدرد میں کیم تا ۳/ اپریل کو منعقد ہونے والا یہی وہ پہلا سیمینار تھا جہاں سے اس فقہی کارواں کے سفر کا باضابطہ آغاز ہوتا ہے، سیمینار کے بعد یہ طے پایا کہ ہر چھ ماہ بعد ایسے سیمینار منعقد کئے جائیں گے اور اس کام کو زیادہ منظم طور پر اور بڑے پیمانہ پر انجام دینے کے لئے **مرکز البحث العلمی** کی تشکیل جدید "**مجمع الفقه الاسلامی الهند**" کے نام سے عمل میں آگئی۔

فقہی سیمینار

پہلے فقہی سیمینار کے چھ ماہ بعد ہی ۸ تا ۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء کو سابق مقام پر دوسرا فقہی سیمینار منعقد ہوا جس میں کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت، سود سے متعلق متعدد مسائل اور ہندوستان کی شرعی

حیثیت پر غور وخوض ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ سیمینار ہر صاحب علم کے دل کی آواز تھی، وقت کی شدید ضرورت تھی، اور مسئلہ کا واحد علاج تھا، اور جس خلوص کے ساتھ یہ آواز لگائی گئی تھی اس نے ہر دل میں جگہ پائی، ملک کے کونہ کونہ میں اسکی زبردست مقبولیت پھیل گئی، اکابرین نے سرپرستی فرمائی، اپنی تشریف آوری سے زینت بخشی، اہل تحقیق علماء اور ارباب افتاء نے بحث وتحقیق کی بزم سجائی، نوجوان فضلاء نے سلف کی مجلسوں کے نمونے سے اپنی نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچائی، عصری علوم کے ماہرین نے اہل علم دین کی علمی بصیرت، ذوق تحقیق، خلوص وجستجو اور اجتماعی غور وفکر کے بے مثال اسلوب کو دیکھا، ان کی جدید تحقیقات اور تصویر مسئلہ نے علماء دین کو مسائل کی حقیقت سے روشناس کیا، اور ان کے ذہنوں میں پڑی سوالات کی گرہیں کھلتی گئیں۔

اس علمی فضاء، مخلصانہ جستجو اور باہمی تعاون کے ماحول میں پیچیدہ سے پیچیدہ سماجی مسائل، سائنسی ترقیات سے پیدا ہونے والے سوالات اور مشکلات زندگی حل ہونے لگے، اخبارات، رسائل اور خطابات کے ذریعہ یہ اجتماعی فیصلے امت کے ایک ایک فرد تک پہنچنے لگے، انہیں تسکین ملی، اپنے مسائل کے حل کی امید بندھی اور اکیڈمی سے بڑی بڑی تمنائیں وابستہ کی جانے لگیں۔

عزم وہمت، اخلاص وجستجو، بحث وتحقیق اور قدیم وجدید علوم کے باہمی تعاون کا یہ فقہی کارواں سوئے منزل روانہ ہو چکا تھا، اس کارواں کے استقبال کے لئے نگاہ وقلب فرش راہ بنے تھے، چنانچہ دہلی میں پہلے اور دوسرے فقہی سیمیناروں کے بعد تیسرے سیمینار کی منزل بنگلور تھی، چوتھا سیمینار شہر چار مینار حیدرآباد میں ہوا، پانچویں کی منزل اعظم گڑھ تھی، چھٹے سیمینار کے لئے دریائے نرمدا کے کنارے شہر عمرآباد میں منزل کی گئی، ساتواں سیمینار گجرات کے شہر بھڑوچ میں منعقد ہوا، آٹھواں مقام شہر دانشگاہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا تھا، نویں منزل گلابی شہر جے پور قرار پائی، دسویں سیمینار کے لئے عروس البلاد ممبئی کی فلک بوس عمارت حج ہاؤس کا انتخاب ہوا۔ دس سال کے عرصہ میں دس سیمینار منعقد ہو چکے تھے، لیکن یہ کارواں اسی طرح تازہ دم، جواں حوصلہ، ذوق تحقیق سے پر اور رواں دواں تھا، آغاز سفر پھلواری شریف پٹنہ سے ہوا تھا، دوسرے دہے کی پہلی منزل یعنی

گیارہویں سیمینار کے لئے اب نظر انتخاب اسی شہر پھلواری شریف پٹنہ پر پڑی، بارہویں سیمینار کے لئے یوپی کا شہر بستی دیدہ ودل فرش راہ کئے تھا، تیرہویں فقہی سیمینار میں اکیڈمی کے بانی وروح رواں اور شمع محفل حضرت قاضی صاحب کی آخری شرکت تھی، شہیدوں کے نام سے منسوب ادارہ جامعہ سید احمد شہید ملیح آباد میں یہ سیمینار منعقد ہوا۔ ان تیرہ فقہی سیمیناروں میں ملک کے طول وعرض سے تمام ہی تحقیقی وتعلیمی اداروں، دینی مراکز اور دانشگاہوں سے ہر فقہی مسلک ومشرب کے ارباب تحقیق نے شرکت فرمائی، جنکی تعداد چھ سات سو تک پہنچتی ہے، اجتماعی غور وفکر اور فقہی تحقیق کی یہ آواز جس قوت اور جذبہ کے ساتھ ملک کے اندرون میں سنی گئی اس قوت وجذبہ کے ساتھ بیرون ملک پہنچی، اور عالم اسلام کی تمام ممتاز ترین علمی شخصیات اور محققین بڑے ذوق وشوق کے ساتھ ان سیمیناروں میں تشریف لائے اور دل کھول کر ان کی افادیت وخدمات کو سراہا۔ تقریباً پندرہ بیس ممالک سے تشریف لانے والے عالم اسلام وعرب اور بیرونی ممالک کے ان فاضلان گرامی کی تعداد چالیس کے قریب ہے۔

موضوعات تحقیق

یوں تو امت کو درپیش مسائل بے شمار ہیں، لیکن جن مسائل کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی میں سخت الجھنیں درپیش ہیں یا ایسے معاملات جن میں انہیں فوری طور پر شرعی رہنمائی مطلوب ہے، ایسے مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر اختیار کرتے ہوئے اکیڈمی نے انہیں فقہی سیمیناروں میں غور وتحقیق کا موضوع بنایا۔ یہ موضوعات سماجی بھی رہے، طبی بھی، اصولی بھی، اقتصادی بھی اور عبادات سے متعلق بھی، جن کی تعداد چالیس سے زائد ہے۔

سماجی موضوعات میں جن مسائل پر غور کیا گیا اور فیصلے طے پائے، ان میں ضبط ولادت، اشتراط فی النکاح، نکاح میں کفاءت، ولایت نکاح، جہیز، طلاق سکران اور جبری شادی کے موضوعات رہے ہیں، یہ فیصلے بڑے اہم اور بر وقت تھے جن سے پوری ملت اسلامیہ کو مفصل شرعی رہنمائی ملی۔

اقتصادی ومعاشی مسائل جن پر غور وخوض کیا گیا، ان کو فہرست طویل ہے اور متعدد جدید تجارتی مسائل پر اسلامی رہنمائی فراہم ہوگئی ہے، ان مسائل میں پگڑی کا مسئلہ، اسلامی بنکاری، مرابحہ، حقوق کی بیع، کرنسی نوٹ، انشورنس، قبضہ سے قبل خرید وفروخت، قسطوں پر خرید وفروخت، پانی میں مچھلیوں کی

تجارت، انٹرنیٹ کے ذریعہ معاملات اور اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری رہے ہیں۔

طبی میدان میں جدید اٹھنے والے سوالات جیسے اعضاء کی پیوند کاری، طبی اخلاقیات اور کلوننگ کے موضوعات پر فیصلے کئے گئے۔ جن اصولی موضوعات پر غور کیا گیا وہ تھے، ضرورت و حاجت، عرف وعادت، احادیث ضعیفہ، اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت اور انقلاب ماہیت۔ عبادات کے میدان میں زکوۃ سے متعلق جدید مسائل، اوقات سحر برائے راجستھان اور حج وعمرہ کے مسائل پر غور ہوا۔ ان کے علاوہ مشینی ذبیحہ، رویت ہلال، اتحاد امت اور اراضی ہند کی شرعی حیثیت جیسے اہم موضوعات بھی زیر غور و تحقیق رہے اور ان پر فیصلے کئے گئے۔

سیمیناروں کے نتائج

اکیڈمی کے ان فقہی سیمیناروں کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فقہی سیمینار کے آغاز سے ہندوستان میں عصری مسائل کے شرعی حل کی ایک روشن و تابناک تاریخ شروع ہوتی ہے، ان سیمیناروں نے جہاں ایک طرف اجتماعی غور و اجتہاد کی طرح ڈالی اور منظم طریقہ پر اس مبارک عمل کا آغاز ہوا، وہیں دوسری طرف مسائل کے شرعی حل کے فریضہ کی تسلسل کے ساتھ انجام دہی جاری ہوگئی، تیسری جانب یہاں کے علماء میں جدید موضوعات پر سوچنے، پڑھنے، لکھنے اور تحقیق کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، چوتھی جانب اس نے نوجوان فضلاء کی ایک ایسی اور بڑی تعداد پر مشتمل ٹیم تیار کردی جو کسی بھی نئے سے نئے موضوع پر بالکل جدید اسلوب میں داد تحقیق دینے کی اہلیت رکھتی ہے، پانچویں طرف ان فقہی سیمیناروں نے وہ روح پرور منظر نامہ پیش کیا جہاں علماء دین اور عصری علوم کے حاملین شانہ بہ شانہ بیٹھ کر ایک دوسرے سے افادہ و استفادہ کرتے ہیں، اور آخر میں نہ کہ آخری میں ان سیمیناروں نے عملی طور پر ثابت کیا کہ جدید دور کے کیسے ہی نئے مسائل پیدا ہو جائیں اسلامی شریعت ان میں رہنمائی کی بھرپور اہلیت رکھتی ہے۔

ان سب کے علاوہ عالمی سطح پر ان سیمیناروں کے اجتماعی فیصلوں نے استنادی حیثیت پائی، اور اس کی مثال یہ سامنے آئی کہ پڑوسی ملک پاکستان کی سپریم کورٹ نے سود پر اپنے تاریخی فیصلہ میں فقہ اکیڈمی کے فیصلہ کو بطور سند نقل کیا۔

فقہی سیمیناروں پر گفتگو تشنہ رہے گی اگر ان سیمیناروں کے روح رواں اور اکیڈمی کے

بانی و امین عام جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی عظیم الشان خدمات کے صرف ایک گوشہ یعنی ان سیمناروں میں بحث و مباحثہ کے لئے ان کی زبردست اور جاں گسل ذہنی محنت کی جانب اشارہ نہ کیا جائے ، یہ حقیقت ہے کہ ملک کے مختلف ذوق و مزاج ، مختلف انتسابات ، مختلف فقہی مسالک و مشارب اور مختلف نقطۂ ہائے نظر رکھنے والے اہل علم کو اپنے حکیمانہ اسلوب اور گہرے علم وفہم کے ذریعہ یکجا کر لینا ان کا بے مثال کارنامہ ہے، بڑے اور بہت بڑے ہونے کے باوجود نوجوانوں اور چھوٹوں کو بھی انہوں نے بڑوں کی خدمت میں بٹھا کر اور مواقع دے کر بڑا بنا دیا، سیمناروں کے اندر مناقشہ کو جس انداز سے وہ چلاتے تھے وہ ان کی فقہی بصیرت اور اجتہادی صلاحیت کا روشن مظہر رہا، مسائل کی واضح تنقیح، تفصیل کو سمیٹنا، نقطۂ بحث کو متعین کرنا اور پورے مناقشے کو صحیح رخ پر کنٹرول کرنا ان کا کمال تھا، مناقشہ کے ہال میں کسی کے لئے زبان بندی نہیں تھی، اور نہ کسی رائے کو دوسرے پر زبردستی تھوپنے کی ضد، اتفاق رائے ہوتا تو اتفاق سے، اختلاف باقی رہتا تو اختلاف کے ساتھ فیصلے لکھے جاتے، یہ واقعہ ہے کہ قاضی صاحب مرحوم کی ذاتی قابلیت، صلاحیت اور حکمت نے فقہی سیمناروں کو بے انتہا مفید و موثر بنائے رکھنے میں اہم رول ادا کیا۔

علمی و فقہی تربیت

بانی اکیڈمی حضرت قاضی صاحب کے سامنے فقہی سیمناروں کے ذریعہ مسائل کے شرعی حل کی کوشش کے ساتھ ساتھ یہ ضرورت بھی نمایاں تھی کہ اس عظیم عمل کا تسلسل جاری رہنا چاہئے، اس کے لئے نوجوان فضلاء کی تربیت پر ان کی خصوصی توجہ تھی، سیمناروں میں اور سیمناروں کے ذریعہ تربیت کے علاوہ اس ضمن میں انہوں نے مندرجہ ذیل قدم بھی اٹھائے۔

عربی مدارس میں زیر تعلیم ذہین طلبہ کو عصری علوم کی مبادیات سے واقف کرانے کے لئے بڑے مدارس میں لکچر سیریز شروع کیا گیا، اسکے تحت ملک کے بڑے سترہ مدارس میں یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات کے ذریعہ لکچرس کرائے گئے، جو سماجیات، سیاسیات، نفسیات، اقتصادیات، میڈیا اور جدید تحریکات جیسے عصری موضوعات پر ہوئے، اکیڈمی کے زیر انتظام ہونے والے ان لکچرس سے بہت بڑی تعداد میں طلبائے مدارس نے فائدہ اٹھایا۔

مدارس کے فائق طلبہ کی ذہنی وعلمی تربیت کے لئے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ ان کے لئے تربیتی کیمپ لگائے گئے جن میں تمام سہولیات فراہم کر کے شرعی وعصری موضوعات پر خطابات کرائے گئے اور طلبہ کے درمیان متنوع مسابقتی وثقافتی پروگرام کئے گئے، ایسا پہلا کیمپ ستمبر ۹۲ء میں، دوسرا جون ۹۳ء میں اور تیسرا ستمبر ۹۳ء میں لگایا گیا۔

تربیت کی ایک اور مفید شکل اپناتے ہوئے منتہی درجات کے طلبہ کے درمیان بین المدارس فقہی مذاکرہ کا پروگرام بنایا گیا، اور اوقاف کے موضوع پر اردو اور عربی میں مفصل مقالات بالکل جدید اسلوب میں لکھائے گئے، فاضل طلبا نے بڑے ذوق وشوق سے انیس مقالات لکھے، دارالعلوم وقف دیوبند میں ان کے درمیان فقہی مذاکرہ کا انعقاد کیا گیا، اور انھیں انعامات سے نوازا گیا۔

ایسا ہی ایک کام یہ کیا گیا کہ اکیڈمی کے ذریعہ دوسالہ تربیتی کورس کا اعلان کیا گیا اور انٹرویو کی بنیاد پر باصلاحیت ومحنتی فضلاء کا انتخاب کیا گیا اور انہیں دیگر سہولیات کے علاوہ اسکالرشپ بھی دے کر مختلف موضوعات پر مطالعہ وتحقیق اور نئے مسائل کے حل کی تلاش وجستجو کی تربیت دی گئی۔

ترجمہ کتب

اکیڈمی کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ عربی زبان میں انجام پانے والی جدید تحقیقات کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے تاکہ اردو داں حلقہ اس سے مستفید ہو سکے، اس ضمن میں اہم عربی کتب کا انتخاب کر کے ان کے اردو تراجم کا کام شروع کرایا گیا، چنانچہ ''اسلامی شریعت کا عمومی نظریہ'' اور ''فقہ اسلامی کی نظریہ سازی'' کے موضوع پر عربی سے اردو ترجمہ جناب مولانا عتیق احمد قاسمی مدظلہ کے قلم سے مکمل ہوا اور شائع کیا گیا، چند چھوٹے کتابچے بھی ترجمہ کرا کر شائع کئے گئے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی دنیائے اسلام میں قائم فقہی اکیڈمیوں کے فیصلوں کے اردو ترجمہ کی تھی، جس کا آغاز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تحت قائم المجمع الفقهي الاسلامی کے تمام فیصلوں کے ترجمہ سے ہوا، راقم سطور کے قلم سے یہ ترجمہ شائع ہو چکا ہے، اور مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ کے فیصلوں کا ترجمہ زیر اشاعت ہے۔

اسلامی قانون کا انسائیکلو پیڈیا

حکومت کویت کی وزارت اوقاف کی جانب سے انجام پانے والا یہ کام دنیائے علم فقہ کی پہلی عظیم الشان خدمت ہے جو مکمل ہونے جارہی ہے، اس میں حروف تہجی کی ترتیب سے فقہی مسائل پر چاروں فقہی مسالک کی آراء اوران کے دلائل کوان کی مستند کتابوں سے نکال کر جدید اسلوب میں جمع کیا گیا ہے، جس میں پہلے ہرلفظ کی لغوی پھر اصطلاحی تعریف، پھراس سے مشابہت رکھنے والے الفاظ اوران کا باہم فرق ذکر کیا جاتا ہے، اسکے بعد تفصیل کے ساتھ اس سے متعلقہ شرعی احکام مع دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

ایسی کئی کوششیں پہلے بھی شروع ہوئی تھیں، لیکن تکمیل کا سہرا اس کویتی ''موسوعہ فقہیہ'' کے سر بندھا ہے، اس کا اردو ترجمہ ایک بڑا نازک اور بڑی ذمہ داری والا کام تھا، لیکن یہ کام جتنا بڑا تھا اتنا ہی حیرت انگیز یہ امر ہے کہ قاضی صاحب مرحوم کی مسلسل محنت، بے انتہا لگن اور دلچسپی کی وجہ سے چالیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اس عظیم ترین موسوعہ فقہیہ کا اردو مستند ترین ترجمہ مکمل ہوا چاہتا ہے، واضح رہے کہ ہر ترجمہ کے ایک ایک لفظ کو ایک بارنظر ثانی، تین بار تصحیح اور دو بارنظر نہائی کے مرحلہ سے گذارا جاتا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی طبع ہونے والا یہ فقہی انسائیکلو پیڈیا فقہ اکیڈمی کا ایک بڑا کارنامہ اور اسکے بانی حضرت مولانا قاضی صاحب مرحوم کی خدمات جلیلہ کا ایک تابناک صفحہ ہوگا۔

تحقیق مخطوطات

قاضی صاحب مرحوم کی دلچسپی کا ایک خصوصی میدان فقہی مخطوطات کی تحقیق کا تھا، آپ کی اپنی تحقیق شدہ کتاب ''صنوان القضاء'' چار ضخیم جلدوں میں تو طبع ہو چکی ہے، لیکن اکیڈمی کے ذریعہ دو فقہی مخطوطات پر تحقیقی عمل اختتام کے مرحلہ میں ہے، صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی کی یہ دونوں کتابیں مختارات النوازل، اور التجنیس والمزید، انشاءاللہ جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم کو شادکام کریں گی۔

مطبوعات

علم وفن اور علمی تحقیقات وقتی شئ نہیں ہوتیں، وہ تاریخ کا ایک سرمایہ ہوتے ہیں جن سے

آنے والی نسلیں بھی مستفید ہوتی رہتی ہیں، اکیڈمی نے اس میدان کو بھی اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا، چنانچہ سیمناروں میں پیش ہونے والے مقالات و بحوث، ان کے مناقشے، طے پانے والے فیصلے اور مناقشات، اسی طرح دیگر تحریروں کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا، یہ تحریری سرمایہ ضخیم فقہی مجلات اور مخصوص موضوعات پر کتابوں کی شکل میں طبع ہو چکا ہے، اور اچھا خاصا حصہ ابھی منتظر اشاعت ہے۔

ممتاز فتاوی کی اشاعت کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کے منتخبات نظام الفتاوی کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ دیگر جدید موضوعات پر کتابیں اور کتابچے بھی طبع ہوئے، نیز اکیڈمی کے سیمناروں میں ہونے والے تمام فیصلے یکجا صورت میں اردو، عربی، انگریزی، ہندی، فارسی، ملیالم اور کئی دیگر زبانوں میں شائع کئے گئے ہیں۔ بعض اہم موضوعات پر عربی زبان میں بھی کتابیں طبع کی گئی ہیں، اسی طرح میڈیکل ایشوز پر انگریزی زبان میں بھی کتاب شائع ہوئی ہے۔ اکیڈمی کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد پچاس سے زائد ہے، لیکن غیر مطبوعہ مسودات کا جو ذخیرہ اکیڈمی کے ریکارڈ میں محفوظ ہے وہ بہت ہی اہم ہونے کے ساتھ خاصی تعداد میں ہے، ان کی جلد اشاعت علمی دنیا کی بڑی خدمت ہوگی۔

دار الافتاء

اکیڈمی نے روز مرہ کے عام مسائل میں رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اپنے یہاں دار الافتاء بھی قائم کیا، جہاں سے بذریعہ ڈاک اور دستی استفتاءات کے جوابات دئے جاتے ہیں، اور عمومی رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔

اکیڈمی انٹرنیٹ پر

جدید ذریعہ ابلاغ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اکیڈمی کا ویب سائٹ انٹرنیٹ پر کھولا گیا، ifa-india.org کے عنوان سے اس ویب سائٹ پر اکیڈمی کی سرگرمیوں کے تعارف کے علاوہ اس کے تمام فیصلے انگریزی اور عربی میں ڈالے گئے ہیں، اکیڈمی کے ای میل پر بھی سوالات بکثرت آتے ہیں اور ان کا جواب دیا جاتا ہے، حضرت قاضی صاحب مرحوم کا نقطہ نظر ہر صالح، جدید وسیلہ سے بھرپور استفادہ کا تھا، اور انٹرنیٹ کے ذریعہ اکیڈمی کی خدمات سے عالمی سطح پر استفادہ ان ہی کے ذہن بلند کا عکاس ہے۔

اکیڈمی کے عالمی روابط

بانی اکیڈمی حضرت قاضی صاحب مرحوم کی عالمی شخصیت اور اکیڈمی کے ذریعہ انجام پانے والی ان بیش بہا خدمات کی وجہ سے اکیڈمی کا نہ صرف اچھا تعارف عالمی سطح پر قائم ہوا بلکہ عالمی اداروں نے اکیڈمی کے ساتھ علمی روابط استوار کئے، تبادلہ خیال اور مطبوعات کا باہمی استفادہ عام ہوا اور اس کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

آخری بات

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے سنہرے خوابوں کی عملی تعبیر ہے، ان کی جہد اور عمل بھری زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، ان کی فقیہانہ بصیرت اور مجتہدانہ خدمات کی کھلی کتاب ہے، ان کے سوز دروں، بے چینی اور خلوص کا مظہر ہے، ان کے عزم وحوصلہ، وسیع النظری اور آفاقی فکر کا اظہار ہے، ان کی وسیع القلبی، وسیع النظری اور صبر وتحمل کی آئینہ دار ہے۔ وہ خوش قسمت تھے کہ ان کا نخل آرزو ان کی نگاہوں کے سامنے برگ وبار لایا، ان کی روح شادکام گئی ہوگی، بارگاہ ایزدی میں اپنی عظیم خدمات کے شیریں ثمر سے بہرور ہورہی ہوگی۔ بستر مرگ پر ان کی درد بھری یہ امانت میرے گوش نے نہاں خانہ دل میں محفوظ کیا ہے، جو بستر مرگ پر ہی ان کے ہاتھوں میں آنے والی اپنی آخری تصنیف کے چند حرفی دیباچہ میں ان کی حیات کے آخری کلمات کے بطور محفوظ ہوگیا ہے، خدا اس درخت کے ہمیشہ پھلتے رہنے والے پھلوں سے ان کی روح کو مسرور رکھے۔

آمین۔

محمد اسجد قاسمی ندوی ☆

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

۴/اپریل ۲۰۰۲ء کی شام حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ کی شام زندگی اور صبح دوام زندگی بن کر طلوع ہوئی..... جس نے سنا دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا، ایک سناٹا سا چھا گیا، طوفان حوادث میں بھی ہمہ دم ضوفشاں شمع گل خاموش ہوگئی۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت قاضی صاحب کی جامع کمالات شخصیت کی حیات کا ہر پہلو قابل صد رشک وفخر ہے، اور ع سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑیں داستاں کیسے۔ کس کا ذکر کیا جائے اور کسے چھوڑا جائے، ہر گوشہ بے پناہ کشش رکھتا ہے اور بزبان حال کہتا ہے کہ جا ایں جا است... عظمتیں متنوع ہوتی ہیں، کچھ عظمتیں مانگے ہوئے مستعار کپڑوں اور سامانوں کی طرح آتی چلی جاتی ہیں، مگر کچھ عظمتیں اتنی پائیدار اور جاوداں ہوتی ہیں کہ وہ کبھی فنا نہیں ہوتیں، سراپا اور اندرون کی عظمت، لافانی کارناموں اور بے مثال خدمات کی عظمت ہمیشہ تروتازہ اور باقی رہتی ہے۔ وہ کبھی کہنہ اور فنا نہیں ہوتی۔ تفقہ، علمی بصیرت اور گیرائی، جوش خطابت، وفور معلومات، شوخی گفتار، علمی انہماک وشغف، جاں سوزی، تحریر وتصنیف، تحقیق وتدقیق اور نہ جانے کتنی عظمتیں اور کمالات ان کی ہشت پہلو شخصیت میں قسام ازل نے جمع کئے تھے اور بقول عربی شاعر۔

ولولا بدائع صنع الله ما نبتت
تلک الفضائل فی لحم ولا عصب

حضرت قاضی صاحب کی ایک امتیازی خصوصیت جس میں مشکل ہی سے ان کا کوئی شریک وسہیم نظر آتا ہے وہ ان کا زہد واستغناء ہے، دنیا اور متاع دنیا سے ان کا بے نیازی وبے زاری کا رویہ

☆ استاذ دارالعلوم الاسلامیہ بستی

زندگی کے آخری دن تک قائم رہا، مال ودولت کے ڈھیر اور انبار ان کے قدموں میں پڑے تھے، دنیا بہت جھک کر ان کے پاس آگئی تھی مگر ان کا قلندرانہ انداز اور مؤمنانہ کردار کبھی سر مو بھی نہ بدلا، قرآنی اصول ﴿قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقی ولا تظلمون فتیلا﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے، اور آخرت ایک خداترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ظلم ایک شمہ برابر بھی نہیں کیا جائے گا) اور ﴿لا تغرنکم الحیاۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور﴾ (دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے) ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے، اسی لیے جہاں جہاں انہوں نے اپنی بات رکھی وہ تلخ نوائی کے باوجود سنی گئی اور اثر انداز ہوئی۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ زہد وتقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے، ان کا زہد حقیقی تھا، دنیا سے بالکل ناآشنا اپنی ذات کے حصار میں چکر لگا کر رہ جانے والوں کا زہد نہیں تھا، وہ دنیا سے بخوبی آشنا تھے، ان کا زہد محرومی کا ردِ عمل نہیں تھا، دل کی پاکیزگی اور قلب کی شفافیت کا نتیجہ تھا۔

ان کا دوسرا کلیدی امتیاز بے باکی اور جرأت ہے، یہ وہ جنس ہے جو گرانمایہ اور کم نہیں بلکہ اب نایاب ہوتی جارہی ہے، ملت کو درپیش مسائل میں اصحاب اقتدار اور فرقہ پرست طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت سے اپنا موقف واضح کردینا اور انہیں خاموش ولا جواب کردینا ان کا امتیازی خاصہ تھا، بیماریوں، کمزوریوں اور جسمانی تکلیفوں کے باوجود ع کس قدر بے باک روح اس ناتواں پیکر میں تھی۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے بارہا ان کی جرأت وبے باکی کے مظاہرے سب کے سامنے آتے رہے، انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

خردنوازی بھی ان کی ایک ایسی خوبی تھی اور ادا تھی جس کی مثال خال خال ہی ملتی ہے، مجھے بخوبی یاد ہے کہ اسلامی فقہ اکیڈمی کے زیراہتمام تربیتی کیمپس کے پروگرام کے تحت دوسرا تربیتی کیمپ دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں لگایا گیا تھا، میں ان دنوں ہدایہ اولین کا طالب علم تھا، حضرت قاضی صاحب نے مجھے بلایا، امتحان لیا، نواقض وضو کی بحث پوری مجھے دوبارہ سمجھائی، پھر اسے زبانی تفصیل سے سنا اور ہر مسئلہ کو دلیل کے ساتھ منضبط رکھنے کی تاکید فرمائی، اسی موقعہ پر برجستہ تقریری

مقابلہ بھی منعقد ہوا تھا، مجھے اس میں حصہ لینے سے خوف محسوس ہو رہا تھا، حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ تم کو ضرور حصہ لینا ہے، اور جب عنوان متعین ہو جائے تو فوراً مجھ سے ملنا، میں تمہیں طریقہ بتاؤں گا، مقابلہ کے آغاز سے آدھا گھنٹہ قبل موضوع بتایا گیا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرا موضوع ''استقامت وعزیمت'' سے متعلق تھا، جب الحکم میں حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، دس منٹ تک انہوں نے تنہائی میں میرے سامنے تقریر فرمائی جس میں استقامت کا مفہوم، سلف خصوصاً امام احمد بن حنبلؒ کے واقعات وغیرہ کا ذکر فرمایا، ان کا اندازِ تفہیم اتنا دل نشیں تھا کہ یہ خاکسار ان کی باتوں کو ذہن نشیں کرکے ان کی تحریک وتشجیع کی بنیاد پر برجستہ مقابلہ میں شریک ہوا اور غالباً دوسری یا تیسری پوزیشن بھی حاصل کی۔

آل انڈیا ملی کونسل نے جس کے وہ روحِ رواں اور قائد وبانی تھے پورے یوپی کا ہنگامی دورہ ایک کارواں کی شکل میں کیا تھا، اپنی بیماریوں اور تمام تر عوارض کے باوجود حضرت قاضی صاحبؒ اس میں شریک تھے، اس دورہ میں حضرت قاضی صاحب بستی بھی تشریف لائے، ظہر کے بعد معززین شہر اور دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ سے مسجد میں ان کا خطاب ہوا، بگڑتی صورت حال سے ان کی دل گرفتگی ان کی گفتگو کے ہر جملہ سے جھلک رہی تھی، انہوں نے فارسی کے ایک اچھوتے شعر سے اپنے خطاب کا آغاز بڑی بھرّائی ہوئی آواز میں کیا تھا اور حاضرین کو جھنجھوڑ ڈالا تھا، مجھے وہ شعر یاد رہ گیا۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے ست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

اسی دن رات کو بہرائچ میں جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا، بستی سے بہرائچ کا طویل سفر انہوں نے بذریعہ جیپ بائی روڈ طے کیا، ان کے حکم پر دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ کا ایک وفد ان کے ہمراہ گیا، اس خاکسار کو بھی ہمرکابی کی سعادت میسر ہوئی، بہرائچ میں ان کی تقریر میں گویا آمد ہی آمد تھی، جو آورد سے بالکل خالی تھی، بے پناہ مجمع تھا جس پر سکتہ طاری تھا، وہ اپنے دل کے سوز اور تپش کو الفاظ کا پیرہن کچھ یوں دے رہے تھے کہ سب دم بخود تھے، سب پر سکتہ طاری تھا، اس خطاب نے لوگوں کے دلوں کے تار چھیڑ دیئے تھے، بیداری، حرکت، جذبہ عمل اور جدوجہد کے لیے میدان

میں اترنے کی صدا قاضی صاحب نے لگائی تھی جس کے بڑے گہرے اثرات بعد میں نظر آئے۔

غالباً جنوری ۱۹۹۹ء کی بات ہے، میں کسی ضرورت سے دہلی گیا ہوا تھا، حضرت قاضی صاحب سے ملاقات اور زیارت کے لیے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی، بے پناہ مشغولیات کے باوجود میری تازہ مطبوعہ کتاب ''عظمت عمر'' کو دیر تک ملاحظہ فرماتے رہے، ان کا سراہنے اور جذبۂ عمل ابھارنے کا انداز بھی انوکھا اور نرالا تھا، فرمانے لگے کہ ''تم نے بڑا اچھا کام کیا ہے، اب ایک کام میں تمہیں دیتا ہوں، گویا تمہارا امتحان ہے، گیارہویں سمینار کے سوال نامہ کا تم جواب لکھو اور سمینار میں شرکت کرو، میں خود تمہارے جوابات چیک کروں گا'' اس کے بعد سوال نامہ منگوا کر مجھے دیا، دعائیں دیں، ان کی دعاؤں کا ذخیرہ لے کر میں واپس ہوا۔

بڑی محنت وعرق ریزی سے کفاءت اور ولایت فی النکاح کے موضوع پر اپنا مقالہ تیار کیا، اپریل ۹۹ء کے وسط میں پٹنہ میں گیارہویں فقہی سمینار میں حاضر ہوا، حضرت قاضی صاحب سے ملاقات کی، اپنا مقالہ پیش کیا، انہوں نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا، کچھ حصے دیکھ کر اپنی فائل میں رکھ لیا، اسی موقع پر اپنی بعض کتابیں بھی عنایت فرمائیں اور مستقل علمی کاموں میں انہماک کی ہدایات بھی دیں اور دعائیں بھی۔ بارہواں فقہی سمینار دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں منعقد ہوا، ہم خدام کو اس موقعہ پر حضرت قاضی صاحب کے پانچ روزہ طویل قیام کے دوران خدمت کا شرف حاصل رہا، انہیں کھانا اور ناشتہ وغیرہ کرانے کی خدمت میرے سپرد تھی، اس لیے اس دوران مختلف موضوعات پر قاضی صاحب سے بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوئیں، انہوں نے اپنے متواضعانہ اور محبت آمیز انداز سے ہم خردوں کو بھی بہت بے تکلف کر دیا تھا، ہم بے جھجک سوالات کرتے تھے اور وہ بڑی بشاشت اور فراخ دلی سے اس کے جوابات دیتے تھے، اس پانچ روزہ قیام کے بعد وہ تشریف لے جانے لگے تو خدا گواہ ہے ہم خدام کو اتنا ملال اور غم ہوا کہ اسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کا اٹھتے وقت یہی عالم ہوتا تھا، یہ ان کی ہر دلعزیزی، محبوبیت اور کشش بے پناہ کا ثمرہ ہوتا تھا۔

اس کے بعد دہلی کے ہر سفر میں ان سے ملاقات کی سعادت ملتی رہی، اور ہر بار ان کا وہی انداز اور وہی شفقت ومحبت نظر آئی، ایک دور وہ آیا کہ وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر منتخب ہوئے، بیماریوں اور امراض نے ان کو گھلا ڈالا تھا، لیکن ہجوم کار بڑھتا ہی جارہا تھا سمٹنے اور کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا، علمی، فقہی، ملی ودینی خدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ بقیہ ص: ۲۰۵ پر

مولانا رضوان احمد ندوی ☆

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
اپنے خطبات کے آئینے میں

دنیا میں خطابت، دعوت و تبلیغ کا نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ ابلاغ رہا ہے، دلکش اسلوب بیان سے مافی الضمیر کو ادا کرنا گویا داعی کا طرہ امتیاز ہوتا ہے، خود انبیاء کرام نے رشد و ہدایت کی تلقین مؤثر خطبات کے ذریعہ ہی انجام دی، اور لاکھوں گم کردہ راہ لوگوں کو صراط مستقیم پر لگایا، بعض پیغمبر تو ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنے رب سے شرح صدر اور قوت گویائی کی باضابطہ تمنا اور دعاء کی تھی، حضرت موسیٰ نے دعا کی: رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی (سورۃ طہ) (اے اللہ میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو آسان فرما اور میری زبان کی لکنت کو دور فرمادے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں) گویا خطابت ہر زمانہ میں ایک مسلمہ مؤثر ذریعہ افہام و تفہیم رہا ہے، اب جو خطیب و داعی اپنی دعوت و اصلاح کو جس قدر موثر طریقے سے پیش کرنے میں مہارت رکھتا ہے، سامعین پر اس کے ایسے ہی مثبت اور خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ طاقت زبان اور قوت بیان، بے مثال حافظہ کی نعمت، کامیاب اور مؤثر خطابت کے اجزاء ترکیبی ہیں، قدرت نے ہمارے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو جہاں متنوع کمالات وصفات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا وہیں بے مثال قوت حافظہ کے ساتھ تقریر و بیان میں بھی انہیں بڑا کمال عطا فرمایا تھا، سادہ الفاظ، برمحل تشبیہات، واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو اس طرح ذہن نشین کرا دیتے تھے کہ سامعین دو دو تین تین گھنٹے سراپا گوش بنے رہتے تھے، مگر وہ عام واعظوں اور مقرروں کی طرح قصہ کہانیوں سے بالکل اجتناب کرتے ان کی تقریر صرف تاریخی واقعات و معلومات کا بیش بہا خزینہ ہوتی موقع و محل اور موضوع کی مناسبت سے گفتگو کرتے

☆ سب ایڈیٹر، نقیب، پٹنہ

اور چند لمحوں میں ہی سامعین پر اس طرح چھا جاتے کہ مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ دماغ کے راستوں سے دل کے دروازوں تک جا پہونچے ہیں اور اس کو دستک دے رہے ہیں، اور دکھی انسانیت کی رگوں میں خون کی نئی حرارت وگرمی پہونچا رہے ہیں۔

اگر چہ ان کی زندگی کے ابتدائی دور میں اس ملکہ کا اظہار نہیں ہونے پایا تھا لیکن جب ۱۹۶۱ء میں وہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ سے منسلک ہوئے اور ان کی عوامی زندگی کا آغاز ہوا تو اس ملکہ خداداد کو پوری نشوونما حاصل ہوئی، اسلامک فقہ اکیڈمی (۸۹ء) مسلم مشاورت (۶۵ء) مسلم پرسنل لاء بورڈ (۷۲ء) اور ملی کونسل (۹۲ء) کے قیام کے بعد ان کی تقریروں اور خطبات نے خاص طور پر اہمیت حاصل کی اور وہ ہندوستان کے بے مثال اور بے نظیر خطیب کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے لگے۔

۱۹۷۳ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل کے بعد انہوں نے پورے ملک کا دورہ کیا، متبنی بل، یکساں سول کوڈ اور شاہ بانو کیس کے تعلق سے انہوں نے تحریکیں چلائیں اور قانون اسلامی کے تحفظ، ملی شناخت کی حفاظت اور قانون ساز اداروں کے ذریعہ اس میں مداخلت کے خلاف بے شمار مؤثر تقریریں کیں، جن سے مسلمانوں کے اندر اسلامی حمیت اور دینی غیرت کا جوش و جذبہ بیدار ہوا، اور اسلامی تشخص کی نگہداشت کے لیے سینہ سپر رہنے کا حوصلہ پیدا ہوا، اور یہ کہنا چاہیے کہ انہیں کوششوں کے نتیجہ میں ملک میں رائے عامہ ہموار ہوئی۔

حکومت ہند کو بھی مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا احساس ہونے لگا، ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد کی مکہ مسجد میں ''مسلم پرسنل لاء'' کی دینی اور شرعی حیثیت اور اس کی قانونی و دستوری اہمیت پر حضرت قاضی صاحب کی فکر انگیز تقریر ہو رہی تھی، جہاں علماء و دانشور اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد جمع تھی، مجمع پر سکوت طاری تھا، اس مجلس میں حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب کے علاوہ دیگر اساطین امت و قائدین ملت بھی شریک تھے، جب تقریر ختم ہوئی تو حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ قاضی صاحب کی اس عالمانہ و محققانہ تقریر کے بعد تقریر کرنا قاضی صاحب کی تقریر کے اثر کو زائل کرنا ہے، اور نتیجۃً پھر کسی کی تقریر نہیں ہوئی۔

ایک دفعہ ممبئی میں بورڈ کے ایک اجلاس میں بورڈ کی تحریک کے لیے شہر ممبئی کو منتخب کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے دل نشیں انداز میں بیان فرمایا: ''اس مقدس تحریک کے آغاز کے لیے

ممبئی سے زیادہ کون سا موزوں شہر ہوسکتا ہے کہ مکہ و مدینہ کی گلیوں کو چھوتی ہوئی ہواؤں کا جھونکا سر زمین ہند میں سب سے پہلے اس ساحل کو چھوتا ہے اور ایک صاحب ایمان کو یہاں کی بادِ نسیم میں حجاز مقدس کی خوشبو کا احساس ہوتا ہے۔''

٦/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندوستان کی تاریخی بابری مسجد کا المناک واقعہ پیش آیا اور پھر اس کے بعد ملک میں خوں ریزی و غارت گری کا سلسلہ شروع ہوگیا، جس میں ہزاروں مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اور ان کی معیشت تباہ جس کی وجہ سے پوری دنیا میں مجرمین کی ان حرکتوں سے ملک کی رسوائی ہوئی اور انصاف و قانون اور عدلیہ کا وقار مجروح ہوا، اس پر آشوب اور ہنگامہ خیز دور میں مسلمانوں کے ہمت و حوصلے پست ہونے لگے تھے، حضرت قاضی صاحب نے ملک کے گوشے گوشے کا دورہ کیا، جابجا تقریریں کیں، اور مسلمانوں کو بیدار ملت کی حیثیت سے زندہ رہنے کی تلقین کی اس کی وجہ سے لوگوں کے قدم میں استقامت پیدا ہوئی، عزم و حوصلہ اور خود اعتمادی کی فضا بنی، مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے، خوف و ہراس کی تاریکی چھٹنے لگی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے زلزلے کے بعد زمین میں ہمواری آگئی ہو، حضرت قاضی صاحب نے جس پر سوز انداز بیان میں ملت کی شیرازہ بندی کی اور اجتماعیت کا پیغام دیا وہ آپ کی فکر مندی اور ہمدردی کا آئینہ دار ہے، آپ کے انداز بیان میں جو معروضیت، نقطۂ نگاہ میں جو صلابت و صداقت تھی اس کا احساس آج بھی خطبات بنگلور کے مطالعہ سے کیا جاسکتا ہے جو آپ نے ۱۹۹۷ء میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر دیئے تھے، اور آج وہ کتابی صورت میں موجود ہیں۔

انہوں نے ایک جگہ مسلمانوں کے شعور کو بیدار کرتے ہوئے اور ان میں نظم و اتحاد پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''پس مسلمانوں کا اجتماعی وجود لازم ہے، جائز نہیں کہ مسلمان بغیر امیر و سردار کے رہے، حرام ہے کہ تم انتشار کی زندگی گزارو، نہ انفرادیت حلال، نہ فرقہ بندی حلال، حکومت تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، اقتدار کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، اجتماعی زندگی گزارنا تم پر واجب ہے (خطبات بنگلور ص:۲۷)

انہوں نے مسلمانوں کو دور اندیشی سے کام لینے اور اجتماعیت کے ساتھ ایک دھاگے میں

پرونے کی تلقین کرتے ہوئے اتحاد امت کانفرنس میں زور دے کر کہا کہ:

''یہ سچ ہے کہ مشیت الٰہی بہت دنوں تک ظالموں کو کھلی چھوٹ نہیں دیتی، لیکن اگر مظلوم بھی اپنے احوال کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور ہوشمندانہ، مخلصانہ رہنمائی اور مشوروں کو قبول نہیں کرتا اور اپنے اندر اجتماعیت واتحاد کی اسپرٹ نہیں پیدا کرتا تو اسے میدان ظلمت میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے'' (خطبہ صدارت/ص:۶، ۲۳، ۲۴، مئی ۹۲ء ممبئی)۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے چودہویں اجلاس بنگلور ۲۸/ ۲۹/ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ایسی موثر تقریر کی جس میں انہوں نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا، طویل علالت اور جسمانی نقاہت کی پرواہ کئے بغیر اپنی اس تقریر میں فرمایا کہ:

''جس طرح ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے اور تپتی زمین کو بوندوں کی آمد ایک سچائی ہے، بالکل اسی طرح وحدت انسان بھی ایک سچائی ہے، سچائی وہ قیمتی ہیرا اور موتی ہے جو اگر کیچڑ میں بھی پڑا ملے تو وہ موتی ہی ہے جو ہماری امانت اور حق ہے'' (ماخوذ تقریر بنگلور)۔

ان کی تقریریں ''نقیب'' (پٹنہ) کی فائلوں میں محفوظ ہیں کاش کوئی بندہ خدا اٹھے اور انہیں یکجا کر کے شائع کرنے کی کوشش کرے۔ ◆◆◆◆

بقیہ ص ۲۰۱ جوان سے جڑا ہوا تھا، اور باعث حیرت یہ کہ ہر کام اپنے وقت پر ہو رہا تھا اور اسی شان سے ہو رہا تھا جو اس کا حق تھا، اس عالم میں بھی ان سے ملاقات کرنے والا ہر شخص ان کی محبتوں اور مہربانیوں کا گرویدہ، اسیر اور ثناخواں نظر آتا تھا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف ''من خالطه معرفة أحبه'' کی تجسیم حضرت قاضی صاحب میں نظر آتی تھی۔ ان کی پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں گزری، ان کے اخلاص، ان کی علمی گہرائی وگیرائی، ان کی ہوشمندی ودوراندیشی، وحدت امت کے ان کے جذبہ وفکر اور ان کی تواضع وبے نفسی اور زہد وتقوی نے اس خدمت میں جادو بھر دیا تھا، وہ جہاں تشریف لے گئے سر آنکھوں پر بٹھائے گئے، ہر کہ ومہ کے دل میں وہ اعلیٰ مقام رکھتے تھے، اسی لیے جب وہ اس سفر آخرت پر روانہ ہوئے جہاں سب کو جانا ہے اور جہاں سے کوئی پلٹتا نہیں تو چھوٹے بڑے سب رو پڑے، سب سر پیٹ کر رہ گئے، علم وعمل کا یہ آفتاب تقریباً نصف صدی تک اپنی ضیاشیوں کے بعد غروب ہوگیا۔ ان کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا ایک بساط تہ ہوگئی، اور

ع خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا۔ مگر ان کے کارنامے، قربانیاں، نقوش وخدمات اور افکار ہمیشہ زندہ وپائندہ رہیں گے، وہ تاریکیوں میں منارۂ نور اور سناٹوں میں صدائے حق کا کام کرتے رہیں گے۔

محمد خالد حسین نیموی ☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی اعلیٰ ذہانت اور علمی استحضار کے چند نمونے

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ممتاز خصوصیت سے نوازتا ہے، جن کی بنیاد پر وہ دوسروں پر فوقیت لے جاتے ہیں۔ اور اپنے ممتاز وصف اور غیر معمولی خوبی کے ذریعہ اپنے ہم عصروں پر چھا جاتے ہیں۔ لیکن دوسرے اوصاف میں کوئی خاص انفرادیت نہیں قائم کر پاتے اور اپنے خاص میدان کار کے علاوہ دوسرے میدانوں میں کوئی گہرائی اور دیرپا اثر نہیں چھوڑ پاتے ہیں۔ مگر ان میں سے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کی ہر صفت ممتاز، ہر خوبی نرالی، ہر وصف انوکھا، ہر صلاحیت بے نظیر اور ہر استعداد بے مثال ہوتی ہے۔ وہ ہر میدان میں اپنی انفرادیت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں اور اپنی بے نظیر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے اعلیٰ ترین کارنامے انجام دیتے ہیں، جو انہیں رفعت و بلندی کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیتے ہیں اور وہ عالم فانی سے کوچ کر جانے کے باوجود زبان حال سے یہ اعلان کرتے رہتے ہیں ''ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما''

ثانی الذکر قلیل ترین برگزیدہ افراد میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی شخصیت بھی ہے۔ خدا نے آپ کو گوناگوں خوبیوں اور متنوع کمالات کا جامع بنایا تھا۔ آپ کا یہ وصف نمایاں اور آپ کی شخصیت کو امتیازی مقام عطا کرتا ہے۔ لیکن ان تمام اوصاف میں سے ممتاز وصف آپ کا علمی استحضار، اعلیٰ ترین ذہانت اور بے مثل قوت استدلال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم ثاقب اور فراست کاملہ سے نوازا تھا۔

امام رازیؒ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں غباوت یا کم ذہانت کے ساتھ انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اول قضا دوم طب۔ قاضی اگر غبی ہوگا تو مقدمات کی حقیقی نوعیت اور صورت حال کو نہیں جان سکے گا اور ظالم و مظلوم کے مابین تمیز نہیں کر پائے گا۔ نتیجتاً دادرسی

☆ استاذ دار العلوم الاسلامیہ، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

کرنے والے کو انصاف نہیں مل پائے گا۔ حضرت قاضی صاحب اگر کامیاب ترین قاضی تھے تو اس کی سب سے بڑی وجہ آپ کی اعلیٰ ذہانت اور علمی استحضار تھا۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمہ میں مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے اور مسئلہ کی جڑ اور بنیاد تلاش کر کے مختلف گتھیوں کو سلجھاتے چلے جاتے تھے جن لوگوں نے حضرت قاضی صاحبؒ کے لکھے ہوئے فیصلوں کو پڑھا ہے، وہ اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ قاضی صاحب مشکل سے مشکل مقدمہ میں کس قدر دقیقہ رسی اور غواصی کا ثبوت دیتے ہیں اور ممکنہ نکات میں سے ایک ایک کو اجاگر کر کے کس طرح صحیح فیصلہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ کی اسی غیر معمولی صفت سے متاثر ہو کر امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے فرمایا کہ ''عام لوگوں کے برعکس قاضی صاحب کے ذہن کے تمام دریچے کھلے ہوئے اور روشن ہیں۔''

مشہور مورخ شیخ اکرام نے ہندوستان کے عہد غلامی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس زمانے میں علمی لحاظ سے عظیم اسلامی یونیورسٹی ''دارالعلوم دیوبند'' کی شکل میں وہ کارنامہ انجام پذیر ہوا، جس کی نظیر مسلم عہد حکمرانی کے تاباں دور میں بھی نہیں ملتی۔ ٹھیک اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ آزاد ہندوستان میں نظام امارت اور قضا کی شکل میں ایسا مکمل اور مستحکم نظام رواج پایا جس کی نظیر مشکل ہی سے ہندوستان کے مسلم عہد حکمرانی میں مل سکے گی، تو اسے مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس نظام کو متعارف کرانے، اس کو مستحکم کرنے اور اسے علمی وفکری غذا فراہم کرنے میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ذہانت، فکر عمیق اور بلند پرواز دماغ کا بڑا دخل تھا۔ آپ کی وسعت نظری و دور اندیشی سے ملت اسلامیہ نے بہت سے نازک مراحل پر فائدہ اٹھایا اور اس پر آنے والی کئی مصیبتیں ٹل گئیں۔ ''دارالقضاء'' کے سلسلے میں جب کوئی نامۂ نگار آپ سے انٹرویو کرتا اور سوال کرتا کہ ''دارالقضا'' کیا ہے؟ تو آپ کا محض ایک جملے میں جواب ہوتا کہ دارالقضا ایک کورٹ اور عدالت ہے۔ ساتھ ہی نامہ نگار کو سختی سے تاکید فرماتے کہ میرے جواب میں اپنی طرف سے ''اسلامی'' یا شرعی کورٹ جیسے الفاظ کا اضافہ مت کرنا۔ یہ شدت احتیاط صرف اس وجہ سے تھی کہ فرقہ پرست اور اسلام دشمن عناصر اس کا غلط فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اور اسے عدلیہ کا متوازی کورٹ قرار نہ دیا جا سکے۔

ان کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ بعض ایسے مشکل اور نازک سوالات جو غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے اٹھائے جاتے اور بڑے سرکردہ علماء اس کے جواب میں پریشان نظر آتے ہیں، اس سوال

کو قاضی صاحبؒ اپنے علمی استحضار اور دل نشین انداز بیان سے اس طرح حل فرمادیتے گویا کہ وہ کوئی مشکل سوال ہی نہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں کلکتہ میں ''متبنی بل'' کے حوالے سے کنونشن کا انعقاد ہوا جس میں اکابر علماء کے علاوہ بڑی تعداد میں غیر مسلم دانشوران اور ممبران پارلیمنٹ شریک تھے۔ اس میں ''متبنی بل'' پر بحث ہورہی تھی اور علماء کرام اس کو اسلامی قانون میراث کے خلاف قرار دے کر مسترد کررہے تھے۔ اسی درمیان ایک غیر مسلم دانشور نے یہ سوال اٹھایا کہ آپ حضرات نے ''متبنی بل'' کو مسترد کردیا تو پھر لاوارثوں کے لیے آپ کے پاس کیا قانون ہے؟ اور اس کے لیے کیا انتظام ہے؟ علماء اس سوال پر متفکر ہوئے، لیکن حضرت قاضی صاحب نے برجستہ انداز میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسلام میں کوئی لاوارث سرے سے ہے ہی نہیں؟ تو پھر لاوارثوں کے لیے الگ سے مستقل قانون کی ضرورت کیا؟! جب لوگ اس جواب پر حیران ہوئے تو آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی نظر میں کوئی لاوارث اس لیے نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا ولی من لا ولی له یعنی جس شخص کا ولی کوئی نہ ہو، اس کا ولی میں ہوں۔ تو اسلام کی نظر میں جس کا کوئی ولی نہ ہو امیر اور حکومت اس کا ولی ہے۔ اور اس کے امور کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر حکومت اس سلسلے میں پہلو تہی کرتی ہے تو اس کے لیے وہ جواب دہ ہے۔ اس پر سامعین نہ صرف مطمئن ہوگئے، بلکہ قاضی صاحب کے بے نظیر علمی استحضار پر عش عش کرنے لگے۔

اس طرح جامعہ ملیہ اسامیہ دہلی میں ''مسئلہ کفائت اور اسلام'' کے موضوع پر ایک کنونشن منعقد ہوا، جس میں حضرت قاضی صاحب بطور خاص مدعو تھے۔ اس کنونشن میں دانشور اور پروفیسر حضرات بڑے شد ومد کے ساتھ مسئلہ کفائت کی مخالفت کررہے تھے اور اسے اسلام کے تصور مساوات کے خلاف قرار دے رہے تھے۔ لیکن اخیر میں قاضی صاحب نے مسئلہ کی ایسی مدلل اور دلنشیں وضاحت فرمائی کہ مجمع کا رخ یکسر بدل گیا۔ آپ نے فرمایا: کہ کفائت ایک فطری امر ہے۔ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہم اپنے لباس کے انتخاب میں میچنگ کا خیال رکھتے ہیں اور ہماری خواہش ہوتی ہے کہ قمیص و کرتا جس طرح ہو، پاجامہ و پتلون بھی اسی کے مناسب ہو، ٹھیک اسی طرح اللہ تعالی نے عورتوں کو مردوں کے لیے اور مردوں کو عورتوں کے لیے لباس قرار دیا ہے اور فرمایا: هن لباس لکم و انتم لباس لهن لہٰذا زوجین کے درمیان کفائت اور نسبی مساوات نہ صرف یہ کہ مستحسن ہے، بلکہ فطری اور لابدی ہے،

تاکہ ازدواجی زندگی ہم آہنگی اور محبت کے ساتھ بسر ہو سکے۔ اس شافی بیان سے تمام لوگوں کے شبہات زائل ہو گئے۔ اور دانشور حضرات نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، ہم نے کبھی اس زاویے سے اس مسئلہ پر غور وفکر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اسلام کی بہترین ترجمانی پر قاضی صاحب کو آفریں بھی کہا۔

صلاحیت مند تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں، لیکن ایسے افراد بہت کم ہوتے جن کا علم ہمہ وقت متحضر اور بروقت و برمحل اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرسکیں۔ بہت ممکن ہے کہ قاضی صاحب کے معاصرین میں کچھ حضرات صلاحیت وقابلیت میں آپ سے فائق ہوں لیکن جہاں تک علمی استحضار اور عالمانہ بصیرت کا تعلق ہے، تو اس وصف میں قاضی مجاہدالاسلام طاق تھے، کوئی آپ کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا۔ اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ اندرا گاندھی کے دور حکومت میں جب حکومت اور اس کی مشنریاں ''نس بندی'' کے جبری نفاذ پر بہت زور دے رہی تھیں، تو سر کردہ علماء و مسلم دانشوروں نے اس مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے لیے دہلی میں ایک اجلاس کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ اجلاس مہندیان میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جدید تعلیم یافتہ دانشوران سمیت کئی ایسے جید علماء نے آبادی پر کنٹرول کرنے اور غریبی دور کرنے کو بنیاد بنا کر ''نس بندی'' کے جواز پر تقریر کی، جن کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ جن کی وجہ سے مجمع میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ بالآخر حضرت قاضی صاحب نے آیت کریمہ ''لا تقتلوا اولادکم خشیۃ إملاق نحن نرزقهم وإیاکم ان قتلهم کان خطأ کبیرا'' (الاسراء۳۱) (تم مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مارڈالو ہم روزی دیتے ہیں انہیں بھی اور تم کو بھی، بیشک ان کا مارنا بڑی خطا ہے) کی روشنی میں ''نس بندی'' کی حرمت پر فاضلانہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ظاہری طور پر نس بندی ایک احتیاطی تدبیر ہے۔ لیکن اگر باریک بیں نظروں سے دیکھا جائے تو یہ نسل کشی ہے۔ جس طرح باغباں پھول اور کلیوں کے جھاڑنے والے کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو پھل توڑنے والے کے ساتھ کرتا ہے، اسی طرح آنے والے ایک متوقع بچے کو آمد سے قبل ہی کچل دینے والا عنداللہ ویسی ہی سزا کا مستحق ہے جس کا مستحق قاتل ہے۔ آپ کی اس زوردار اور مدلل تقریر سے جملہ حاضرین کے شبہات زائل ہو گئے۔

مقاصد شرع کے ساتھ ساتھ کتب فقہ کی اہم عبارتیں اور ان کی جزئیات بھی قاضی صاحب کو اس قدر متحضر تھیں کہ عام حالات کے علاوہ ہنگامی حالات میں بھی نہ صرف یہ کہ ان سے کام لیتے،

بلکہ انہیں موقع ومحل پر فٹ بھی کر دیتے جو یقیناً کسی فقیہ کامل کا ہی خاصہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۹۸ء میں کاروان آزادی جب آپ کی زیر قیادت پورے ہندوستان کا دورہ کرنے کے بعد دیوبند پہنچا، تو آپ کے استقبال میں دارالعلوم وقف کے دارالحدیث میں اجلاس منعقد ہوا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سنکر طلبہ ومعززین شہر کی جم غفیر جمع ہوگئی۔ حضرت جب تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو مجمع آپ کے دیدار کے لیے بیتاب ہوگیا۔ اور ہال کی تنگی کی وجہ سے دور بیٹھے سامعین کے لیے آپ کو دیکھنا مشکل ہوگیا، تو آپ نے ان کی بے چینی کو محسوس کر کے انہیں تسلی دیتے ہوئے برجستہ فرمایا: ''النائی کالقریب ''یعنی جو دور ہیں وہ قریب کے حکم میں ہیں۔ (یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''کنزالدقائق'' کا جزئیہ ہے) یہ سن کر مجمع پرسکون ہوکر ہمہ تن گوش ہوگیا۔

اسی طرح سہارنپور میں کاروان آزادی کے استقبال میں منعقدہ ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کل مغرب کی طرف سے حریت وحقوق کے بلند بانگ نعرے لگائے جارہے ہیں۔ اوراس حوالے سے اسلام پر تنگ نظری کا بے جا الزام بھی لگایا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حریت وآزادی اور حقوق انسانی کا سب سے بڑا علم بردار اسلام ہے۔ آزادی کا پہلا درس اسلام نے انسانیت کو سکھایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''**کلکم من آدم و آدم خلق من تراب** ''تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ مساوات ووحدت انسانیت کا پہلا ستون تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے ارشاد: **متی جعلتھم عبیدا وقد ولدتھم امھاتھم احرارا**۔ ''تم نے انہیں غلام کیوں بنالیا جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنم دیا۔۔۔ نے اس نظریہ کو مزید مستحکم کیا۔ لہذا مسلمانوں کو اقوام مغرب کی جانب سے آزادی کا کوئی نیا سبق پڑھانے کی قطعا کوئی ضرورت نہیں۔

علم وتحقیق کی دنیا میں کتابوں کے جلیل القدر مصنفین کی تاریخ پیدائش، سنہ وفات، نسبت اور جائے پیدائش کو یاد رکھنا نسبتا ایک مشکل کام سمجھا جاتا ہے، بعض خاصے ''ذی علم'' افراد کے لیے صرف مصنف کا نام یاد رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت قاضی صاحب اس میدان میں بھی دوسروں سے ممتاز تھے۔ انہیں نہ صرف یہ کہ مصنفین کے نام اور سنین پیدائش ووفات متحضر ہوتے، بلکہ ان کی جائے پیدائش اور جغرافیائی محل وقوع سے بھی وہ پوری طرح آگاہی رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۷/ رمضان ۱۴۲۰ھ کو جبکہ ذاتی لائبریری میں وہ تشریف فرماتھے، دوران گفتگو مشہور اصولی فقیہ علامہ

شہاب الدین قرائی صاحب الفروق کا تذکرہ آ گیا۔ راقم الحروف نے ناواقفیت کی وجہ سے قرافی (بفتح قاف) کا تلفظ بضم قاف کر دیا۔ تو آپ نے نہ صرف یہ کہ اسکی تصحیح کی بلکہ بتانے لگے کہ قرافہ مصر کی راجدھانی قاہرہ میں ایک جگہ کا نام ہے، اسی کے نام پر وہاں ایک قبرستان بھی ہے، جس میں بڑے بڑے جبال العلم مدفون ہیں۔ یہ جگہ مصر کی راجدھانی قاہرہ سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سفر مصر کے درمیان مجھے اس شہر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت قاضی صاحب کو جس طرح فقہی عبارتیں مستحضر تھیں اسی طرح وہ اس جیسی دوسری عبارتوں پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، مختلف کتابوں کی مماثل و مشابہ عبارت و جزئیات کا فرق، وجہ فرق ان میں سے ہر ایک کے موضع ومحل اور مناط حکم کو مجتہدانہ انداز میں جانتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رانچی کی مسجد کی توسیع کے سلسلے میں ایک تنازع کھڑا ہو گیا، مسجد کے متصل جن صاحب کی زمین تھی وہ کسی بھی قیمت پر زمین دینے کے لیے تیار نہیں تھے اور اس زمین کو حاصل کئے بغیر مسجد کی توسیع ناممکن تھی۔ دوسری طرف مسجد مصلیوں کے لیے تنگ اور ناکافی تھی۔ تنازعہ کے شرعی حل کے لیے امارت شرعیہ کے دارالافتاء سے رجوع کیا گیا۔ یہاں سے مفتی صاحب نے ــــ قاضی صاحب کے علم کے بغیر ــــ یہ جواب لکھ دیا کہ: اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے متصل خالی زمین ہو اور اس کے مالکان قیمتاً بھی زمین دینے پر آمادہ نہ ہوں، تو قیمت دے کر ان سے جبراً زمین لے لی جائے گی۔ کما فی الہندیہ والبحر۔ جب فتوی وہاں پہنچا تو مالکان نے مشتعل ہو کر اس کے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر اس پیچیدہ تنازعہ کو حل کرنے کے لیے حضرت قاضی صاحبؒ کو مدعو کیا گیا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور صورت حال کو سمجھنے کے بعد آپ نے فریقین کو جمع کیا اور تنازعہ کو بڑی خوش اسلوبی سے سلجھا دیا۔ اس طرح بلا قیمت کے مفت زمین مسجد کو مل گئی۔ پھر واپس آنے کے بعد آپ نے ارباب افتاء کو سمجھایا کہ یہاں صورت مسئلہ وہ نہیں ہے، جس کا جواب آپ نے ھندیہ اور البحر الرائق کے حوالے سے دیا ہے۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے، جب پورے شہر میں صرف ایک مسجد ہو اور ملک دارالاسلام ہو۔ کما فی رد المحتار۔ ہندوستان میں یہ حکم نہیں چلے گا اس لیے کہ کسی جمہوری ملک میں کسی پر زور زبردستی اور جبر نہیں کیا جا سکتا۔

فقہی اصول و قواعد اور کلیات پر حضرتؒ کو ماہرانہ عبور حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات و علمی مقالات اصولی بحثوں سے پر ہیں۔ لیکن تحریر کے علاوہ تقریر اور عام گفتگو میں بھی آپ ان قواعد و

اصول کوذکر کرتے اور بڑے قرینے سے پیش آمدہ مسئلے پرفٹ کردیتے۔ چنانچہ ۱۶/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کاواقعہ ہے کہ جمعہ سے قبل آپ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ آگے کی صفیں خالی ہیں لوگ پیچھے بیٹھیں ہیں اور بعد میں آنے والے صفیں پھلانگ کر آرہے ہیں تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ صف اول میں جگہ طاعت اور باعث ثواب ہے۔ اس میں خودپیش قدمی کیجئے! دوسروں کوترجیح مت دیجئے! ہاں اپنی جائز خواہشات پر دوسروں کوترجیح دینا بڑی بات ہے جس کی طرف آیت کریمہ ''**یؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة**'' میں ارشاد کیا گیا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے (مشتبہ) کام کی تفصیل بیان کرنے کے بعد آپ سے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا یہ کام شرعی نقطۂ نظر سے غلط ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے یہ کام اچھے مقاصد کے لیے شروع کیا ہے۔ قاضی صاحب نے واضح طور پر کہا کہ غلط کام چاہے کتنے نیک ارادہ سے کیا جائے غلط ہے۔ یہاں پر''**الأمور بمقاصدها**'' اور **انما الاعمال بالنيات** کا قاعدہ نہیں چلے گا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ آج کل یورپ میں قتل کی ایک نئی قسم رائج ہے ''یوتھینیزیا'' یعنی قتل بدافع شفقت جسے مبینہ طور پر اچھے مقصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ لیکن مقصد کے بہتر ہونے سے کام اچھا نہیں ہوجائے گا۔ رہے گا وہ غلط ہی۔

متنازعہ معاملات پر بیان دینے میں عام طور پر غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ لیکن قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے دوران انٹرویو بھی کوئی گول مول سوال کیا جاتا تو آپ اپنی بے پناہ بصیرت وذہانت سے اسے بھانپ لیتے اور مزید محتاط ہوکر ایسا ناپا تلا جواب دیتے کہ سائل اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتا۔ چنانچہ ۲۰۰۱ء میں جب طالبان نے بامیان میں موجود بودھ کے مجسموں کو مسمار کردیا تو ہندوستان کے فرقہ پرستوں نے بڑا واویلا مچایا۔ بعض علماء نے بھی طالبان کی مذمت میں بیان جاری کردیا۔ قاضی صاحب ان دنوں پٹنہ میں تھے۔ صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی حیثیت سے نامہ نگاروں نے اس مسئلہ پر آپ سے انٹرویو کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: آپ لوگ تو طالبان کی باتیں ہم تک ٹھیک طرح سے پہنچاتے نہیں۔ پورے میڈیا میں ان کے خلاف یک طرفہ رپورٹنگ ہورہی ہے۔ طالبان ایسا کیوں کررہے ہیں؟ اس سلسلے میں ان کا کیا موقف ہے؟ اسے واضح نہیں کرتے، تو پھر ہم اندھیرے میں رہ کر ان کے بارے میں کس طرح رائے زنی کر سکتے ہیں! پھر ہندوستان میں جو لوگ

اس پر واویلا مچا رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ جب پانچ سوسالہ قدیم تاریخی مسجد کو ظلما شہید کر دیا گیا، تو اس وقت یہ ''فرشتے'' کہاں تھے۔ اس وقت تو ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ بلکہ وہ خوشیاں منا رہے تھے۔ تو پھر آج واویلا کیوں؟

اسی حوالے سے فرمایا کہ آج کل اسلام، مسلمان یا کسی اہم اسلامک تنظیم کے تعلق سے جو خبریں آرہی ہیں۔ وہ عام طور پر متعصبانہ اور معاندانہ ہوتی ہیں۔ اور چوں کہ عالمی ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا تسلط ہے، اس لیے اسلام کے خلاف جانے والی چھوٹی سی چھوٹی بات کو ''رائی کا پربت'' بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے جب تک کسی مستند و باوثوق ذریعے سے بات معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کے بارے میں کوئی اچھی یا بری رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا: **اذا جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین**۔ اسلام کے خلاف ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ مہم کے بارے میں فرمایا کہ: پروپیگنڈہ اور جھوٹ کی کوئی عمر نہیں ہوتی، سچائی اور حقانیت کی وضاحت اور شیوع کے بعد پروپیگنڈہ مہم خود بخود دم توڑ دیتا ہے۔ صداقت کے آشکار ہونے کے بعد جھوٹی تشہیر حوصلہ ہار جاتی ہے۔ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے ابولہب اور اس کی بیوی کی پروپیگنڈہ مشنری مکی زندگی میں کچھ دنوں تک شمع کو بجھانے اور اس کے شبیہ کو مسخ کرنے میں مسلسل کوشاں رہی جس کی طرف: ''**تبت یدا ابی لهب... حمالة الحطب** الخ'' سے اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن جب اسلام کی حقانیت عالم آشکار ہوگئی تو شرارۂ بولہبی خود بجھ گیا۔

حضرت قاضی مجاہدالاسلامؒ طلبہ کی ذہانت وفکری تعمیر اور انہیں علمی غذا فراہم کرنے کے لیے بھی ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔ اور موقع ملنے پر انہیں اپنے علمی استحضار اور ذہانت سے بھرپور علمی غذا فراہم کرتے۔ چنانچہ ۲۱/شوال ۱۴۲۰ھ روز جمعہ کو دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ کے یوم تاسیس کے موقع پر طلبہ ونوجوان علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''خبردار! خبردار میرے عزیزو! اسلام ایک آفاقی وہمہ گیر مذہب، قانون اور شریعت ہے۔ تم کبھی اس کو حجروں میں بند مت کرنا، تم وارثین سجادہ ہو۔ تم بھی اسلام کی نشر واشاعت اور عملی نفاذ کے لیے ان کے نقش قدم پر چلنا۔ تم درحقیقت اسلام کی قوت کے امین، سرمایہ قوم اور ''**اعدوا لهم ما استطعتم من قوة**'' کی تعبیر ہو۔ لہذا ہمیشہ باطل کے خلاف سینہ سپر بن کر رہنا''

اسی طرح ''صنوان القضاء'' کی تحقیق کے سلسلے میں ۱۴۲۰ھ میں جب دارالعلوم تشریف لے گئے تو دارالعلوم کے چند ممتاز طلبہ حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بطور شکایت یہ بیان کرنے لگے کہ اندرون دارالعلوم کچھ تنظیموں کے افراد کام کر رہے ہیں۔ اور طلبہ کا ذہن پراگندہ کرنے میں لگے ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ مشورے سے نوازا جائے۔ تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے وہ حدیث تو پڑھ رکھی ہوگی کہ شیطان انسان کے تاک میں لگا رہتا ہے۔ اور جب قلب کو ذکراللہ سے غافل پاتا ہے تو اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ اور یہ فارسی کا مقولہ بھی سنا ہوگا'' خانہ خالی رادیوی گیرد'' اسی طرح سمجھئے کہ یہ تحریکیں اور تنظیمیں آپ کو صرف اس لیے لقمہ تر سمجھ رہی ہیں کہ خود آپ کے اندر تحریک و بیداری نہیں ہے۔ آپ اگر خود محرک و بیدار ہو گئے، تو یہ تحریکیں آپ کی جانب نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔

سخت سے سخت علالت کے ایام میں بھی آپ کی ذہانت بیدار اور فکر بالیدہ رہتی تھی۔ اور ملی مسائل پر میڈیا والوں کے تیکھے سوالات کا سامنا کرنے کے لیے مستعد رہتے تھے۔ چنانچہ ۲۱/ رمضان ۱۴۲۲ھ کو جب آپ شدید طور پر علیل تھے، بی بی سی کے نامہ نگار نے بابری مسجد کے سلسلے میں آپ سے انٹرویو کیا اور پوچھا کہ آپ بابری مسجد کا مسئلہ ابھار کر، کیا ملت کے اہم مسائل، تعلیم ،روزگار، غربت وغیرہ سے چشم پوشی نہیں کر رہے ہیں؟ آپ نے دوٹوک انداز میں فرمایا:'' ہرگز نہیں! بابری مسجد ہمارا مذہبی مسئلہ ہے، ہم اس سے کسی حال میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے ہیں۔ ہم سنجیدگی کے ساتھ مسلسل اس کی بازیابی کے لیے کوشاں رہیں گے۔ بلکہ عملی اقدامات بھی کر رہے ہیں۔'' اس شدید بے چینی کے عالم میں امت کے لیے یہ فکرمندی آپ ہی کا حصہ تھا۔

اس مضمون میں فقیہ العصر حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی زندگی کے صرف ایک پہلو یعنی آپ کی ذہانت وعلمی استحضار کا اپنے نقطۂ نظر سے سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں سے بھی صرف بعض اہم ناقابل فراموش واقعات پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ورنہ آپ کے اوصاف وکمالات میں سے ہر وصف پر درجنوں صفحات رنگین کئے جاسکتے ہیں۔

محمد زبیر اعظمی☆

اک مرد مجاہد کی صدا ہوگئی خاموش

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کے مدبر مفکر شجاع اور اپنی نام کی مناسبت سے مجاہدانہ سرگرمیوں سے سرشار مرد مجاہد اور عزائم کی تکمیل کے دیوانے تھے۔ آپ عقابی نگاہ کے حامل تھے۔ زمانہ اور وقت کی رفتار کا بہت جلد اندازہ لگا لیتے تھے اور ہوا کے رخ کو آنا فانا بھانپ لیتے تھے۔ بدقسمتی سے آزاد ہندوستان میں رہ رہ کر بڑی ہوشیاری اور مکاری سے ایسی خاموش آوازیں اٹھتی رہتی تھیں جن کی براہ راست ٹکر اسلام اور اسلامی تعلیمات سے ہوتی تھی۔ اور آج بھی یہ سلسلہ شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ آپ ہمیشہ ڈٹ کر ان کا جواب دیتے تھے۔ حکومت یکساں سول کوڈ اور نکاح، طلاق، وراثت اور نصاب تعلیم وغیرہ کے تعلق سے ایسی تجاویز سامنے لاتی تھی جو اسلام کے منافی ہوتی تھیں۔ مولانا مرحوم اپنی ٹیم کے ساتھ اقتدار وقت سے مدلل بحث کر کے ان کو قانونی شکل دینے سے روک دیتے تھے۔ اس کی متعدد مثالیں لوگوں کو معلوم ہیں۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک پل اس مشن میں گزر گیا کہ مسلمان اس ملک میں باوقار اور باعزت زندگی بسر کریں اور اپنے امتیاز وتشخص کا کسی قیمت پر بھی غیر معتدل اور نامسعود سودا نہ کریں۔ ان کی مساجد مدارس اور خانقاہیں محفوظ رہیں اور ان میں اتنی جرأت ایمانی پیدا ہو جائے کہ وہ ابنائے وطن سے کھل کر کہہ سکیں کہ ہندوستان میں ہمارا حصہ ہی نہیں بلکہ یہ ملک ہمارا بھی ہے اور ہمارے بزرگوں نے اس ملک کو اپنا خون پسینہ دے کر اس کے چمن کو لالہ زار اور اس کی مٹی کو مشک وعنبر بنایا ہے اور ہم بھی ایسا ہی کر کے دکھائیں گے لیکن ہمیں کچھ کرنے کا موقع تو دیا جائے۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نہایت فطین وذہین اور وسیع المطالعہ آدمی تھے۔ یوں تو آپ کو جملہ علوم وفنون پر کامل دستگاہ حاصل تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ آپ نے حالات حاضرہ سے پیدا

☆ ایولہ، ضلع ناسک

ہونے والے نت نئے مسائل کی طرف توجہ دی۔ ان مسائل کے بارے میں فقہ قدیم میں دوٹوک صراحت نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے فقہی سیمناروں کے ذریعہ تقریباً چالیس سے زائد جدید مسائل پر علماء کے اتفاق سے راہ نکالی اور عوام کوان سے روشناس کرایا۔

فقہ پر آپ کی بصیرت کو دیکھتے ہوئے بیرونی ممالک میں بھی آپ کو فقہی ضرورتوں کے پیش نظر مخصوص دعوتناموں کے ذریعہ دعوت دیجاتی تھی جہاں آپ کی رائے کو وقعت واہمیت اور قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

آپ نے عصر حاضر کے فقہی مسائل اور قضا وغیرہ پر تیس چالیس کتابیں تحریر کی ہیں جو اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بعض کتابوں کے انگریزی تراجم بھی ہوئے آپ سہ ماہی فقہی مجلّہ ''بحث ونظر'' کے چیف ایڈیٹر بھی تھے جس میں آپ کے پُر مغز اور باوزن فقیہانہ مضامین شائع ہوا کرتے تھے جن کی اہل علم نے قدردانی کی ہے۔ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپ کی ذات امت مسلمہ کی نگاہوں کا مرکز ومحور بنی اور لوگوں کو بڑی ڈھارس ملی۔ اب آپ کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے کہ بظاہر امت کے ہاتھ سے پتوار چھوٹ گیا ہے لیکن خدا کی ذات حکیم اور قادر مطلق ہے وہ اپنے نام لیواؤں کی رہنمائی کے لئے ضرور ان کا نعم البدل عطا کریگا وماذلک علی اللہ بعزیز۔

آپ نے امارت شرعیہ کے تحت ہندوستان بھر میں دارالقضاء قائم کئے تاکہ مسلمانوں کے مسائل بالخصوص نکاح وطلاق اور وراثت وغیرہ کا فیصلہ شریعت کی روشنی میں کیُا جاسکے۔ اور مسلمان موجودہ عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے سے بچ جائیں جن کے فیصلے بالعموم اسلام کے خلاف ہوتے ہیں اور دیگر بہت سی قباحتیں ہیں جو کسی باغیرت مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔

آپ نے وقت کی رفتار کا اندازہ لگا کر نہ صرف مختلف فلاحی تنظیمیں اور مدارس و ادارے قائم کئے بلکہ ٹیکنیکل کالجز بھی قائم کئے تاکہ ان سے استفادہ کر کے نئی نسل باعزت زندگی گزار سکے اور زندگی کی مسابقت میں ابنائے وطن سے پیچھے نہ رہے۔ آل انڈیا ملی کونسل کے قیام کا اصل مقصد تمام مکاتب فکر کے علماء اور دانشوروں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا اور تمام مسلمانوں میں

اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مختلف حصوں میں اپنی شناخت بنائیاس کی شاخیں قائم ہوئیں اس نے صرف وحدت کلمہ کی بنیاد پر بلالحاظ فرقہ ومسلک تمام مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ اس کا نمایاں اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ مسلمانوں میں تعلیمی سماجی مذہبی اور سیاسی میدانوں میں سربلندی اور سرفرازی حاصل کرنے کا احساس بیدار ہوا۔ چنانچہ آج تک حکومت کی ایسی تجویزوں پر جو مسلمانوں کے خلاف یا اسلام مخالف ہوں تمام مکاتب فکر کے حاملین ایک موقف پر جمع ہو کر ایوان حکومت تک اپنی بات پہنچادیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو سنجیدہ ہو کر اس پر غور کرنا پڑتا ہے اور بالعموم وہ تجاویز یا تو مسترد ہو جاتی ہیں یا ان کے گوشے نرم ہو جاتے ہیں۔ آج مولانا قاسمی جب ہمارے درمیان نہیں رہے تو شدت سے ان کی مسیحائی یاد آتی ہے۔ خدا ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور پروان مغفرت عطا کرے۔

وارث مظہری قاسمی

قاضی صاحب کی شخصیت کے چند امتیازی پہلو

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ایک ہمہ جہت اور ہمہ پہلو شخصیت تھے۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو اس لائق ہے کہ اس پر بھر پور گفتگو کی جائے۔ طویل مقالے لکھے جائیں اور مبسوط تقریروں کے ذریعہ اس پر روشنی ڈالی جائے۔ دیکھا جائے تو وہ بیک وقت ایک جید عالم دین تھے، فقہ وقضا کے میدان کے شہسوار تھے، اور اس میں کم از کم برصغیر ہند میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ تصنیف وتالیف کی بھر پور قابلیت وصلاحیت کے مالک تھے۔ ایک قومی رہنما کی حیثیت بھی انہیں حاصل تھی۔ وہ ملکی اور عالمی سیاست پر گہری اور دور رس نظر رکھتے تھے... ان سب کے علاوہ ملی، تعلیمی، اور فلاحی میدانوں میں انہوں نے جو عملی خدمات انجام دی ہیں ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

یہ ساری صفات وہ ہیں جو کسی عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیت کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔ عام اور معمولی صلاحیت رکھنے والا آدمی اتنی گونا گوں، منفرد اور ممتاز صلاحیتوں کا حامل نہیں ہوتا۔

قاضی صاحب عام اور معروف معنوں میں صرف ایک مولوی تھے دار العلوم دیوبند سے امتیازی نمبرات کے ساتھ انہوں نے فضیلت کی سند حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے نہ تو کسی دار الافتاء میں باضابطہ افتاء کی تعلیم حاصل کی، نہ تخصص کے دیگر شعبوں میں سے کسی شعبے سے وابستہ ہوکر اسکی سند پائی۔ آج کے رجحان کے مطابق، نہ تو انہوں نے مزید تعلیمی سند یا قابلیت کے لئے ملک سے باہر قدم رکھا اور نہ ہی کسی عصری درسگاہ میں باضابطہ تعلیم حاصل کی۔

لیکن قاضی صاحب کی شخصی خوبیوں اور ان کے اوصاف وکمال کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ان تمام صلاحیتوں کے مالک تھے جو لوگ مذہبی ومادی علوم کی مختلف جامعات سے حاصل کرتے ہیں۔

یہ ساری صلاحیتیں قاضی صاحب نے اپنے ذوق مطالعہ، محنت وجستجو، بزرگوں کی صحبت، اور بے پناہ جذبہ علمی کی بنیاد پر حاصل کیا۔ چنانچہ قاضی صاحب علوم شریعت : تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، قضا وغیرہ کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، طبیعات وفلکیات، سیاسی رجحانات، قوموں کے حالات اور دور جدید کی علمی وتمدنی پیش رفت کی بھی ضروری اور بہتر معلومات رکھتے تھے۔ قاضی صاحب نے اپنی یادگار کے طور پر بہت زیادہ تصانیف نہیں چھوڑیں کہ ان سے اس حقیقت کو دلائل کی روشنی میں واضح کیا جاسکے۔ تاہم جن خوش نصیب حضرات کو ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا ہے وہ یقیناً ہماری بات سے اتفاق کریں گے۔

علم کی یہی وہ وسعت وجامعیت تھی جس نے قاضی صاحب کی فکر کو ہمہ جہت، ان کے شعور کو جلا اور ان کے ادراک کو پختگی اور مضبوطی عطا کی تھی۔

قاضی صاحب ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور ۵۵ء سے ۱۹۶۲ء تک خانقاہ رحمانی مونگیر میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ یہ عرصہ یقینی طور پر ان کی محدودیت کا عرصہ تھا۔ اس عرصے میں انہیں زمانے کے نشیب وفراز کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا کم ہی موقع ملا لیکن جب خود مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی ایما پر انہیں ۱۹۶۱ء میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں قضاء کی خدمت پر مامور کیا گیا تو انہیں بخوبی یہ موقع میسر آیا کہ وہ معاشرے کی اتھل پتھل، اسکی پیچیدگیوں، ناہمواریوں اور اس کے مسائل ومشکلات سے آگاہ ہوسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب مسلم معاشرے کے بارے میں نہایت حساس واقع ہوئے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بیع وشرا، تجارتی معاملات وغیرہ میں خود حصہ لیتے اور ان کی واقفیت حاصل کرتے تھے۔ تاکہ وہ علی وجہ البصیرت اس کے مطابق شرعی احکام ومسائل مستنبط کرسکیں۔ قاضی صاحب بھی اسی روش کے حامل تھے۔ انہوں نے تجارت ومعاشیات کے جدید طریقوں، مواصلات، طب اور علوم وفنیات کے میدانوں میں جدید پیش رفت سے شناسائی پیدا کی۔ اس کے لئے انہوں نے صرف مطالعہ پر ہی بھروسہ نہیں کیا بلکہ ان میدانوں کے ماہرین سے بھی راہ ورسم پیدا کرکے ان کی کما حقہ واقفیت حاصل کی۔ وہ فرماتے تھے:

''آج سائنس اور ٹکنالوجی میں جدید ترقیاں ہوئی ہیں، نئے مسائل آئے ہیں۔ نئے

نظریات آئے ہیں۔ان میں ہم اپنے عزیز دوستوں سے جنہوں نے یونی ورسٹی میں پڑھ کر اس فن میں کمال حاصل کیا ہے۔ہم علما ان سے براہ راست استفادہ کریں۔اور آپس میں مسالک کے فرق کو بھول کر شریعت کے عام اصولوں کو سامنے رکھ کر ایک ساتھ جمع ہو کر مسائل کو سوچنے کی کوشش کریں۔''

دور جدید کی ستم ظریفوں میں سے ایک بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے یہاں نظام تعلیم عملا دو خانوں میں منقسم ہو کر رہ گیا ہے۔ایک دینی تعلیم، دوسرے دنیاوی۔اس تصور کے تحت دینی تعلیم وہ ہے جو مدارس میں دی جاتی ہے اور دنیاوی تعلیم کا مرکز عصری جامعات ہیں۔یہ تصور غلط ہے یا صحیح، اس سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ اس تقسیم نے ارباب علم و دانش کو عملاً دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور اس سے ان کے درمیان ایک قسم کی دوری اور تفریق پیدا ہوگئی۔اس کا ایک نقصان جہاں یہ ہوا کہ ہمارے درمیان تعلیم سے آراستہ علما یا علم دین سے بہرہ ور جدید تعلیم کے ماہرین عنقا ہو گئے۔وہیں اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ علما کا حلقۂ اثر اور دائرہ اصلاح محدود اور ایک خاص طبقے تک محدود ہو کر رہ گیا۔افراد اور معاشرہ پر جس انداز میں ان کی پکڑ ہونی چاہیے، وہ نہیں رہی۔پھر یہی وہ چیز ہے جو جدید زمانہ کے مزاج و مسائل کے ادراک اور ان کا صحیح حل تلاش کرنے میں حارج بنی۔

قاضی صاحب بخوبی اس کا احساس و ادراک رکھتے تھے۔وہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''مدارس دینیہ کے نصاب اور نظام، تعلیمی میدان میں یکسانیت اور وحدت عمل پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔جدید درسگاہیں کچھ کلرک، بابو اور افسر تو پیدا کر سکیں لیکن وہ اسلام کی روشنی اور عہد حاضر کے علوم کو جمع کر کے فکری قیادت فراہم نہیں کر سکیں۔بدقسمتی سے دین و دنیا کی تفریق، جسکی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، ہمارے سماج میں اس طرح گھر کر گئی ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔اور مغل اقتدار کے زوال کے بعد جو دوئی (ثنویت) پیدا ہوئی ہے وہ آج تک قائم ہے۔ابھی ابھی ہمارے مدرسوں میں قدیم صالح اور جدید نافع کے امتزاج سے عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ جدید کاری کا عمل ممکن نہیں ہو سکا۔'' (جدید فقہی مباحث ص: ۲۸۰)

اجتماعی سطح پر اگر چہ قاضی صاحب اس دوئی اور تفریق کو ختم نہیں کر سکے۔اور حقیقت میں یہ اکیلے ان کے بس کی چیز بھی نہیں تھی۔تاہم شخصی سطح پر وہ ضرور اس میں کامیاب ہوئے۔یہی وہ چیز تھی

جس نے قاضی صاحب کو رفتارِ عصر اور ماحول کے پیچ وخم سے پوری طرح آگاہ اور باخبر کردیا تھا اور جس کی وجہ سے ان کی طبیعت ہمہ دم امت کے لئے مضطرب اور بے چین رہتی تھی اور غالباً اسی احساس واضطراب کا نتیجہ ہے کہ وہ خود کو کسی ایک کام کے لئے محدود نہ کرسکے۔

ان کا اصل میدان فقہ وقضا تھا۔ وہ اگر خود کو کسی کمرے یا لائبریری میں بند کرلیتے تو فقہ و فتاوی کی درجنوں جلدیں تیار کرجاتے لیکن جہاں ایک طرف انہوں نے فقہ کے میدان میں تجدیدی خدمات انجام دیں وہیں سیاست، تعلیم، تکنیک اور دیگر میدانوں کو بھی مرکز توجہ بنایا۔

لیکن اس کے باوجود ان کا اصل میدان فقہ ہی تھا۔ جس سے ان کی طبعی وابستگی تھی اور جس کو انہوں نے باضابطہ شکل میں آخر حیات تک انجام دیا۔

قاضی صاحب کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ان کی روشن فکری ہے۔ آج کل روشن فکری اور روشن خیالی کو مثبت معنوں میں کم استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے روشن فکری یا روشن خیالی کی ایک قسم وہ ہے جو اپنے اندر تجدد واباحیت رکھتی ہے۔ یہ بالعموم ذہنی مرعوبیت، فکری محدودیت، اور باطل افکار اور پروپیگنڈوں سے تاثر پذیری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس روشن فکری کی دوسری قسم وہ ہے جو دین کے وسیع اور غیر جانبدار مطالعے، کتاب وسنت کے سرچشموں سے براہِ راست استفادے کی صلاحیت، اصول وکلیات پر گہری نظر اور مسائل ومشکلات کے تجزیے نیز اسلاف کے اقوال وآراء کی بھرپور معرفت کی اساس پر پیدا ہوتی ہے۔

قاضی صاحب کی روشن فکری اسی دوسری نوع سے تعلق رکھتی ہے وہ بخوبی اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ زمانہ فروعات پر اڑنے اور اٹل ہونے کا نہیں۔ بلکہ اصول کی روشنی میں جدید مسائل کے تجزیے اور ان کا باضابطہ حل پیش کرنے کا ہے۔ ان مسائل سے آنکھیں چرانے یا بچ کر گزر جانے سے امت مسلمہ تنگی اور عسرت کا شکار ہوگی اور شریعت پر بے اعتمادی پیدا ہونے کی وجہ سے بعض طبقات میں اباحی رجحانات کو فروغ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ فی زمانہ یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں زمانے اور عرف وعادت کی تبدیلی سے احکام میں فرق کی رعایت رکھی گئی ہے۔ آج زمانہ جس برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور مختلف شعبہائے حیات میں جس تیزی کے ساتھ پیش رفت ہورہی ہے۔ اکتشافات وایجادات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس نے عرف وعادات

اور اقدار پر زبردست شب خون مارا ہے۔ ایسے میں اگر شریعت کے اندر گنجائشیں ہیں تو انہیں اجتہاد و استنباط کے ذریعہ سامنے لانا وقت کے اہم تقاضوں میں سے ایک ہے۔

بلا تخصیص یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قاضی صاحب سے قبل جو عمومی رجحان اس سلسلے میں رہا ہے وہ یہی ہے کہ قدیم کتابوں میں جو مسائل اور جزئیات لکھے ہوئے ہیں خواہی نخواہی انہیں ہی دور جدید کے مسائل پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ کتابیں پیش آمدہ مسائل و معاملات کے تذکرے سے خالی ہیں تو اس سلسلے میں عمومی رویہ خاموشی یا سخت ذہنی خلجان اور تذبذب کا تھا۔ قاضی صاحب اس صورتحال کو دین کی حرکیت کے خلاف اور قضا و افتا کی عظیم و وسیع ذمہ داری سے ایک گونہ پہلوتہی تصور کرتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اسلاف نے فقہ کا جو عظیم اور گراں مایہ سرمایہ چھوڑا ہے۔ اس میں اُس زمانے کے روزمرہ کے اکثر مسائل کا احاطہ موجود ہے۔ اور یہ بات پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ امت اس فکری اور فقہی اثاثے سے قیامت تک مستغنی نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ زمانے کی تغیر پذیری ہر دور میں ایسے لاتعداد مسائل پیدا کردیتی ہے جس کے حل کے لئے از سر نو غور وفکر کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس کا احساس کرتے ہوئے قاضی صاحب نے آزاد ہندستان میں پہلی مرتبہ جدید مسائل پر اجتماعی غور وخوض کی طرح ڈالی۔ اس سے قبل ماضی میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد رضا خاں، مولانا مفتی شفیع صاحب اور دارالعلوم کے دوسرے کچھ فضلاء اور اصحاب علم و افتاء نے انفرادی سطح پر یہی کام کیا لیکن اس کے لیے جس اجتماعی طریقہ کار کی ضرورت تھی، صحیح بات یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد پھر کبھی باضابطہ طور پر اس طریقے کو اختیار نہیں کیا گیا۔ قاضی صاحب نے اس ٹوٹی ہوئی کڑی کو جوڑنے کی کوشش کی۔

اس سلسلے میں ان کا نظریہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ اور اس پر اصولی حیثیت سے کسی قسم کا کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا۔ اس تعلق سے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"آج کے عہد میں اس مسئلے کی خاص اہمیت اس لئے ہے کہ مجتہد کامل مفقود ہے۔ اور بہت سے

ایسے مسائل درپیش ہیں جو عہد سلف میں پیش نہیں آئے تو ان کے مسائل کے حل کے لئے ایسے علماء اقدام کرسکتے ہیں جو کسی خاص باب میں اپنی وسعت علمی اور کمال تحقیق کی بدولت مناط حکم کی تخریج کے اہل ہوں تاکہ ایسے جدید مسائل کا حل ممکن ہو، اور جیسا کہ ذکر کیا گیا جمہور کی رائے میں یہ درست ہے۔''

مشہور حدیث ہے کہ ''هذا الدين يسر'' (دین آسان ہے) اسی طرح اللہ کے رسول کا ارشاد گرامی ہے: **يسروا ولا تعسروا** (دین میں آسانی پیدا کرو تنگی پیدا نہ کرو) شریعت اسلامیہ کا مزاج یسر اور آسانی کی طرف مائل ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب کی یہ کوشش تھی کہ وہ دین میں یسر کے پہلو کو ابھاریں۔ اور عوام الناس کو عسر اور تنگی سے بچائیں۔ کیوں کہ فتنے کا یہ دور اپنے اندر معصوم ذہنوں میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔ پہلے کے لوگ دین پر تمسک و تصلب میں اپنی نظیر آپ تھے۔ وہ اپنی زندگیوں کو کھپا کر بھی دین سے ایک انچ ہٹنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج لوگوں کا مزاج اس کے بالکل برعکس ہے، مغرب کی فسوں طرازیوں اور زمانے کی نیرنگیوں نے ان کے اندر دین کے تئیں پہلی والی حساسیت اور وابستگی و وارفتگی کا جذبہ نہیں چھوڑا۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو شریعت کے معاملے میں گنجائش فراہم کی جائے۔ اس سلسلے میں حضرت قاضی صاحب مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے متبع تھے۔ حضرت تھانویؒ کا نقطۂ نظر یہی تھا وہ فرماتے تھے:

''یہ وقت ہے کہ آج مشتبہ کو بھی حلال کہا جاتا ہے۔ نہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کردیا جائے۔ اس واسطے میں کہتا ہوں کہ فتوی میں تنگی نہ کرنا چاہئے۔ جائز تک رکھئے تو غنیمت ہے۔ اولی پر تو کہاں سے پابندی ہوسکتی ہے۔ اختلافی مسائل اگر عام ہوں تو ان کو بھی جائز بتلایئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت میں وسعت ہے۔ (اور آج کل) معاملات بہت گندے ہورہے ہیں۔ اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جائے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اس کو تنگی ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا اس کا (یعنی احکام میں آسانی فراہم کرنے کا) فائدہ یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے وسعت دینے میں شریعت سے محبت ہوگی ... اس سے حق تعالی کی محبت غالب

ہوگی (ورنہ) لوگوں کا تو یہ گمان ہوگیا ہے کہ شریعت میں سوائے ''لا یجوز'' کے اور کچھ ہے ہی نہیں''۔التبلیغ (۱۵/ ۶۷۔۶۹۔۸۲)

اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

''مذہب شافعی پر عندالضرورۃ عمل کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہے۔مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو۔عذر یا حجت شرعیہ سے ہو'' (فتاوی رشیدیہ ص:۲۴)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے تھے کہ: جہاں بلوی عام ہو۔وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو اس کو فتوی کے لئے اختیار کرنا چاہئے۔'' (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص:۱۴۹)

اس لئے قاضی صاحب نے ذاتی طور پر یا علما اور اصحاب افتا کے اجتماع کے ذریعہ، جدید اور قابل اجتہاد مسائل میں شریعت کی طرف سے دی گئی گنجائشوں اور سہولتوں کو سامنے لانے کی جو کوشش کی وہ غلط اور اجنبی ہرگز نہیں تھی۔خواہ بعض حلقوں کی طرف سے قاضی صاحب کو کتنا ہی مورد الزام کیوں نہ ٹھہرایا جائے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ عمل نہایت احتیاط و اعتدال، تورع اور بے نفسی کا متقاضی ہے اگر ایسا نہ ہو اور اس بارہ میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس کی خطرناکی دین کی تباہی پر منتج ہوگی۔ ہمارے بہت سے علما اور مفتیان کرام اسی نزاکت اور پیچیدگی کا خیال کرکے ایسے مسائل میں اپنی حتمی رائے دینے سے بچتے رہے، لیکن بہرحال اسکی ضرورت تھی، ہے اور آگے بھی رہے گی کہ علما انفرادی یا اجتماعی سطح پر غور کرکے اپنے زمانے کے لوگوں کو حرج اور تنگی سے نکالنے کی کوشش کریں۔

قاضی صاحب اپنی ذہانت، دین کے گہرے مطالعہ، اور فقہ وقضا سے اپنی طویل ممارست کی بنا پر بلاشبہ اس کے سب سے زیادہ اہل تھے کہ وہ اس ذمہ داری کو نبھائیں۔

بہرحال قاضی صاحب نے جو راہ بنائی ہے، جو نقوش چھوڑے ہیں۔وہ آنے والے لوگوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ضرورت ہے کہ قاضی صاحب کی جانشیں کوئی شخصیت سامنے آئے اور وہ ان کے چھوڑے اور ادھورے کام کو انجام دے۔

عمران اللہ قاسمی ☆

ایک عظیم شخصیت

خالق کائنات نے یہ دنیا اس انداز سے بنائی ہے کہ اس میں خوشی وغم، راحت وتکلیف دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، یہاں نہ خالص خوشی ہے اور نہ خالص غم، اس لئے اس دنیا میں رہنے والوں کے ساتھ غموں اور صدموں کا پیش آنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، لیکن بعض صدمے اور غم ایسے جانکاہ ہوتے ہیں کہ ان کا اثر پوری امت پر پڑتا ہے نیز ان کے عالم گیر اثرات، اور ان کی تشویشناکی کی وجہ سے وہ ایسے اثر انداز ہوتے ہیں کہ آسانی سے ان کو فراموش کرنا، اور ان کے زخموں کا مندمل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو اسی طرح کا ایک عظیم صدمہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی وفات کا پیش آیا، جس نے امت مسلمہ کو جھنجھوڑ کر رکھدیا۔

حضرت قاضی صاحب قدس سرہ موجودہ دور کی ان شخصیات میں سے تھے جن کی موجودگی کے تصور سے دل کو ڈھارس اور روح کو اطمینان نصیب ہوتا تھا، قحط الرجال کے اس دور میں جبکہ امت کو دردمندی، دل سوزی، غیرت وحمیت اور جرأت ایمانی کے ساتھ ملی چارہ گری اور مسیحائی کرنے والی شخصیت کی ضرورت تھی، ایسے وقت میں قاضی صاحب جیسے مفکر، مدبر اور ہمہ گیر شخصیت کا ہم سے رخصت ہوجانا امت کیلئے ایک آزمائش ہے، حضرت قاضی صاحب کا سایہ امت کے لئے ایک سائبان کی حیثیت رکھتا تھا، ہر چند کہ جید علماء دین، اور علم دین کے شناوروں کی قابل لحاظ تعداد اب بھی موجود ہے، عبادت وزہد کے پیکر ابھی نایاب نہیں ہوئے ہیں۔ مگر قاضی صاحب جیسی شخصیت جو علم وفضل، ورع وتقوی، فقہ وقضا میں منفردانہ شان رکھنے کے ساتھ ساتھ امت کے درد وغم کو محسوس کرنے والی، اتحاد ملت کے لئے تڑپنے والی اور امت کی ہر ممکن ترقی کے لئے کوشاں رہنے والی، نیز

☆ استاذ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

قائدانہ لیاقت اور موثر قیادت کی صفت سے متصف ہو وہ خال خال ہی پیدا ہوتی ہے ان کی وفات کے ذریعہ پیدا ہونے والے عظیم خلا کا پر ہونا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن اہم خصوصیات سے نوازا تھا اس دور میں کوئی دوسرا ان خصوصیات اور صفات کا جامع نظر نہیں آتا۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دارالعلوم سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے جہاں انہوں نے بہتر انداز میں اس ذمہ داری کو نبھایا۔ اس وقت مونگیر کی رونق، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کی جوہر شناس نظر نے اس قیمتی جوہر کو پرکھ لیا اور حضرت مولانا رحمانیؒ جب امیر شریعت رابع کی حیثیت سے منتخب ہوئے تو انہوں نے حضرت قاضی صاحب کو امارت شرعیہ کی تعمیر اور اس میں افتاء وقضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے پٹنہ بھیج دیا یہاں پہنچ کر حضرت قاضی صاحب اپنے مخلص ترین رفقاء کی معیت میں انتہائی محنت و جانکاہی کے ساتھ امارت شرعیہ کی تعمیر وترقی میں لگ گئے، امارت شرعیہ کی ذمہ داریوں کی دیکھ ریکھ کے ساتھ ساتھ وہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے ساتھ ملی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے اور ہر موقع پر حضرت مولانا رحمانیؒ کے کاموں میں دست تعاون دراز کرتے رہے اور اسی کو اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے رہے، چنانچہ جب فسطائی ذہنیت نے ملک کے حالات خراب کر دئے اور ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قوانین کو خطرہ لاحق ہو گیا تو ملت کے ارباب فضل وکمال نے اور عمائدین امت نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ وبقا کی تحریک چلائی اس سلسلہ کی سب سے پہلی مجلس دارالعلوم دیوبند میں ہوئی پھر اس کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی صدارت میں مسلم پرسنل لاء کے پلیٹ فارم سے مختلف مکاتب فکر کے علماء ودانشوروں اور مختلف تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں کا ایک عظیم الشان اور تاریخ ساز اجلاس ۲۷/ ۲۸/ دسمبر ۱۹۷۲ء کو بمبئی میں منعقد ہوا، جس میں متعدد تجاویز پاس ہوئیں، اس موقعہ پر وقت کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا اس سلسلے میں یہ بات بالکل حقیقت ہے کہ بورڈ کی تشکیل اور اس کی آبیاری میں اگر سب سے زیادہ خون دل حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے صرف کیا تھا تو ان کے دست راست ہونے کی حیثیت سے حضرت قاضی صاحب کی دماغی توانائی کم صرف نہ ہوئی تھی، بورڈ کے تمام ارکان اور ذمہ داران ان کی اس سلسلے کی خدمات کا اعتراف کرتے تھے، حضرت قاضی صاحب

کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی قابل تعریف ہے کہ انہوں نے حضرت امیر شریعت کی زندگی میں خود کو ان کی شخصیت میں گم رکھا اور کبھی بھی علاحدہ اور مستقل مقام پانے کی کوشش نہ کی بلکہ ان کے ساتھ مل کر ہی ملی خدمات میں مصروف رہے اور امارت شرعیہ کی تعمیر و ترقی میں اس درجہ دلچسپی لیتے کہ ہمہ وقت اسی سے متعلق منصوبے بناتے رہتے، امارت سے وابستگی میں پوری تندہی اور مستعدی کے ساتھ اپنی عمر کے ۳۵/ سال صرف کئے اور امارت شرعیہ کو اتنی عزت بخشی کہ امارت کیلئے آپ کو آبرو تصور کیا جانے لگا، اسی طرح جب آپ نے منصب قضا سنبھالا تو ملک میں ہندو وطبقہ کی اکثریت کے باوجود اور اقتدار پر قابو یافتہ ہونے کے باوجود اس منصب کو بے پناہ وقار عطا کیا، ''اسلامی عدالت'' نامی کتاب لکھ کر اسلام میں قضا کے مقام اور قاضی کے منصب کی وضاحت کی نیز صوبہ کے اندر اور باہر ہر جگہ آپ نے دارالقضا کے قیام کی تحریک چلائی، منصب قضا پر فائز رہتے ہوئے ہزاروں معاملات کے فیصلے کئے جن کے ذریعہ بڑے بڑے ججوں کو بھی مات کیا اور اس طرح قاضی کا لقب آپ کے نام کا ایسا جز بنا کہ قاضی صاحب کہتے ہی ذہن صرف آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

یوں تو اللہ نے حضرت قاضی صاحب کو فقہی بصیرت، فکری بلندی اور ایسی مختلف خصوصیات کا حامل بنایا تھا جو عام طور پر ایک آدمی میں کم ہی جمع ہوتی ہیں اور ان کی اس جامعیت میں سب سے زیادہ دخل اس بات کو تھا کہ انہوں نے ایک ایسے قابلِ رشک ادارے (دارالعلوم دیوبند) میں تربیت پائی تھی جو ہندی مسلمانوں کی آبرو کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ دارالعلوم کی کوکھ سے وہ تمام صفات اور خصوصیات سے متصف ہو کر نکلے تھے جو دارالعلوم کا امتیاز سمجھی جاتی ہیں اس لئے ان کی تحریکات اور سرگرمیوں میں اکابر دارالعلوم کا پرتو جھلکتا تھا دارالعلوم کے مزاج کے مطابق ان کے علوم میں پختگی اور مضبوطی حد درجہ تھی علوم اسلامی میں سے وہ کسی بھی فن پر گفتگو کرتے تو اس فن کے ماہرین حیرت کے ساتھ ان کی باتیں سنتے، زبان دانی میں بھی حضرت قاضی صاحبؒ چنیدہ افراد میں سے تھے وہ اچھی زبان بولتے اور اچھا لکھتے اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی سے کافی مناسبت رکھتے تھے لیکن ان کا اصل موضوع فقہ تھا، فقہ وفتوی کے ماخذ و مراجع پر گہری نظر رکھتے، اس موضوع سے متعلق مطبوعات و مخطوطات کی تلاش میں رہتے اور روزمرہ کے پیش آنے والے پیچیدہ مسائل مثلاً طلاق، فسخ نکاح، خرید و فروخت کے نئے طور

طریق اور ان کی الجھنوں کا حل جس خوش اسلوبی سے پیش کرتے اس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا وہ جدید معاشرتی مسائل اور سماجی پیچیدگیوں کا حل قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرتے کسی بھی مسئلہ میں بحث وتمحیص کے وقت ان کی فقیہانہ شان ظاہر ہوتی، شریعت کی روشنی میں عصری مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے انہوں نے ۱۹۸۹ء میں اسلامی فقہ اکیڈمی قائم کی جس میں فقہ وقضا سے متعلق اہم کتابوں کی فراہمی نیز غیر مطبوعہ ومطبوعہ کتب کی تحقیق وطباعت، ترجمہ وتصحیح کا سلسلہ شروع فرمایا، مسائل قضاء پر مشتمل ایک لازوال کتاب صنوان القضاء وعنوان الافتاء کو ایڈٹ کرا کر طبع کرایا، اسی طرح کویت سے شائع شدہ چالیس جلدوں پر مشتمل عظیم انسائیکلوپیڈیا کے اردو ترجمہ کا سلسلہ بھی ہے جو اب تکمیل کے قریب ہے ان کے علاوہ مختلف فقہی موضوعات پر وافر مقدار میں جدید لٹریچر بھی تیار کرایا خود حضرت قاضی صاحب کی درجنوں کتابیں اصحاب فکر ونظر کے لئے بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں آپ نے اپنی ادارت میں فقہی مباحث پر مشتمل رسالہ ''بحث ونظر'' جاری کیا جس نے فقہی دنیا میں دستاویزی حیثیت حاصل کر لی ہے اس اکیڈمی کی جانب سے اب تک جو فقہی سیمینار منعقد ہوئے اس کے ذریعہ لاتعداد نوجوانوں کی وہ کھیپ تیار ہوئی جو علوم شریعت کے ساتھ پیش آمدہ جدید مسائل کا ادراک رکھتی ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ بلند پایہ عالم ہونے اور فقہ وقضا میں مصروف رہنے کے باوجود سماجی خدمات اور فلاح کے کاموں سے کبھی غافل نہیں رہے معمولی سواریوں کے ذریعہ دور دراز دیہاتوں کا سفر کرتے ان کو دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم دیتے باہمی اختلافات کے فیصلے کرتے، مقامی لوگوں میں تحریک پیدا کر کے مکاتب اور اسکول قائم کرتے مسلمانوں کو معاشی تگ ودو کی طرف متوجہ کرتے، ہمیشہ مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے اور آپسی اختلافات، ذات پات کے نام پر پیدا ہونے والی گروہ بندی کو مٹانے کی دعوت دیتے وہ اتحاد امت کے پر جوش داعی تھے ان کے اتحاد امت کی تڑپ کی ایک جھلک ان کی تقریر کے اقتباس سے ہوتی ہے انہوں نے ایک موقع پر تقریر کے دوران فرمایا۔''اے لوگوں! امت کی بقا، امت کا تحفظ، امت کا استحکام امت کی وحدت اصل ہے امت رہے گی تو تحریکیں برپا ہوتی رہیں گی امت رہے گی تو تنظیمیں اور جماعتیں وجود میں آتی رہیں گی، جماعتیں اصل نہیں ہیں امت اصل ہے...''

اسی طرح اور بھی مختلف مواقع پر آپ امت کے اتحاد کی صدا بلند کرتے رہے امت کو ایک متفقہ پلیٹ فارم پر دیکھنے کے لئے ان کا سوز بڑھتا رہا اور وہ ملت کے تمام طبقات کو جوڑنے کی فکر میں اتحاد کا پیغام ہر جگہ لے کر جاتے رہے، ملی کونسل کے قیام کی ایک بہت بڑی وجہ بھی یہی تھی۔ ملی کونسل کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مسلکی عصبیت اور گروہی یا علاقائی تفرقہ اندازیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس تنظیم نے ٹاڈا قانون اور دیگر مسلم مخالف کارروائیوں میں موثر اقدامات کیے، حضرت قاضی صاحب ایسی بلند نگاہ شخصیت تھے جو ملی مسائل پر اس انداز سے سوچتے جس طرح کوئی مجتہد یا مجدد سوچتا ہے، امت کو درپیش مسائل کو بہت جلد محسوس کر لیتے پھر موثر اقدامات کرتے ۱۹۹۰ء کی بات ہے کہ مرکز میں وی پی سنگھ کی سرکار تھی، اجودھیا میں بابری مسجد کے قریب وقف اراضی کو اکوائر کرنے سے متعلق صدراتی آرڈیننس کے خلاف آواز بلند کرنے والے حضرت قاضی صاحبؒ ہی تھے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے منصب صدارت پر پہنچنے سے قبل ہی اس کی اتنی خدمت انجام دے چکے تھے جو دوسرے حضرات پر یقیناً بھاری ہے بورڈ کی ہر مجلس میں فقہی و قانونی مباحث کے لئے مولانا کی ذات ہمیشہ مرجع رہی اس لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندویؒ کی وفات کے بعد اتفاق رائے سے صدر منتخب ہوئے آپ کی خدمات کا ایک پلیٹ فارم مسلم پرسنل لاء بورڈ بھی ہے یہ حقیقت ہے کہ آپ کو اس کی زمام صدارت ایسے وقت میں ملی جب آپ کی صحت انتہائی طور پر خراب ہو چکی تھی لیکن ایسے وقت میں بھی آپ نے اس سے متعلقہ تمام امور بحسن وخوبی انجام دیئے اور بورڈ کی تعمیر وترقی نیز اس کے موقف کی حفاظت میں لگے رہے، آپ ان عبقری شخصیات میں سے تھے جنہوں نے بیک وقت متعدد اہم کارنامے انجام دئے آپ کا ہر کارنامہ اس قابل ہے کہ اس پر فخر کیا جائے، وہ ہم سے ایسے وقت میں جدا ہوئے جبکہ ان کی امت کو سخت ضرورت تھی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

قاضی محمد کامل قاسمی ☆

قاضی صاحبؒ کی یادیں

حضرت قاضی صاحبؒ آج اس دنیا میں نہیں ہیں مگر ان کی یادیں تازہ ہیں۔ قاضی صاحب کے ساتھ ملاقات وتاثرات کا تانابانا ایک مکمل چادر کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ جو چادر قاضی صاحب کی صورت میں اپنے سیکڑوں خردوں کے لئے سایہ کا کام کرتی تھی۔

قاضی صاحب سے اتفاقی ملاقاتیں کرنیوالے بھی کسی تاثر سے خالی نہ رہتے تھے۔ پھر متواتر ملاقاتیں کرنیوالے اوران کے سایۂ تربیت میں پروان چڑھنے والے کیسے محروم رہتے۔ ان کو دور سے دیکھنے والے بھلے ہی ان کی ظاہری ہیئت کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہوئے ہوں۔ لیکن ان کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے والے ان کی ظاہری وباطنی، علمی اور فکری گہرائی وگیرائی کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

مارچ ۱۹۹۳ء میں میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ گیا۔ حضرت قاضی صاحب محترم امیر شریعت کے کمرہ میں تشریف فرماتھے عصر سے قبل ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حاضری کا مقصد عرض کیا۔ انہوں نے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب سے میرے متعلق فرمایا کہ عصر بعد ان کو گھر لے آنا۔ عصر بعد مفتی صاحب مجھے اپنے ساتھ امارت شرعیہ کے پرانے دفتر کے قریب ان کے دولت خانہ پر لے گئے۔ قاضی صاحب نے زبانی کچھ باتیں معلوم کیں اور مفتی صاحب سے فرمایا کہ ان کو کتاب ''الفسخ والتفریق'' ''رہنماء دارالقضاء'' وغیرہ کتابچے دلوادیجئے، اور مولانا جسیم الدین صاحب موجودہ قاضی شریعت (جو اس وقت نائب قاضی شریعت تھے) سے کہہ دیجئے کہ ان کا تربیت قضاء کے لئے داخلہ ہوگیا ہے۔ ان سے کام لیں۔ اور مجھ سے کہا کہ کل سے دارالقضاء میں جانے لگو۔ یہی وہ پہلا موقع تھا جب حضرت قاضی صاحب کی پہلی بار زیارت کا مجھے شرف حاصل ہوا۔

حضرت قاضی صاحب کو اللہ تعالی نے افہام وتفہیم کا ایسا ملکہ دیا تھا کہ ''معین الحکام''، ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اور ''الاشباہ والنظائر'' جیسی معرکۃ الآرا کتابوں کے اہم سے اہم مسئلے اور عبارت کو

☆ قاضی شریعت دارالقضاء، جنوبی دہلی

آسان، سادہ اور مختصر الفاظ نیز سلیس انداز میں اس طرح سمجھاتے کہ ہر طالب علم اچھی طرح سمجھ لیتا اور مطمئن ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ قاعدہ "الاصل براء ة الذمة" پر طلباء کو اشکال ہوا کہ جب اصل انسان کا دوسرے کے مطالبہ سے بری ہونا ہے، تو پھر دارالقضاء میں بیوی کی طرف سے شوہر کے خلاف عدم انفاق کا مقدمہ کیوں لیا جاتا ہے؟ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے اساتذہ سے رجوع کیا گیا۔ لیکن طلباء کو تشفی نہ ہو سکی۔ پھر قاضی صاحب سے رجوع کیا گیا تو فوراً فرمایا: یہ قاعدہ صحیح ہے، بس اس میں مالم یثبت فی الذمة کی قید کا اضافہ کر دیا جائے اور قاعدہ کی عبارت اس طرح کر لی جائے: الأصلبراء ة الذمة مالم یثبت فی الذمة" واذا ثبت فی الذمة فالاصل فیه الثبوت فی الذمة. ونفقة الزوجة ثابت فی ذمة الزوج بالزواج. فالاصل فی نفقة الزوجة ثبوت نفقتها فی ذمة الزوج۔ یہ جواب سنتے ہی اشکال دور ہو گیا اور سب طلباء مطمئن ہو گئے۔ مالم یثبت فی الذمة چھوٹا سا جملہ ہے۔ لیکن قاضی صاحب کے مطالعہ کی گہرائی و گیرائی، تبحر علمی اور اس کے استحضار کا اندازہ کرنے کے لئے یہ انتہائی اہم ہے۔

حضرت قاضی صاحب صرف پڑھاتے ہی نہیں تھے بلکہ تربیت پر بھی خاص توجہ فرماتے تھے۔ جس کام کے کرنے پر آمادہ کرنا ہوتا اس کی خوبیوں کو ایسے مدلل اور مربوط انداز سے بیان فرماتے کہ اس کی اہمیت ذہن نشین ہو جاتی اور دل اس کے کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ اور جس بات سے روکنا ہوتا اس کی خامی، خرابی اور نقصان کو ایسے ہی مدلل و مربوط طریقہ سے اجاگر کرتے کہ اس کی برائی دل میں بڑھ جاتی اور طبیعت اس سے نفرت کرنے لگتی۔ ایک روز نکاح سنت کے مطابق سادہ طریقہ پر کرنے کی ترغیب اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی رسومات کے مطابق شادی کرنے کی مذمت اس طرح بیان کی کہ ساتھیوں نے بخوشی قاضی صاحب سے عہد کیا کہ ہم انشاء اللہ اپنے نکاح سنت کے مطابق سادہ طریقہ پر کریں گے ۲۸/ جنوری ۱۹۹۴ء بروز جمعہ کو قاضی صاحب نے پھلواری شریف کی چوراہے والی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی۔ نماز کے بعد کچھ لوگ ان کے ساتھ ان کے دولت خانہ پر گئے۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ "سامان تیار کر لو شام

کو میرے ساتھ دہلی چلنا ہے'' ۳۰/جنوری ہفتہ واتوار کی درمیانی شب میں بٹلہ ہاؤس میں دارالقضاء قائم کرنے کے لئے ایک عظیم الشان اجلاس ہوا، جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء اور عوام شریک ہوئے۔ قاضی صاحب نے اپنی مربوط و مرتب تقریر کے ذریعہ قضاء کی اہمیت و ضرورت کو حاضرین کے دلوں میں پیوست کردیا۔ اللہ تعالٰی نے آپ میں بے پناہ دینی بصیرت ودیعت کررکھی تھی۔ مردم شناسی، کام لینے کی غیر معمولی صلاحیت، قوت فیصلہ، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی، کارکنوں پر اعتماد و بھروسہ، رفقاء کے ساتھ حسن سلوک، دوسروں کے درد اور تکلیف سے بے چین و بے قرار ہوجانا آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ قاضی صاحب بلاشبہ مجموعہ کمالات تھے۔ افسوس صد افسوس کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ آپ کی رحلت مسلمانان ہند کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

اهل قلم حضرات سے

- مضامین، مختصر، خوشخط اور کاغذ کے ایک ہی طرف لکھیں۔
- مضامین کی اوریجنل کاپی ہی ارسال کریں۔ اور اس کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔
- مضمون یا مراسلہ پر مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مطبوعہ مضامین بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔ استثنائی صورتوں میں کوئی مطبوعہ مضمون بھیجنا چاہیں تو اس کی وضاحت ضرور کردیں۔
- غیر طلبیدہ نگارشات کے ساتھ مناسب ٹکٹ لگا لفافہ ضرور بھیجیں تاکہ ناقابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں انھیں واپس کیا جاسکے۔ (ایڈیٹر)

زیر نظر خصوصی شمارے کے لئے ایجنٹ حضرات جلد از جلد رابطہ قائم کریں۔ معقول کمیشن دیا جائے گا۔ تفصیلات ادارے سے معلوم کریں۔ (ادارہ)

عبدالقادر شمس قاسمی

قاضی صاحب چند ملک گیر تنظیموں کے کامیاب سربراہ

مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے کئی ایک ملک گیر تنظیموں کی نہ صرف قیادت کی ہے بلکہ خون جگر سے انہیں سینچا اوران اداروں کے بینر تلے ملت اسلامیہ کے نوع بنوع مسائل حل کئے ہیں۔ موصوف نے پچھلے چالیس برسوں سے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ درج ذیل اداروں کی تاریخ کے نمایاں ابواب ہیں۔ حضرت قاضی صاحب کی کارکردگی کی ایک ہلکی سی جھلک ان اداروں کی نمایاں خدمات میں بجاطور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ امارت شرعیہ خلافت کی طرز پر غیر اسلامی اسٹیٹ میں ایک شرعی تنظیم و مومنانہ تحریک ہے جو صوبہ بہار واڑیسہ میں ۱۹۲۱ء سے قائم ہے۔ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی ۱۹۶۰ء سے تاحیات چیف قاضی کی حیثیت سے امارت شرعیہ سے منسلک رہے، انہوں نے امارت شرعیہ کو خون جگر سے سینچا ہے۔ بہار واڑیسہ کے ۳۶ مقامات پر باضابطہ ذیلی دفاتر اور دارالقضاء، متعدد ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، ہاسپیٹل، سینکڑوں آزاد مدارس کا فیڈریشن، بہار کے گاؤں گاؤں میں مکاتب دینیہ کے قیام کی مہم اور مختلف وبائی امراض، فسادات، سیلاب، ودیگر آسمانی حادثات کے مواقع پر امارت شرعیہ کی فلاحی خدمات، اس کے ماسوا بہت سے دینی، ملی و رفاہی کام جو امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے ہوتے رہے ہیں ان میں حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کی خصوصی توجہ، خود اعتمادی اور کچھ گزرنے کے مزاج کا بہت بڑا دخل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف کی محنت، جدوجہد اور خلوص نے امارت شرعیہ کو آج عظیم الشان قوت میں تبدیل کردیا ہے۔ آپ کی علمی وفقہی حیثیت کو نہ صرف تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ اتھاریٹی اور مرجع مانا جاتا ہے۔ موصوف نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کرکے ایک انقلابی جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ موصوف کا فقہ حنفی کے ممتاز عالم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ امتیاز تھا کہ دیگر ائمہ کی آراء پر گہری نظر اصول شرع سے باخبر اور مجتہد فیہ مسائل میں اپنی رائے رکھتے تھے، نیز جدید ٹکنالوجی اور معاشی وتجارتی مسائل میں روز بروز تبدیلی کی پیچ وخم سے واقف رہتے تھے اور شریعت کی روشنی میں جدید مسائل کے تخریج واستنباط میں ید طولیٰ رکھتے تھے،

☆ مدیر ملی اتحاد، نئی دہلی

نیز گہرا علم، نظر وفکر میں توسع اور اعتدال پسندی یہ وہ خصوصیات ہیں جو ان کو دیگر علماء سے ممتاز کرتی ہیں۔

آپ کی نگرانی میں فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام اب تک ملک کے مختلف شہروں میں ۱۳ فقہی سیمینار منعقد ہو چکے ہیں جن میں ملک و بیرون ملک کے ممتاز مفتیان کرام اور علماء نے چالیس سے زائد جدید مسائل ومشکلات پر غور وخوض کر کے اجتماعی فیصلے کئے ہیں۔ نیز قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی حسن تحقیق وترتیب کے ساتھ اکیڈمی کی مطبوعات ۳۰ سے زائد ہو چکی ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات، فرقہ وارانہ فسادات، اور مسلمانوں کو بے وقار و بے اختیار کرنے کی تیز مہم نیز مسلمانوں کی منظم متحدہ آواز کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ۱۹۹۲ء میں آل انڈیا ملی کونسل کی بنیاد رکھی۔ ملی کونسل رفتہ رفتہ ملک کی ایک بڑی جماعت بن گئی اور آج پورے ملک میں بلاک سطح تک اس کی یونٹ قائم ہے اور کلمہ واحدہ کی بنیاد پر متحد بھی۔

اسی طرح حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کی ابتدائی مہم سے لیکر اپنی حیات تک علمی، فکری اور عملی جدوجہد سے بورڈ کو مسلسل تقویت پہونچاتے رہے۔ انہوں نے بورڈ کے سامنے پیش ہونے والے مختلف چیلنجوں کا دندان شکن جواب دیا اور بورڈ کی سرگرمیوں میں وہ شروع ہی سے شریک وسہیم رہے کیونکہ بورڈ کے قیام کا تخیل جب اس کے بانی امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کے ذہن میں آیا تھا تو اس وقت آپ مولانا رحمانی کے دست وبازو کی حیثیت سے ان کے جملہ علمی وفکری کاموں کو انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کے سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے جو خصوصی میٹنگ دیوبند میں بلائی تھی، حضرت قاضی صاحب اس میٹنگ میں بھی موجود تھے۔ اور اس تاریخ ساز میٹنگ میں تاریخی تجاویز بھی انہوں نے ہی پیش کی تھیں۔ اور ممبئی میں ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' کی تیاری اور اسے مفید و موثر بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ بورڈ کی صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد سے موصوف نے بورڈ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور بورڈ کو متحرک وفعال بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت قاضی صاحب کے دور صدارت جیسی فعالیت بورڈ کو کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ ان کا دور صدارت گرچہ بہت کم رہا مگر بورڈ کا تعارف، کام، اور گراں قدر فیصلوں کے اعتبار سے نہایت اہم رہا ہے جسے ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

☆☆☆

یادوں کی نگری

پروفیسر بدرالدین الحافظ کی خودنوشت سوانح عمری مؤقر مبصرین کی نظر میں:

○ **یادوں کی نگری**، میں مصنف نے اپنی زندگی کے نشیب وفراز کو مؤثر اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے، انہوں نے انشاء پردازانہ انداز نگارش اور الفاظ کی دھوم دھام میں حقائق کو چھپانے کی کہیں کوشش نہیں کی ہے جو ایک خودنوشت کی خوبی ہوتی ہے اور اس میں موجود ہے۔

مولانا اسیر ادروی مدیر: ترجمان الاسلام بنارس

○ **یادوں کی نگری**، ایک حسین آپ بیتی کی صورت میں نگاہوں کے سامنے ہے اور اس کے پردہ سیمیں پر لحہ لحہ بدلتے دلکش مناظر اور دلآویز نقوش سے محظوظ ہو رہا ہوں، آپ نے سوانح نگاری کی جملہ رعایتوں کے ساتھ نقوش حیات جس منفرد انداز سے پیش کئے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط، دارالعلوم دیوبند

○ ڈاکٹر بدرالدین الحافظ کی سوانح ان کی شخصیت کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے "دور مجیب" کی جھلکیاں بھی بخوبی دکھاتی ہے اور ہمیں جتاتی ہے کہ اپنی دنیا آپ پیدا کر۔

عبداللہ ولی بخش قادری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

○ **یادوں کی نگری**، ایک ایسی سوانح عمری ہے جس میں ان کا پورا عہد نظر آتا ہے پھر تمام سرگزشت مقامات اور تاریخوں کے ساتھ رقم کی ہے جس سے اسکی قدرومنزلت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹر توقیر احمد خاں، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی۔

صفحات ۳۰۴ قیمت ایک سوروپے

ملنے کے پتے

□ کتب خانہ حسینیہ دیوبند یوپی۔ ۲۴۷۵۵۶ □ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی۔

□ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند۔ اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔۶

□ ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

منظومات

کفیل الرحمٰن نشاط☆

بروفات مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

جو علم و فضل کے گلشن کا حصہ دار رہا
بطرزِ خاص ذہانت کا شاہکار رہا
جو اپنی جہدِ مسلسل کی خود دلیل بنا
رہِ حیات میں جو بے شبہ مثیل بنا
سیاہ شب نے بڑھائی جو اس کی جولانی
تو اس کے ہاتھ لگی صبح کی درخشانی
مسرتوں کے جلائے چراغ بھی اس نے
سکون قلب کے بانٹے ایاغ بھی اس نے
نظام فکر و عمل کو نئے اصول دیئے
ہٹا کے راہ سے کانٹے مہکتے پھول دیئے
جراحتوں کا جو مرہم تلاش کرتا تھا
محبتوں کا جو سنگم تلاش کرتا تھا
روایتوں کا جو تاعمر پاس دار رہا
ہمیشہ اپنے بزرگوں کا خاکسار رہا
پیام حق کے وفا کیش ایک حامل پر
خدا کا فضل ہو مرحوم مرد عاقل پر

☆ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

☆راز دیوبندی

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مرحومؒ

ذات اقدس ہے جنکی حق کی حسام
وہ تھے قاضی مجاہد الاسلام
وہ نمونہ تھے علم و حکمت کا
وہ سراپا تھا دین و سنت کا
وہ تھے ارباب معرفت کے امام
وہ تھے قاضی مجاہد الاسلام
وہ فراست کا نور رکھتے تھے
قائدانہ شعور رکھتے تھے
ان کو حاصل تھا اک بلند مقام
وہ تھے قاضی مجاہد الاسلام
پاک باطن تھے نیک سیرت تھے
سر بسر عالم شریعت تھے
ان سے قائم تھا آگہی کا نظام
وہ تھے قاضی مجاہد الاسلام
ان کے خطبات ہیں عمل کے نقیب
واقعی وہ تھے باکمال خطیب
فکر کا آئینہ ہے ان کا کلام
وہ تھے قاضی مجاہد الاسلام
مجتہد اور فقیہ ملت تھے
زندہ دل صاحب بصیرت تھے
روح فرزانگی ہے ان کا پیام
وہ تھے قاضی مجاہد الاسلام

وارث مظہری

نالۂ فراق
قاضی مجاہدالاسلام قاسمی

چراغِ بزم افسردہ ، دیار شوق ویراں ہے
بہارِ رفتہ گلشن کے لئے خوابِ پریشاں ہے
ہوا کس اوٹ میں وہ رشک مہر و ماہ پوشیدہ
کہ شب ظلمت بداماں ہے، سحر شامِ غریباں ہے
کہاں وہ ساقیِ خوش دست ، میناو سبو خالی
درو دیوارِ میخانہ ، سرا پا چشمِ گریاں ہے
تفکر کیا ، تدبر کیا، تفقہ کیا بصیرت کیا ؟
ہر اک محفل خزاں دیدہ ، غم وحسرت کا ساماں ہے
وہ ملک وقوم کا خادم ، وہ دین حق کا شیدائی
وہ جس کی زندگی کا ہر ورق ملت کا عنواں ہے
فراقِ نا خدائے کشتی ملت معاذ اللہ !
تلاطم خیز دریا ہے، ہوائے تند جولاں ہے
کہاں وہ قیس صحرائی ، وہ رشکِ آبلہ پائی
کہ نم دیدہ سرِشک خون سے چشمِ غزالاں ہے
کہوں کیا حالِ زارِ مظہریِ نیم جاں تم سے
زباں پر آہ و نالہ ہے ، جگر میں سوز ہجراں ہے

❀❀❀❀❀❀

ظفر جنکپوری قاسمی

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے سانحۂ ارتحال پر

اے مجاہد ، عالم بے مثل ، مرد باکمال
تجھ کو بخشا تھا، مشیت نے شعور لازوال

تیری ہستی تھی یقیناً ، لائق صد افتخار
علم و دیں کا تھا منارا، حق نگر، روشن خیال

تو نے سلجھائے ہیں گیسو قوم کی تقدیر کے
تجھ کو بخشا تھا، مشیت نے عجب حسن کمال

دار فانی میں تجھے اب ڈھونڈنے جائیں کہاں
اے مفکر ، اے مدبر ، اے فقیہ بے مثال

****

جسے بیدار رہنا تھا ابھی کچھ
اسے نیند آئی آغوش اجل میں

گراں مایہ خزانہ علم و دیں کا
اجل نے آکے لوٹا ایک پل میں

سرائے دہر میں رہنا ہے کس کو
ہر اک جائے گا اس سے آج کل میں

منیر احمد آسی بلیاوی
رواق خالد ۵۱ دارالعلوم دیوبند

قطعہ

بجھ گیا علم و عمل کا اک چراغ
خشک و ویراں ہوگیا ملت کا باغ
عندلیبانِ چمن خاموش ہیں
غم سے ہے سینہ کلی کا داغ داغ
اک مفکر اک مدبر چل بسا
ہوگیا خاموش اک روشن دماغ
آبروئے فقہ و شمع آگہی
کھوگئی ، ملتا نہیں کچھ بھی سراغ
خونِ دل سے مرثیہ آسی لکھ
رکھ انہیں لفظوں میں اپنے دل کے داغ

ولی اللہ قاسمی بستوی☆

بر وفات حسرت آیات

جناب حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

وقت کا سچا مجاہد خادم اسلام تھا
ماہر فقہ و فتاوی عہد کا علام تھا

عالمانِ دین میں وہ معتبر مانا گیا
آسمان علم کا نجم سحر مانا گیا

کاروان اہل حق کا راہبر مانا گیا
وہ خطیبان زماں میں پُر اثر مانا گیا

تھا مصنف مستند وہ، صاحب تحریر تھا
تھا مفکر عہد نو کا ماہر تقریر تھا

امتِ مرحوم کے خوابوں کی وہ تعبیر تھا
اور میدانِ حق و باطل میں وہ شمشیر تھا

اس کے دم سے مرکز علمی بنا صوبہ بہار
اور دربھنگہ میں آئی علم و حکمت کی بہار

عالم عرب و عجم میں تھے ہزاروں قدرداں
اس کی علمی شخصیت کا تھا زمانہ مدح خواں

تادمِ آخر رواں اس کا رہا فیضان عام
بانٹتا پھرتا رہا وہ ہر طرف حکمت کا جام

ہے ولی کی یہ دعا اے خالقِ کون و مکاں
تربت قاضی مجاہد کو بنا جنت نشاں

مغفرت فرمادے اس کی اے خدائے مہرباں
تذکرہ اس کا رہے دنیائے دوں میں جاوداں

○○○○

محمد طاہر الاعظمی

تاریخ وفات بدر زماں

۲۰۰۲ء

بسم اللہ الفتاح البدیع الرحمن الرحیم
۱۴۲۳ھ

مولانا القاضی مجاهد الاسلام القاسمی رحمة الله المعید
۲۰۰۲ء

نور مرقده المتکبر العزیز
۱۴۲۳ھ

آه صدر گرامی آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ
۱۴۲۳ھ

زملول مفتی محمد طاهر الاعظمی
۲۰۰۲ء

مفتی حمید اشاعت العلوم کوٹلہ (اعظم گڑھ یوپی)
۲۰۰۲ء

☆ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم دھولیہ، مہاراشٹر

.N.I.57442/94 June - August 2002

Monthly
TARJUMAN-E-DARUL ULOOM (JADID)
SPECIAL ISSUE
16/11, Jogabai, Jamia Nagar, New Delhi-25 Ph. : 6327535

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

• **نام:** (مولانا قاضی) مجاہد الاسلام قاسمی ابن مولانا عبدالاحد قاسمی • **ولادت:** قصبہ جالہ دربھنگہ بہار • **تاریخ:** ۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء • **تعلیم:** دربھنگہ، مؤناتھ بھنجن، دارالعلوم دیوبند (فراغت ۱۹۵۵ء)، بی اے آنرس پنجاب یونیورسٹی • **تدریس:** ۵۵تا۱۹۶۲ جامعہ رحمانی مونگیر • ۱۹۶۱ء میں بہار واڑیسہ کے قاضی شریعت مقرر کیے گئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے • **عہدے اور ذمہ داریاں:** صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ • بانی وسکریٹری جنرل: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا • قاضی القضاۃ ونائب امیر شریعت: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ • سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل • اکسپرٹ ممبر: انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی (جدہ) • ممبر: اسلامک فقہ اکیڈمی (مکۃ المکرمۃ) • رکن: المجمع العلمي العربي (شام) • رکن اعزازی: الهيئة الخيرية الاسلامية العالمية (کویت) • بانی وصدر: المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء • صدر: مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (پٹنہ) • چیف ایڈیٹر: سہ ماہی ''بحث ونظر'' نئی دہلی • سرپرست: ماہنامہ ملی اتحاد نئی دہلی. **تصنیفات وتالیفات:** اسلامی عدالت (عربی ترجمہ: نظام القضاء الاسلامي کے عنوان سے بیروت سے شائع ہوا) الوقف، قضايا فقهية معاصرة، فقه المشكلات، الذبائح وغیرہ۔ ان کے علاوہ درجنوں کتب ورسائل پر تحقیق وتحشیہ اور تبویب وترتیب کا کام انجام دیا۔ جن میں ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' اور ''الموسوعة الفقهية'' شامل ہیں۔ **ایوارڈس:** فقہی ایوارڈ لجنة تطبيق الشريعة (کویت)، علی میاں ایوارڈ (افمی امریکا) کمیونٹی لیڈرشپ ایوارڈ (بنگلور) شاہ ولی اللہ ایوارڈ (IOS نئی دہلی) بہترین شخصیت ایوارڈ (میی انڈیا)

• **وفات:** ۴/اپریل ۲۰۰۲ء